اشرف السوانح

جلد سوم - جلد چہارم

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا
محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

کمپیوٹر ایڈیشن... خانقاہِ امدادیہ اشرفیہ
کی نایاب رنگین تصاویر کے ساتھ

جدید ایڈیشن

ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان پاکستان فون 4540513-4519240

اشرف السوانح

تاریخ اشاعت..................ربیع الاول ۱۴۲۷ھ
ناشر..........................ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
طباعت....................سلامت اقبال پریس ملتان

قارئین سے گذارش

ادراہ کی حتی الامکان کوشش ہوتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ اس کام کیلئے ادارہ میں علماء کی ایک جماعت موجود رہتی ہے۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو برائے مہربانی مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تا کہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ

ملنے کے پتے

ادارہ تالیفات اشرفیہ...چوک فوارہ...ملتان — مکتبہ رشیدیہ.......راجہ بازار.......راولپنڈی
ادارہ اسلامیات.........انارکلی........لاہور — یونیورسٹی بک ایجنسی.....خیبر بازار.......پشاور
مکتبہ سید احمد شہید.......اردو بازار.....لاہور — ادارۃ الانور.......نیوٹاؤن.......کراچی نمبر 5
مکتبہ رحمانیہ.......اردو بازار .... لاہور — مکتبہ المنظور الاسلامیہ...جامعہ حسینیہ...علی پور
مکتبہ المنظور الاسلامیہ..........بلاک زیڈ.......مدینہ ٹاؤن.......بنک موڑ.........فیصل آباد

ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K
(ISLAMIC BOOKS CENTERE
119-121- HALLIWELL ROAD
BOLTON BL1 3NE. (U.K.)

فہرست عنوانات

(جلد چہارم)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

خاتمۃ السوانح

از: مؤلف اشرف السوانح

ضروری تنبیہ: چونکہ حضرت صاحب السوانح رحمتہ اللہ علیہ کی نظر اصلاحی کے شرف سے یہ خاتمۃ السوانح بخلاف اشرف السوانح کے محروم ہے۔ اس لیے اگر اس میں کوئی بات خلاف تحقیق نظر آئے وہ اس بے علم و بے مایہ نااہل و ناکارہ کی یاد یا نقل یا ناواقفیت یا فہم وغیرہ کی کوتاہی سمجھی جائے۔ حضرت رحمتہ اللہ علیہ کی طرف ہرگز منسوب نہ کی جائے کہ وہ ذات والا صفات ایسی باتوں سے کہیں بالا اور ارفع و اعلیٰ تھی۔ فقط

امّا بعدُ: یہ خستہ و شکستہ خاطر گرفتہ و طبع بستہ، نم دیدہ و دل تپیدہ، غم کشیدہ و آفت رسیدہ، ناکارہ و آوارہ، بیکس و بیچارہ، بے یار و مددگار، زار و نزار، سینہ فگار، مبتلائے رنج و محن، راجی رحمت ذوالمنن احقر الزمن خواجہ عزیز الحسن حفظہ اللہ تعالیٰ من جمیع الفتن ما ظہر منہا و ما بطن، وارد حال تھانہ بھون عرض پرداز ہے۔

کہ ایک تو وہ زمانہ تھا جب اس نااہل و نابلد نے اشرف السوانح بصد ذوق و شوق مرتب کی تھی اور ایک یہ دن ہے کہ آج اس کا خاتمہ بہزار حسرت و یاس لکھنے بیٹھا ہے۔ یعنی اس

سانحہ فاجعہ کی قدرے تفصیل جس نے سارے جذبات ذوق وشوق ہی کا خاتمہ کر دیا۔ اور ساری اُمنگیں ہی فنا کر دیں۔

آہ کس قلم سے لکھوں اور کس دل سے مطلع کروں کہ حضرت اقدس حکیم الامۃ مجدد الملۃ قطب العالم اشرف الاولیاء شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ العزیز اس سرائے فانی اور قیامگاہ عارضی کو بیاسی سال تین ماہ گیارہ دن اپنے وجود باوجود سے مشرف فرمانے کے بعد بالآخر سولہ رجب المرجب سنہ تیرہ سو باسٹھ ہجری شب سہ شنبہ یعنی انیس اور بیس جولائی سنہ انیس سو تینتالیس عیسوی (۱۹۴۳ء) کی درمیانی شب کو دھوپ گھڑی کے حساب سے ٹھیک دس بجے اور بلحاظ نئے انگریزی وقت کے تقریباً ساڑھے گیارہ بجے بعد نماز عشاء اپنی دائمی آرام گاہ جنت الخلد کو رحلت فرما گئے۔ اور اپنے بے شمار محبین کو ترستا اور تڑپتا چھوڑ کر اپنے محبوب حقیقی سے جاملے۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔

گو اس واقعہ قیامت خیز اور حادثہ حسرت انگیز پر قلم اٹھانا اور اس کو حیز تحریر میں لانا طبعاً سخت شاق ہے لیکن عقلاً و مصلحۃً خدام و معتقدین حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خاطر غمگین کی تسلی کی غرض سے جن کی بیتابانہ اور والہانہ فرمائشیں چاروں طرف سے آرہی ہیں۔ بالخصوص ان خدام کی جو بوقت رحلت موجود نہ تھے، نیز خود اپنی دل کی بھی بھڑاس نکالنے کے لیے مجبوراً دل پر پتھر رکھ کر لکھوائے ۔

مرا دردیست اندر دل اگر گویم زبان سوزد وگر دم در کشم ترسم کہ مغز استخواں سوزد

بہت اختصار کے ساتھ بقدر ضرورت کچھ حالات وفات حسرت آیات لکھ کر شائع کیے جاتے ہیں۔ کیونکہ فرداً فرداً کس کس کو کہاں کہاں اطلاع دی جاسکتی ہے۔ نیز یہ مصلحت بھی پیش نظر ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ یہ حالات سبق آموز و غم افزا علاوہ بصیرت افروز ہونے کے غمزدہ دلوں کی بھڑاس نکال کر باعث سکون بھی ہو جاویں گے۔ اور جراحت قلب پر ایک تیز مرہم کا سا کام دیں گے، جو پہلے تو اضطراب پیدا کرتا ہے پھر سکون۔ [۱]

دے دارم خزینے داد خواہے کنوں سر میکنم حرفے و آہے
نماند امروز کس غمخوار ایں بیمار سودائی فغاں از بیکسی، فریاد از بیداد تنہائی

---

[۱] قطعہ از نظم فارسی مولانا محمد شفیع صاحب مفتی دیوبند ۱۲

حکیم الامت رفت و من وارفتہ حیرانم   کہ نتواں پیش کس بردن چنیں حال پریشانم
مریضم مبتلائے دل کجا جویم دوائے دل   کجا یابم شفائے دل زعتبہا تے پنہانم

اصل مرض وفات ضعف معدہ اور ورم جگر تھا جس کے آثار یہ تھے کہ کبھی قبض لاحق ہو جاتا جس سے حضرت اقدس کو سخت الجھن اور اذیت ہوتی اور کبھی دستوں کے دورے ہونے لگتے جس سے شدید ضعف ہو جاتا۔ علاوہ بریں مختلف اعضاء پر ورم بھی رہنے لگا تھا۔ آخر زمانہ میں اشتہا مفقود ہوگئی تھی اور اکثر اوقات غنودگی کا عالم طاری رہنے لگا تھا ان میں سے اکثر شکایات کم وبیش تقریباً پانچ سال متواتر رہیں۔ اس عرصہ میں علاج برابر جاری رہا۔ جس کے سلسلہ میں ایک بار سہارنپور اور دو بار لکھنؤ بھی معتد بہ مدت تک قیام فرمایا۔ مختلف طبیب بھی بدلے جنہوں نے نہایت دلسوزی اور والہانہ توجہ سے علاج کیا کیونکہ ان میں اکثر معتقدین جانثار ہی تھے لیکن اگر کبھی افاقہ ہوا تو محض عارضی ہوا۔ مرض کا استیصال کلی کسی علاج سے نہ ہوسکا۔ بالآخر نوبت بایں جارسید کہ سقوط اشتہا کے باعث غذا تقریباً بالکل متروک ہوگئی اور روز بروز بڑھتا ہی چلا گیا۔ اس کی جانب حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ بار بار معالجین کی توجہ منعطف فرماتے رہے۔ اور اس عنوان سے کہ جب یہ حالت ہے تو اس کا انجام سوچ لیا جائے گو میں تو اس انجام کے لیے بھی تیار ہوں لیکن گوش گزار کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔

آخر میں باوجود انتہائی ضعف کے لکھنؤ کے طویل سفر کا پھر قصد فرمایا لیکن اتنے میں دستوں کا آخری دورہ شروع ہوگیا جس کا امتداد نہایت اشتداد کے ساتھ تقریباً ایک ماہ تک رہا اور جس نے رفتہ رفتہ بالکل صاحب فراش کر کے سفر کا امکان ہی منقطع کر دیا۔ اس دوران میں وہ چند مرغوبات بھی چھوٹ گئیں جو کسی درجہ میں قوت پہنچاتی رہتی تھیں۔ اس حالت کے متعلق وفات سے چند ہی روز قبل حاضرین خاص سے فرمایا کہ اب تو کسی چیز کی بھی رغبت نہیں رہی بس خواجہ صاحب کا یہ شعر حسب حال ہے ۔

ہر تمنا دل سے رخصت ہوگئی   اب تو آجا اب تو خلوت ہوگئی

پھر اس شعر کی بہت تعریف فرماتے رہے۔ یہ شعر حضرت اقدس کو بوجہ اپنے حسب حال ہونے کے اس درجہ پسند تھا کہ ایک بار احقر سے مزاحاً فرمایا کہ اگر میرے پاس اتنی رقم ہوتی تو

میں ایک لاکھ روپیہ آپ کو اس شعر کا انعام دیتا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ جب کبھی مجھ کو یہ شعر یاد آ جاتا ہے تو بلا کم از کم تین بار پڑھے سیری نہیں ہوتی۔ اس سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے تعلق مع اللہ اور دنیا سے بے تعلقی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کیونکہ انہیں دونوں کا ذکر اس شعر میں ہے۔ غرض جب لکھنؤ کے سفر کی قوت ہی نہ رہی تو لکھنؤ کے خدام خاص کے اصرار پر وہاں کے وہ طبیب حاذق شفاء الملک جناب حکیم عبد المجید صاحب جن کے علاج سے گذشتہ قیام لکھنؤ میں افاقہ ہوا تھا وفات سے ایک ہفتہ قبل بلوا لیے گئے تھے لیکن اس وقت متواتر دستوں اور ایک عرصہ سے غذا متروک ہو جانے کی وجہ سے گھل گھل کر یہ نوبت پہنچ چکی تھی۔

مریض محبت میں اب کیا دھرا ہے جو باقی ہیں سانس وہ آ جا رہے ہیں

لیکن باایں ہمہ حضرت اقدس قدس سرہ العزیز کی قوت قدسیہ ایسی کارفرما تھی کہ باوجود صرف پوست و استخواں رہ جانے کے جس وقت غنودگی سے چونکتے ہوش و حواس، تدبرو انتظام، تحقیق و تدقیق، ہمہ گیری و رسائی، فکر استحکام و اصابت رائے وغیرہ وغیرہ جملہ خصوصی اوصاف حضرت والا اپنے اسی بے نظیر امتیازی شان سے نمودار ہونے لگتے جو بحالت صحت ہمیشہ سے تھی۔ بس صرف آواز کی پستی کا فرق ہوتا۔ ان حالات میں آخر وقت تک نہ صرف خدام و متعلقین ہی بلکہ طبیبوں کو بھی افاقہ کا دھوکہ رہا، گو دو چار روز سے چہرہ اقدس پر بھی جس کو اس سے قبل ہمیشہ انتہائی ضعف و علالت کی حالت میں بھی جو بصد رعب و داب وہیبت شاہانہ ہی دیکھا گیا۔ ضعف کی خاص حالت تھی، اس سے مایوسی کے بھی خیالات آنے لگے تھے خود حضرت اقدس نے بھی اس زمانہ میں بعض اوقات فرمایا کہ گو جسمانی تکلیف ہے لیکن الحمدللہ طبیعت منشرح ہے ایک بار فرمایا کہ کبھی کبھی خیال کرتا ہوں کہ بیکار تو پڑا ہی ہوں لاؤ لیٹے لیٹے کچھ ذکر اللہ ہی کروں لیکن ضعف اس قدر ہے کہ زبان اٹھتی ہی نہیں گو الحمدللہ قلب سے تو ذکر کرتا رہتا ہوں۔ ایک دن بعد عصر آنکھیں بند کیے حسب دستور کروٹ لئے ہوئے لیٹے تھے۔ ہم لوگ سمجھے کہ غنودگی میں ہیں مولوی جمیل احمد صاحب نے کچھ استفسار کسی غذا کے متعلق کیا تو جھنجھلا کر آنکھیں بند کئے ہوئے فرمایا کیا واہیات ہے ایک مشغول آدمی کو اپنی متوجہ کرنا۔ اب سوچوں اور جواب دوں۔ ایسی باتوں کا بہت خیال چاہیے۔ مولوی

صاحب نے عرض کیا بہت اچھا۔ اس پر اپنے مخصوص طرز تنبیہ میں فرمایا کہ ہمیشہ یہی جواب ملتا ہے کہ بہت اچھا لیکن عمل کبھی نہیں ہوتا۔ تدقیق ورسائی فکر کا برابر یہ عالم رہا کہ صرف دو چار روز قبل وفات ایک منی آرڈر تین سو روپیہ کا آیا اس میں لکھا تھا کہ میں نے ایک منت مانی تھی کہ میرے کاروبار میں کامیابی ہوگی تو تین سو روپیہ (۳۰۰) حضور کی خدمت میں بھیجوں گا۔ چنانچہ مجھے بفضلہ تعالیٰ کامیابی ہوئی۔ اس لیے مبلغ تین سو روپیہ خدمت میں بھیجتا ہوں۔ آپ مالک ہیں کہ جہاں چاہیں صرف فرمائیں۔ کچھ اسی قسم کا مضمون تھا احقر بھی اس وقت حاضر تھا اور منتظر تھا کہ دیکھئے یہ منی آرڈر وصول کیا جاتا ہے یا واپس ہوتا ہے کیونکہ حضرت کا ہمیشہ یہ معمول تھا کہ اگر ذرا بھی ایہام یا ابہام یا اور کوئی بات خلاف اپنے معمول کے ہوتی تو منی آرڈر کے فارم پر وجہ لکھ کر فوراً واپس فرمادیتے۔ چنانچہ باوجود صاحب فراش ہوجانے کے قلمدان منگوا کر لیٹے لیٹے اس پر خود اپنی ناتواں انگلیوں سے سنبھال سنبھال کر بدقت تمام یہ عبارت لکھ کر واپس فرمادیا کہ پہلے تو تم نے لکھا ہے کہ آپ مالک ہیں بعد کو اختیار خرچ کرنے کا دیا ہے اور یہ صیغہ توکیل کا ہے چونکہ مالک بنانے میں اور وکیل بنانے میں شرعاً فرق ہے لہٰذا واپس کیا جاتا ہے۔ الفاظ اچھی طرح محفوظ نہیں لیکن مضمون کچھ اسی قسم کا تھا۔ ڈاکخانہ والے بھی جن میں بعض عیسائی اور ہندو بھی تھے سخت تعجب کر رہے تھے کہ اول تو ہم نے کسی کو اس طرح منی آرڈر واپس کرتے دیکھا ہی نہیں اور یہاں روز واپس ہوتے ہیں پھر اتنی طویل اور ایسی سخت بیماری اور ایسی سخت ضعف کے عالم میں بھی ایسی ایسی باریک باتوں، اور ایسے ایسے باریک فرقوں کی طرف ذہن کا چلا جانا سوائے اس کے کہ قوت روحانی ہے اور کچھ سمجھ میں نہیں آتا کیونکہ یہ صرف قوت دماغی سے تو بظاہر بعید ہے یہ بھی تعجب کر رہے تھے کہ اس احتیاط کا کیا ٹھکانا ہے کہ محض اس ابہام پر کہ ممکن ہے وکیل بنانا مقصود ہو مالک بنانا مقصود نہ ہو گو بظاہر غالب قرائن قریب بہ یقین اسی کے تھے کہ مالک بنانا مقصود تھا۔ پھر بھی ذرا سے شبہ پر اتنی بڑی رقم بلا ادنیٰ تامل واپس فرمادی، ہدایا کے متعلق جتنی احتیاط حضرت کے یہاں دیکھی بہت کم دیکھنے میں آئی اس کا سبب زیادہ تر غیرت تھی۔ چنانچہ خود فرمایا کرتے تھے کہ میں زیادہ متقی پرہیزگار تو ہوں نہیں۔ ہاں طبیعت میں اللہ تعالیٰ نے غیرت

رکھ دی ہے۔ جناب حکیم عبدالحمید صاحب مالک ہمدرد دواخانہ دہلی نے جو اسی علالت کے زمانہ میں اول ہی بار زیارت کے لیے حاضر ہوئے تھے اس سے پہلے ان سے تعلقات نہ تھے۔ اپنے دواخانہ کا شربت بھیجا۔ بجائے اس کو ہدیۃً قبول فرمانے کے قیمتاً رکھ لیا۔ اس کی قیمت لانے والے کو دے دی بعد کو انہوں نے بذریعہ اجازت نقد یا دوا کی صورت میں ہدیہ بھیجنے کی چاہی۔ جس کا جواب یہ لکھوایا کہ آپ کی محبت کا ممنون ہوں اور احسان کے ارادہ کا شکریہ ادا کرتا ہوں لیکن اس کا حل سمجھ میں نہیں آیا اگر آپ سمجھے ہوں آپ سے دریافت کرتا ہوں کہ میں آپ کی کوئی خدمت نہیں کر سکا اور اب تو میں خدمت کے قابل نہیں رہا۔ پھر میں آپ کا ہدیہ قبول کر کے اپنے دل کو کیا سمجھاؤں، پھر زبانی فرمایا کہ اگر آخر میں انکار ہی رہا تو بتدریج انکار نا گوارنہ ہوگا اور اگر قبول ہوا تو ان کو زیادہ مسرت ہوگی۔

باوجود انتہائی ضعف کے ذہن کا باریک باریک باتوں کی طرف بھی چلے جانے کا ایک اور عجیب واقعہ یاد آیا۔ حضرت اقدس کا معمول تھا کہ سرمہ لگانے کے بعد ایک چھوٹی سی چمچی میں چند قطرے دودھ کے ڈال کر اور سلائی کو اس سے تر کر کے آنکھوں میں لگایا کرتے تھے۔ کسی طبیب نے مفید ہونا بتلایا ہوگا۔ حاجی بندو ملازم جناب نواب صاحب باغپت جو نواب کی اجازت سے خدمت کے لیے آئے ہوئے تھے۔ انہوں نے اس کے متعلق خدمت کو انجام دیا۔ جب حضرت اقدس نے بعد فراغ اس چمچی کو واپس فرمایا تو چونکہ وہ دودھ بہت کم مقدار میں تھا یعنی صرف چند قطرے ہی تھے۔ نیز اس میں آنکھوں کے سرمے اور آنسوؤں کی تری کا بھی اثر آ گیا تھا جس سے اکلاً قابل استعمال بھی نہ رہا تھا اس لیے انہوں نے اس کو پھینک دیا۔ تھوڑی دیر بعد جب حضرت کو خیال آیا تو دریافت فرمایا کہ وہ دودھ کیا ہوا انہوں نے عرض کیا کہ حضرت پھینک دیا۔ فرمایا کہ فضول ضائع کیا۔ طوطا ہی پی لیتا (گھر میں طوطا پلا ہوا ہے) اس بیکار دودھ کا بھی کیسا صحیح مصرف ذہن رسا اور فکر صائب نے تجویز فرما لیا۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی ذرا سی نعمت کا بھی ضائع کرنا مجھے نہایت گراں گزرتا ہے۔ اور واقعی حضرت کا یہ معمول رات دن مشاہدہ میں آتا تھا کہ بالکل ردی چیزوں کو بھی حتیٰ کہ کسی پیکٹ یا پارسل میں ذرا سی سُتلی یا تاگا اوپر کا لپٹا ہوا کاغذ بھی ہوتا تو اس کو بھی

بحفاظت رکھ لیتے، جو وقت پر بہت کام آتا۔ شان تدقیق کے ظہور کا میرے نزدیک سب سے زیادہ حیرت انگیز موقع وہ تھا کہ آخری غشی اور انتقال سے تھوڑی ہی دیر پہلے دریافت فرمایا کہ مغرب میں کیا دیر ہے عرض کیا گیا کہ دس منٹ ہیں فوراً مکرر استفسار فرمایا کہ وقت کے آنے میں یا وقت کے جانے میں اللہ اکبر آخر وقت تک بھی وہی شان تدقیق رہی جو مدت العمر علوم و معارف کی طرف منعطف ہو ہو کر کیسے کیسے دقائق و حقائق ظاہر کرتی رہی جن سے حضرت اقدس کی تصانیف بھری پڑی ہے۔

نیز اس انتہائی عالم ضعف والخطاط میں خطوط کو سن سن کو جو جوابات زبانی لکھواتے رہے ان سے بھی سننے والوں کو حیرت پر حیرت ہوتی تھی کہ ہر مضمون ہر لحاظ سے نہایت جامع مانع اور سارے ضروری پہلوؤں کو بالکل حاوی ہوتا۔ حالانکہ درمیان میں غنودگی بھی طاری ہو ہو جاتی لیکن جب افاقہ ہوتا پھر لکھوانا شروع فرما لیتے اور تسلسل میں ذرا فرق نہ آنے پاتا۔ اس پر ایک واقعہ یاد آیا۔ ایک مصیبت زدہ بی بی کے جو حضرت اقدسؒ کے کانپور کے زمانہ کے دیرینہ معتقد بلکہ دوست کی بیٹی تھیں ایک نہایت دردناک خط کو بہت طویل اور متعدد مختلف مضمونوں اور درخواستوں پر مشتمل تھا پورا سنا گو ہم لوگوں کے گمان میں کبھی کبھی غنودگی سی بھی طاری ہوگئی لیکن جب اس کا یکجائی جواب لکھوایا تو سننے والے حاضرین مجلس کو حیرت ہوگئی کیونکہ کوئی جز ایسا نہ چھوڑا جس کا جواب نہ لکھا دیا ہو اور وہ بھی نہایت شفقت آمیز تسلی بخش، مؤثر، جامع مانع اور باربط۔ دور غنودگی میں اس درجہ حاضر دماغی اللہ اکبر۔ ایسے ہی حالات کو دیکھ کر جناب حکیم خلیل احمد صاحب سہارنپوری نے جو حضرتؒ کے معالج تھے یہ فرمایا کہ یہ غنودگی طبی نہیں ہے بلکہ ظاہراً استغراق اور توجہ الی اللہ سے ناشی معلوم ہوتی ہے کیونکہ ہم نے بہت سے مریض غنودگی والے دیکھے ہیں ان پر غنودگی سے افاقہ کے بعد بھی کچھ اثر اس کا باقی رہتا ہے۔ دماغ کچھ پھولا پھولا سا رہتا ہے اور یہاں یہ حال ہے کہ خود غنودگی سے ہوشیار ہونے سے ہوشیار ہوئے تو پھر دماغ پر غنودگی کا کوئی اثر ہی محسوس نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔ علاوہ اس جواب کے جس کا ذکر اوپر کیا گیا احقر کے پاس بہت سے جوابات کی بھی نقلیں موجود ہیں جو اسی عالم میں اور اسی شان سے لکھوائے گئے تھے مگر

یہاں محض نمونہ کے طور پر مکتوبات حسن العزیز سے ان بی بی صاحبہ کے خط کا خلاصہ اور حضرت کا جواب مکمل اور چند دیگر مراسلات کی نقول بھی ہدیہ ناظرین کی جاتی ہیں جو اس حیثیت سے بھی قابل ملاحظہ ہیں کہ یہ حضرت اقدسؒ کی آخری یادگار ہیں۔

ایک بی بی کا خط ملخصاً مع جواب

منقول از مکتوبات حسن العزیز

(خلاصہ مضمون) میں آپ کے دوست اور معتقد دیرینہ فلاں صاحب کی بیٹی ہوں، بیوہ ہوں، چھوٹے بھائی کا خط بھی ملاحظہ ہو۔ والد صاحب کی وفات کا غم میرے لیے نا قابل برداشت ہوگیا ہے۔ اللہ کی مرضی پر راضی ہوں۔ ہر چند صبر کرتی ہوں لیکن دل و دماغ اس صدمہ کی وجہ سے کمزور ہوگئے، طبیعت سخت پریشان اور افسردہ رہتی ہے، معمولات دینی و دنیوی ادا کرتی ہوں لیکن افسوس ہے کہ نماز، قرآن تک میں دل نہیں لگتا۔ برص کی بیماری نے بھی زور پکڑا ہے، سفید داغ ایک دفعہ حضور کے تعویز سے جاتے رہے تھے، اب پھر نمودار ہوگئے ہیں اور اس مرض کے سلسلہ میں بہت سی تکلیفیں پیدا ہوگئی ہیں۔ سب علاج کر لیے۔ اب دل میں آتا ہے کہ آپ سے درخواست کروں، برائے خدا میرے اس مرض کے دفعیہ کے لیے دعا کیجئے اور جو تعویذ دعا تجویز کیجئے مجھے عنایت کریں۔ میں نے بڑی امید سے خط لکھوایا ہے کہ بہت دل شکستہ ہوں، امید ہے کہ جیسے ابا کے سامنے آپ کی شفقتیں تھیں اب اسی سے زیادہ ہوں گے، مجھے خدا سے امید ہے کہ آپ میرے اس مرض کے دفعیہ کے واسطے دعا فرمائیں گے تو مجھ کو شفا ہو جائے گی۔ والد صاحب مرحوم کا فالج کے مرض میں انتقال ہوا۔ ایک سال تک اس مرض کے اثر سے دماغی حالت درست نہ رہی، نصف بدن حرکت سے معذور رہا۔ اس عرصہ میں نمازیں ادا نہ کر سکے۔ اس حالت سے قبل اکثر امراض کی شدت کی وجہ سے نمازیں قضا ہوگئیں جس کا تخمینہ ایک سال کی مدت ہوگی میں بذریعہ بیمہ آپ کی خدمت میں ایک سو روپیہ بھیجتی ہوں، آپ اس رقم کو ایک سال یا دو سال کی قضا نمازوں کے حساب سے جیسا آپ مناسب سمجھیں خرچ کریں۔ دوسری بات یہ

ہے کہ دعائے مغفرت کی فہرست میں والد صاحب اور والدہ صاحبہ مرحومہ کا نام درج کروالیجئے۔اس منی آرڈر میں بیس روپے اس خرچ کے واسطے بھیجتی ہوں۔آخر میں التجا ہے کہ میرے والداور آپ کے دوست کے واسطے آپ اپنی زبان مبارک سے دعائے مغفرت فرمائیں، میرے والد آپ کے سچے دوست اور معتقد تھے۔

جواب:...... دونوں بھائی بہن کو بعد سلام و دعا وتعزیت والد صاحب واضح ہو کہ السلام علیکم۔آپ صاحبوں کی پریشانی اور سرپرست سے خالی ہوجانے پر سخت قلق ہے۔اللہ تعالیٰ آپ صاحبوں کی مدد فرمائے اور سب پریشانیوں کو دور کرے آپ نے نمازوں کی تعداد اٹکل کر کے بھی نہ لکھی مجھ کواس میں سہولت ہوتی۔اور دوروں کے عدد آپ کے لکھے ہوئے شقوق کی بناء پر دو سال کی نمازوں کے موافق لگائے ہیں۔اگر آپ کے تخمین میں اس سے زیادہ نمازیں ہوں تو اطلاع دے دیں، ان کی اعانت سے حساب ہو جائے گا۔گو مشقت ہوگی مگر مشقت کو گوارا کیا جائے گا۔باقی بیس روپے جو دعائے مغفرت کی غرض سے بھیجے ہیں۔سو دعائے مغفرت طاعت محض ہے اس پر کسی کو معاوضہ دینا جائز نہیں۔البتہ یہ صورت ممکن اور مفید ہے کہ یہ روپیہ کسی مسکین کو دے کر یا کسی مصرف خیر میں صرف کر کے دونوں مرحوموں کو ایصال ثواب کیا جاوے جب ثواب پہنچے گا۔گناہ خود معاف ہوں گے۔ اگر یہ طریق پسند نہ آئے تو یہ روپے واپس ہو جائیں گے اور روپیہ سب ورثہ کی ملک ہوں گے اور اگر کسی وارث نے اپنے پاس سے دیا تھا تو اس کی ملک ہوں گی اپنے ذاتی مصارف میں صرف کر سکتے ہیں اور نماز میں جی نہ لگنے کی جو شکایت لکھی ہے تو دل لگانا فرض ہے نہ کہ لگنا۔دل لگانے کا قصد کرنے سے فرض ادا ہو جاتا ہے خواہ دل لگے یا نہ لگے۔اور اسی طرح جس مرض کی شکایت لکھی ہے اس کی تدبیر اور اس کے لیے دعا کرنا یہ بندہ کا کام ہے۔نتیجہ کا یعنی صحت کا مرتب ہو جانا یہ محض باختیار حق ہے۔آپ توکل پر اس کی تدبیر جاری رکھنے میں دعائے صحت کرتا ہوں اور مجھ کو یاد نہیں کہ پہلے میں نے اس کے لیے کیا بتلایا تھا اس وقت ایک دعا لکھتا ہوں اس کو کسی دوا پر دم کر کے استعمال کیا کریں۔ اللّٰھم انی اعوذبک من الجنون والجذام وسی الاسقام ایک بار میں دو تین بار پڑھ لینا

کافی ہے۔ اگر زیادہ پڑھ لیا جاوے کچھ ضرر نہیں۔

(نوٹ از جامع مکتوبات) یہ جواب بہت طویل خط کو جس کا محض خلاصہ اوپر نقل کیا گیا ہے صرف ایک بار سن کر بلا مکرر سنے یکجائی لکھوایا گیا اور ایسی حالت میں کہ وفات کا زمانہ بہت ہی قریب تھا ضعف کی کوئی انتہاء نہ تھی اور بار بار بے اختیار غنودگی کا عالم طاری ہو جاتا تھا لیکن افاقہ کے بعد پھر اسی سلسلہ میں لکھوانے لگتے تھے۔ ۱۲ منہ)

ایک طالب نے لکھا کہ احقر کا دل حضرت والا کی ملاقات کے لیے مشتاق ہے اللہ کے لیے حاضری کی اجازت چاہتا ہوں جواب لکھوایا کہ اللہ کے لیے بڑھانا کیا دوسروں کو مجبور کرنا نہیں ہے اگر میں اس کے جواب میں یہ کہوں کہ اللہ کے لیے یہاں ہرگز نہ آنا تو کیا ہو۔ اللہ بچائے خود غرضی سے کہ آپ دیکھا جائے اور دوسروں کی رعایت نہ کی جائے تو کیا اگر اجازت دینا ممکن ہوتا اور یہ لفظ نہ لکھا جاتا تو کیا میں جب بھی رعایت نہ کرتا۔

حضرت مولانا اصغر حسین صاحب دام ظلہم نے جن کا حضرتؒ بہت لحاظ بلکہ ادب فرماتے تھے مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی کے واسطہ سے اپنے قصد حاضری بغرض عیادت کی اطلاع دی تو فرمایا کہ یہ جواب لکھ دیا جاوے ''نہ میں نافرمانی کا متحمل، نہ ایسی حالت میں آپ کی اور اپنی تکلیف کا متحمل۔ جس شق کو آپ ترجیح دیں گے اس کو گوارا کروں طوعاً یا کرہاً۔

ایک طالب نے اپنے امراض کی تفصیل اور معذوریاں اور ذکر و شغل چھوٹ جانے پریشانیاں لکھیں۔ ان کو یہ جواب لکھوایا '' کیا اب تک یہ معلوم نہیں کہ جو کمی یا ناغہ کسی عذر صحیح سے ہو اس سے اجر میں کمی نہیں آتی جو اصل مقصود ہے، پھر تشویش کی کیا وجہ اور یہ کس نے کہہ دیا کہ ذکر و استغفار کے لیے وضو شرط ہے۔ اپنی طرف سے مسئلے گھڑ گھڑ کر اللہ کی آسان کی ہوئی چیزوں کو دشوار بناتی ہو کیا یہ ناشکری اور بیقدری نہیں ہے۔

ایک نوجوان صاحب کا جو کسی دفتر میں ملازم ہیں نہایت سخت پریشانی کا بہت طویل خط آیا جس میں زبردست مالیخولیا کی بیماری کی تفصیل اور اوہام و وساوس و خطرات کے ہجوم سے دین اور دنیا دونوں کے کاموں میں سخت حرج کی شکایت لکھی تھی اور دونوں کے متعلق سخت خطرات کا اندیشہ ظاہر کیا تھا اور یہاں تک لکھا تھا کہ دماغ میں عجیب قسم کی وحشت ہے

کبھی جی میں آتا ہے کہ خودکشی کرلوں، یہ بھی لکھا تھا کہ عمل کی صلاحیت نہیں رہ گئی ہے، صرف کرامات پر بھروسہ ہے، اکثر بزرگوں کے واقعات پڑھے ہیں کہ ان کی توجہ سے خدا نے خراب سے خراب مریضوں کو شفا دے دی ہے اور قلب ان کا درست ہو گیا ہے۔

گو اتنا طویل خطوط کو اکثر بے پڑھے بوجہ ضعف یہ لکھوا کر واپس فرما دیا کرتے تھے کہ علالت کی وجہ سے ایک ماہ تک قوت آنے کی توقع نہیں اس لیے ایک مہینہ بعد لکھا جاوے لیکن چونکہ یہ صاحب واقعی واجب الرحم تھے اس خط کو باوجود ضعف شدید کے حرفاً حرفاً پڑھا اور حاضرین سے بجائے اظہار تکدر فرمانے کے فرمایا کہ میرا دل ان کی پریشانی سے بہت ہی کڑھا۔

پھر حسب ذیل جواب ایک الٹے ہوئے لفافہ پر لکھوایا اور اس کے متعلق یہ عذر تحریر فرمایا کہ آپ کے خط میں زیادہ جگہ نہ تھی اور اس وقت میرے پاس زائد کاغذ نہ تھا اور مانگنے میں ذلت تھی اس لیے یہ صورت اختیار کی۔ حسن اتفاق سے مضمون ٹھیک اتنا ہی لکھوایا گیا۔ جتنا اس الٹے ہوئے لفافہ پر آسکا، نہ ذرا کم نہ، ذرا زیادہ، اس پر حضرت اقدسؒ نے اظہار مسرت فرما کر فرمایا کہ الحمدللہ جو کاغذ جواب کے لیے تجویز کیا گیا ٹھیک اسی کے پیمانہ کے مطابق مضمون بھی اللہ تعالیٰ نے قلب میں ڈالا۔ حالانکہ اس کا کوئی قصد یا اہتمام بھی نہیں کیا گیا تھا۔ اس قسم کی تائیدات غیبیہ بکثرت ہمیشہ حضرت اقدسؒ کے شریک حال رہیں جن میں سے بعض کا ذکر اشرف السوانح میں بھی کیا جا چکا ہے۔ اور یہی کیا حضرتؒ کا مؤید من اللہ ہونا تو عموماً اظہر من الشّمس ہے۔

اب اس طویل اور پیچیدہ خط کا جو نہایت مکمل اور محلل اور تسلی بخش جواب جو فی البدیہہ لکھوایا گیا وہ ملاحظہ ہو۔ ''حرفاً حرفاً خط پڑھا بہت دل دکھا لیکن اس کی جو تدبیر آپ نے تجویز کی ہے وہ میرے اختیار سے باہر ہے (یعنی بزرگانہ تصرف و کرامت ۱۲ مؤلف) اور جو مشورہ اپنے اختیار سے دے سکتا ہوں شاید آپ کے دل میں نہ اس کی وقعت ہو نہ آپ اس پر عمل کریں۔ وہ مشورہ یہ ہے کہ آپ اول کافی خرچ کا انتظام کرلیں، اگر تنخواہ کافی نہ ہو تو اپنی خیر خواہوں سے چندہ کرلیں جس میں، میں بھی ان شاء اللہ تعالیٰ شریک ہوں گا، پھر کسی ایسی جگہ ایک دراز مدت تک قیام تجویز کیجئے جہاں ایک طبیب جسمانی ہو کہ وہ دماغ و قلب کا طبی

علاج کرے اور ایک طبیب روحانی ہو کہ وساوس واوہام کا علاج کرے یعنی ان کے زائل یا مضمحل ہونے کی تدبیریں بتلائے اور ایک خیر خواہ عاقل ہر وقت آپ کے پاس رہے کہ وہ ہر وقت تسلی کرتا رہے اور ان دو طبیبوں کی تدابیر کا انتظام کرتا رہے۔ اور اپنے آپ کو بالکل ان کے سپرد کر دیں اور اپنی سب ارادوں کو اور رایوں کو فنا کر دیں جو تکلیف پیش آئے اس کو اطلاع کریں کسی کی تدبیر وہ خود کرلے گا اور کسی کی تدبیر ان دونوں طبیبوں سے پوچھ کر عمل کرے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ سب پریشانیاں کافور ہو جائیں گے اور ایک جز اول سے آخر تک تمام تدابیر کے ساتھ مشترک طور پر ضروری العمل ہوگا وہ یہ کہ ہر پریشان حالت میں آپ ثواب کا یقین رکھیں گے اور کسی غیر اختیاری حالت میں گناہ کا شبہ بھی نہ کریں گے۔ باقی دعائیں بھی کرتا ہوں اور مجھ کو محض خیر خواہ مشیر سمجھئے نہ طبیب جسمانی، نہ طبیب روحانی نہ مصاحب رفیق جن کی اس سلسلہ میں ضرورت لکھی گئی ہے مگر چونکہ مشورہ میں نے دلسوزی سے دیا ہے۔ اس میں ضرور ضرور برکت اور اثر ہوگا اور آپ اس قید و بند سے رہائی حاصل کرلیں گے۔ فقط

سبحان اللہ کس شان کے حکیم الامۃ تھے کتنا مکمل نسخہ تجویز فرمایا ہے جس میں مریض کی ہر حالت کی رعایت ہے، اس سے بڑھ کر ایسے سخت مریض کے لیے اور کیا نسخہ ہو سکتا ہے۔[۱] اسی شان کا ایک اور نسخہ ہے گو آخری وقت کے اور بھی بہت سے نسخے ایک سے ایک بڑھ کر میرے پاس نقل کی صورت میں موجود ہیں لیکن بخوف طوالت ابھی دیگر ضروری حالات حسن خاتمہ تحریر کرنے ہیں اس لیے اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔

پھر تمہیداً عرض ہے کہ حضرت اقدسؒ نے بوجہ ضعف و علالت عرصہ سے براہ راست طالبین کی خود تربیت کرنا موقوف فرما رکھا تھا۔ عموماً کسی خلیفہ مجاز سے رجوع کرنے کا مشورہ دے دیا کرتے تھے۔ بجز بہت ہی خاص مواقع کے۔ انہیں مستثنیات میں سے خاص درجہ کے دنیوی وجاہت رکھنے والے لوگ بھی تھے جس کی وجہ یہ فرماتے تھے کہ ایسے لوگوں کی نظر میں کسی دوسرے کی وقعت ہی نہ ہوگی اور جب وقعت نہ ہوگی تو انہیں دینی نفع ہی کیا ہوگا۔ چنانچہ ایک بہت بڑے قابل انگریزی داں ولایت کے پاس شدہ محکمہ تعلیم کے اعلیٰ افسر نے حضرت اقدس

---

[۱] افسوس ہے کہ وہ نقلیں حضرت خواجہ صاحب کی وفات کی وجہ سے دستیاب نہ ہو سکیں

سے خط و کتابت شروع کی پہلے خط کا جواب مختصر تھا اس لیے دوسرے سے لکھوا دیا۔ دوسرے خط کا جواب تفصیل طلب تھا اس لیے اس باوجود ضعف و غنودگی کے خود تحریر فرمایا اور احقر سے فرمایا کہ اتنا دم درود تو خیر مجھ میں اب بھی موجود ہے کہ ایسے دو چار کی تربیت کو خود اپنے ہی ذمہ رکھ سکوں۔ وہ دونوں خطوط مع جواب کے ذیل میں منقول ہیں۔ پھر تیسرے خط کی افسوس ہے کہ نوبت ہی نہ آسکی۔ اور حضرت اقدسؒ راہی ملک بقاء ہو گئے۔ اس مکاتبت کی پندرہ دن بعد آخری دستوں کا دورہ شروع ہو گیا جس نے ایک ماہ میں کام تمام کر دیا۔

پہلا خط: مولائی السلام علیکم کوئی بیس برس ہوئے کہ کیرانہ میں مجھے حاضری کا شرف حاصل ہوا تھا۔ میں اس زمانہ میں حکیم محبوب الٰہی صاحب مرحوم کے زیر علاج تھا اور کیرانہ اسی غرض سے آیا ہوا تھا۔ علی گڑھ میں تعلیم پاتا تھا۔ دوران قیام کیرانہ اکثر سہ پہر کو حاضر خدمت ہوتا تھا جو شفقت حضرت کی میرے حال پر تھی اس کے نقوش اب بھی دل پر موجود ہیں میں فلاں مقام کا باشندہ ہوں فلاں صاحب مرحوم کا لڑکا ہوں، حضرت فلاں بزرگ کا بھتیجہ، فلاں صاحب مرحوم کا چچا زاد بھائی، علی گڑھ میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد ولایت گیا وہاں سے واپسی پر محکمہ تعلیمات میں نوکر ہوا۔ اور آج کل فلاں عہدہ پر ہوں جو تعلق کہ کیرانہ میں پیدا ہو گیا تھا اس کی تجدید چاہتا ہوں۔ میری دلی تمنا ہے کہ حضور کے دامن سے میری بھی وابستگی حاصل ہو جائے اور آپ کی تعلیمات سے میرے دل کی دنیا بھی روشن ہو جائے۔ امید ہے کہ حضور کا مزاج بخیر ہوگا۔ فقط۔ ۸ مئی ۱۹۴۳ء

جواب: السلام علیکم۔ جی خوش ہوا۔ دل سے دعا نکلی ہر ممکن خدمت کے لیے میں ہر مسلمان کے لیے حاضر ہوں مگر اس خدمت کا متعین و متبین ہونا شرط ہے۔ اور اس مرحلہ کا طے کرنا آپ کا کام ہے، اس کے بعد پھر طریقہ میں عرض کر سکتا ہوں، باقی دعا ہر حال میں کرتا ہوں۔

دوسرا خط: (مضمون) مرشدنا۔ السلام علیکم۔ کرامت نامہ نے میری بڑی ہمت افزائی فرمائی۔ خدا آپ کو ہم لوگوں کی ہدایت کے لیے برسوں قائم رکھے۔ آمین ثم آمین۔ میرا ذہنی ارتقا مغربی فلسفہ اور مغربی نظریہ حیات کے ماتحت ہوا لیکن چونکہ ابتدائی پرورش خالصۃً اسلامی

فیض میں ہوئی تھی، مغرب اور اس کا نظریہ مجھے الحمدللہ مغلوب نہ کر سکا لیکن اس کے باوجود بھی اس نے میرے اعتقادات میں کافی انتشار پیدا کر دیا ہے۔ چند لمحات اکثر ایسے آتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ راستہ صاف ہے اور سب شکوک رفع، لیکن کچھ عرصہ کے بعد پھر وہی انتشار وہی تصادم پیدا ہو جاتا ہے۔ حضور کے ملفوظات سے جو کچھ بھی میں مطالعہ کر پایا اس سے یہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ جب تک اپنے کو کسی شیخ کامل کے سپرد نہیں کروں گا راستہ نہیں ملے گا۔ بیس برس ہوئے کیرانہ میں حضور سے بیعت کے لیے عرض کیا تھا جواب ارشاد ہوا تھا کہ ابھی نہیں، شاید طلب صادق کا انتظار تھا۔ اب اپنی کمزوریوں سے عاجز اور اپنی کم ہمتی سے مایوس ہو کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں تاکہ جناب والا مجھے تعلیم فرمائیں اور میرے نفس کی اصلاح کی تدبیر کریں اور میرے لیے حق تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ وہ مجھے آپ کی تعلیم اور ارشاد پر عمل کرنے کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ خادم...... یکم جون ۱۹۵۳ء

جواب: مشفق محترم دام لطفہم۔ السلام علیکم۔ عنایت نامہ کہ ایک معنی کہ ہدایت نامہ تھا موصول ہو کر نظر کے واسطہ سے قلب تک واصل ہوا جس سے آپ کی صدق طلب و اصابت فہم معلوم کر کے ایک خاص نوع کا سرور حاصل ہوا۔

ماشاء اللہ جو ادراکات شرط طریق ہیں یعنی اپنی حالت کا جزر و مد اور اس میں قرار کی ضرورت اور اس کی تحصیل کی صورت یعنی اپنے خیر خواہ مشیر کا انتخاب اور اس کی رہنمائی میں سلوک طریق صواب ان سب کا استحضار اجمال کے درجہ میں اس خط میں آ گیا ہے۔ اب صرف اس کی تفصیل کا انتظار باقی رہ گیا ہے جس کا آغاز بقدر گنجائش وقت ایک مدت کے لیے ایسی مشیر کی صحت حسنہ اور وقتاً فوقتاً اس کو اپنے حالات کے نشیب و فراز سے اطلاع اور اس کے مشوروں پر سکوت محض کے ساتھ عمل اور اتباع اور صحبت حسیہ سے معذوری کی حالت میں ان ہی شرائط کے ساتھ اس سے مکاتبت سے ہوگا۔ پھر آگے تدریجاً حالات کے تغیرات و تبدلات کے رونما ہوتے رہنے سے اس کا فیصلہ ہوتا رہے گا۔ جن کا انضباط اس وقت ممکن نہیں۔

والسلام خیر ختام۔ اشرف علی از تھانہ بھون ۳۰۔ جمادی الاولیٰ ۶۲ھ

سبحان اللہ۔ طالب کے سیدھے سادھے مگر پر خلوص خط کا بھی عنوانات علمیہ اور

اصطلاحات صوفیہ میں کیسا نفیس اور کتنا مکمل تجزیہ فرمایا ہے اور خود انہی کی تحریر سے عمر بھر کے لیے کس قدر نافع طریق عمل مستنبط فرما کر کس حسن اور کیسی جامعیت کے ساتھ پیش کر دیا ہے۔

ایک طالب نے جو کسی سخت مصیبت میں مبتلا تھے، بہت پریشانی کا خط لکھا اور لکھا کہ میں اس مصیبت کی زندگی سے بیزار ہوں اور موت کو ترجیح دیتا ہوں، اپنا نام بھی ظاہر نہیں کیا، صرف یہ لکھا ''ایک عاصی انسان'' اور اس کے بعد بجائے نام کے نقطے لگا دیئے۔ جوابی لفافہ پر پتہ میں نام نہ تھا صرف مقام وغیرہ تھا۔ پہلے حضرت اقدسؒ نے صرف یہ استفسار فرمایا کہ وہ مصیبت اختیاری ہے یا غیر اختیاری اس کا ان صاحب نے یہ جواب دیا کہ ابتداء تو وہ مصیبت اختیاری تھی اور اب وائے بر حال ما کہ وہ مصیبت غیر اختیاری ہو چکی ہے۔ اس کا جواب حضرت اقدسؒ نے یہ لکھوایا کہ کسی معصیت کو غیر اختیار سمجھنا اگرچہ اس کی عادت راسخہ ہوگئی ہو پوری جہالت ہے جب تک یہ اعتقاد درست نہ ہو ایسے شخص کا کوئی علاج نہیں۔ اھ

ایک فاضل نے لکھا کہ بارہا کا ایک تجربہ یہ ہے کہ جس زمانہ میں تصوف کی کتابوں کا مطالعہ زیادہ رہا کرتا ہے خصوصاً مثنوی مولانا روم کا اس زمانہ میں اچھے خواب بکثرت دیکھتا رہتا ہوں کبھی زیارت صالحین نصیب ہوتی ہے کبھی اپنے کو نماز پڑھتے دیکھتا ہوں اور جب یہ مطالعہ ترک ہو جاتا ہے ایسے خواب بھی بند ہو جاتے ہیں۔ اس کا یہ جواب دیا گیا ''یہ ارتباط شہود تخیل ہے ورنہ بعض محققین نے منکر خوابوں کو نور قلب کا اثر بتلایا ہے جیسی روشنی میں مضر چیزیں نظر آنے لگتی ہیں، بہر حال خواب کسی حال میں مؤثر نہیں بلکہ خود اثر ہے۔'' اھ

ایک طالب نے لکھا کہ مجھ کو ایک ڈیڑھ ماہ سے پریشان کن خواب نظر آتے ہیں اھ۔ اس کے بعد ایک دن قبل کا ایک خواب بھی لکھا۔ اس کا یہ جواب لکھوا دیا کہ خواب کوئی مؤثر چیز نہیں کتنا ہی برا ہو یہ کوئی نقص یا عیب نہیں ہے۔ نہ مرض باطنی ہے جس کے علاج کی ضرورت ہو۔ اھ

ایک طالب نے لکھا کہ بندہ صرف تبرک بیعت کی درخواست کرتا ہے۔ جواب لکھوایا کہ بیعت کی خوب قدر کی اس جہالت کی کچھ حد ہے۔ اھ۔ مولوی حبیب احمد صاحب کیرانوی جو بہت ہی کم کسی کے معتقد ہوتے ہیں لیکن حضرت کے اس قدر معتقد تھے کہ ان کا اعتقاد تھا کہ حضرت جس بات کو چاہتے ہیں حق تعالیٰ اس کو بمجوائے ع مید ہد یزداں مراد متقی، ضرور پورا کر

دیتے ہیں۔انہوں نے کسی ریاست سے وظیفہ کی خواہش کی اور اس کی سخت ضرورت بہ تفصیل لکھ کر حضرت کو باور کرانا چاہا۔ اور لکھا کہ اگر حضور والا کے ذہن میں اس کی ضرورت آ جائے تو مقصد حاصل ہے۔اس کا جواب اس طرح لکھوایا کہ دیر دیر تک خاموش رہتے اور ایسا معلوم ہوتا کہ حق تعالیٰ کی طرف خاص طور سے متوجہ ہیں اور اپنے قلب کی طرف بھی شاید حسب درخواست وتوقع مکتوب الیہ تمنا کا درجہ پیدا کرنے کے لیے وہ جواب یہ تھا۔ ''دل پر بہت اثر ہوا اس سے آپ اندازہ کرسکتے ہیں کہ میرا دل آپ کے لیے کیا چاہتا ہوگا اور کتنا چاہتا ہوگا باقی یہ امور بجز حق تعالیٰ کے کسی کے اختیار میں نہیں۔ حتیٰ کہ جن کے اختیار میں ظاہراً سمجھا جاتا ہے وہاں بھی ماتشاؤن الا ان یشاء اللہ رب العلمین نص قطعی وارد ہے۔ باقی دعا کرنا اور نیک امید رکھنا ہر حال میں بندہ کا فریضہ ہے۔ میں بھی دل سے دعا کرتا ہوں۔ اھ

سبحان اللہ کس طرح شفقت اور حقیقت دونوں کو جمع فرما دیا۔ مسلم لیگ کے متعلق بھی ایک خط میں مع جواب نقل کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے جو افریقہ سے موصول ہوا تھا کیونکہ یہ حالات حاضرہ کے متعلق ہے۔

(مضمون خط) یہاں ایک اخبار میں مدیر اخبار کا حسب ذیل مضمون شائع ہوا ہے کہ آل انڈیا مسلم لیگ میں شامل ہونا نیز مسلم لیگ کے صدر و اراکین و مبلغین مسلم لیگ جو کچھ کر رہے ہیں اور کرنا چاہتے ہیں یا کہتے ہیں اس میں چون و چرا کرنا یا مناسب طور پر سوال و جواب کرنا بھی عالم اسلام اور مسلمانوں کی کھلی عداوت کرنا ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ آل انڈیا مسلم لیگ نہ مذہبی جماعت ہے نہ اس کے صدر مذہبی عالم (۲) مسلم لیگ جب سے وجود میں آئی ہے نہ کبھی اس نے مذہبی جماعت ہونے کا دعویٰ کیا، نہ ہی اس کا معمول مذہبی رہا اور نہ ہے۔ بنابریں آنجناب سے امیدوار ہوں کہ اندریں صورت مذکورہ بالا مسلم لیگ میں شامل ہونا اور مالی امداد کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں۔ امید ہے کہ بالتفصیل مدلل جواب باصواب ارسال فرما کر مطمئن و مشکور فرمائیں گے۔

جواب:...... کیا کبھی ترکوں کے لیے روس وغیرہ کے مقابلہ میں ایسا سوال کیا ہے۔؟ اگر کیا ہے کس عالم سے اور کیا جواب ملا ہے اور آپ نے اس جواب پر کیا عمل کیا ہے اور اگر

سوال نہیں کیا تو ان کی نسبت اس سوال کی کیا وجہ۔ دونوں میں کیا فرق ہے۔

(مضمون دیگر) مدیر اخبار کے ذریعہ سے یہ معلوم ہوا کہ آنجناب مسلم لیگ کے ساتھ ہیں تو کیا یہ صحیح ہے یا غلط اگر مناسب سمجھیں تو آپ کا تعاون وعدم تعاون کا خلاصہ بھی رقم فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

جواب:...... کسی شخص کے متعلق ایسا سوال کرنا شریعت کے خلاف ہے، پہلا سوال معقول تھا اس کا جواب لکھ چکا ہوں تسلی دینے میں تو حضرت اقدس کو ملکہ تامہ حاصل تھا جس سے بہت سے غمزدوں کی جو خودکشی تک آمادہ ہو گئے تھے جانیں بچ گئیں۔ اور تسلی بھی نام کی نہیں بلکہ حقیقی۔ جس کا فوری اثر ہوتا تھا بمصداق مولانا رومیؒ ۔

وعدہا باشد حقیقی دلپذیر وعدہا باشد مجازی تاسہ گیر

یہ صفت حضرت کی سب میں مسلم تھی۔ یہاں تک کہ ایک بالکل خلاف مشرب رکھنے والے درویش نے بھی اپنے ایک طالب کو حضرت کی خدمت میں بھیجا کہ تسلی تو وہاں کے سوا کہیں نہ ملے گی، تسلی چاہتے ہو تو وہاں جاؤ۔ اھ

حضرت کا آخری خط

یہ سب تطویل دیوانہ را ہوئے بس است کی بناء پر ہوگئی گو یہ اصل مقصود کے لحاظ سے تو لاطائل مگر بعض فوائد کے اعتبار سے عفو کے قابل ہے۔ تسلی کا جو مضمون اوپر لکھا گیا وہ اصل نقل خطوط کے سلسلہ میں ایک بالکل آخری خط لکھنے کی تمہید تھی جو حضرت اقدس نے باوجود مرض وفات میں مبتلا ہونے کے اور بستر مرگ پر پڑے ہونے کے جناب مولانا محمد عیسیٰؒ صاحب کو جو حضرت کے خلیفہ خاص تھے ان کے خط کے جواب میں لکھوایا تھا جس میں انہوں نے یہ لکھا تھا کہ ''میں فالج میں مبتلا ہوں'' دوائیں اور دعائیں بہت کیں قرائن قویہ سے مرض الموت ہی معلوم ہوتا ہے دعاء خاتمہ بالخیر کا ملتجی ہوں۔'' اھ

اس کا جواب باوجود خود اپنی آخری حالت ہونے کے کیسا تسلی بخش لکھایا اور ان کی التجائے حسن خاتمہ کو کس حسن عنوان کے ساتھ پورا فرمایا۔ لکھوایا کہ ''آپ کی علالت سے بہت رنج ہوا

دل و جان سے دعا صحت کر رہا ہوں اللہ تعالیٰ آپ کے فیوض و برکات کو قائم رکھے، ہر حال میں دعائے عفو و عافیت کرنا ضروری ہے۔ رہی حسن خاتمہ کی تو ہر شخص حالت صحت میں بھی محتاج ہے اسی اصول کے ماتحت یہ دعا بھی کرتا ہوں آپ کے لیے بھی اور اپنے لیے بھی۔"

حسن اتفاق سے یہ حسن خاتمہ کی دعا کا آخری خط ہے جو مکتوبات حسن العزیز میں نقل کیا گیا ہے جس پر مکتوبات حسن العزیز کا سلسلہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔

ایک اہل خصوصیت کے صاحبزادے نے اولاد کے لیے کوئی انڈوں کا عمل کیا تھا اور امید تھی کہ استقرار حمل ہو گیا ہو گا لیکن امید غلط نکلی اس پر بے حد افسوس لکھا تھا کہ افسوس صد افسوس انڈوں کا عمل اکارت گیا۔ ہائے افسوس بجز افسوس کے اور کیا کر سکتا ہوں۔ جواب میں سبحان اللہ کس بلیغ اور مؤثر عنوان سے تسلی فرماتے ہیں۔ تحریر فرمایا کہ مجھ کو اس پر افسوس اور تعجب ہے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے جس تعلق سے بچائیں غنیمت ہے اس پر شکر کرنا چاہیے نہ کہ افسوس اور اگر واقع میں یہ افسوس کی بات ہے، تو میرے اولاد نہ ہونے پر تو آپ نے کبھی افسوس نہ اظہار کیا۔ یہ کیسی محبت ہے۔ اھ

غرض تسلی کا جو عنوان جس کے لیے مؤثر اور مناسب خیال فرماتے وہی اختیار فرماتے تھے۔ اور وہ مؤثر بھی فوراً ہوتا تھا۔ ایک اہل فضل نے لکھا کہ خاکسار وطن سے واپس آ گیا مگر ہنوز طمانیت نہیں، تسلسل سفر قائم ہے میں سفر سے جس قدر گھبراتا ہوں اتنا ہی گرفتار ہوتا ہوں، کوشش کرتا ہوں کہ ان حالات میں بھی معمولات میں فرق نہ آنے پائے والتوفیق بید اللہ تعالیٰ اس کا جواب کتنا تسلی بخش حقیقت کو لئے ہوئے اور سبق آموز طریقت ہے۔ تحریر فرماتے ہیں کہ یہ سب تربیت ہو رہی ہے جو کبھی نشاط کی صورت میں ہوتی ہے جس پر شکر مامور بہ ہے کبھی کراہت کی صورت میں جس پر صبر مامور بہ ہے۔ وفی کلٍ خیر یتفاضل باختلاف الحالات و الساعات ایک قریبی رشتہ دار یعنی مولوی احتشام الحق صاحب کیرانوی کا خط بھی ملاحظہ ہو۔

---

[1] افسوس کہ حضرت عیسیٰ صاحب الہ آبادی بحکم قضا و قدر و خاتمۃ السوانح کی اشاعت کے وقت صاحب سوانح قدس سرہ کی ساتھ ان شاء اللہ تعالیٰ جنت الفردوس میں ملحق ہو چکے ہیں۔ ۲۱ مارچ ۱۹۴۴ء کو آپ کی وفات اسی مرض میں ہو گئی جس کا ذکر خط میں آیا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون" محمد شفیع دیوبندی عفا اللہ عنہ

پہلا خط: (مضمون) آج میں مسلسل ایک سال کی اندرونی کشمکش کے بعد کھل کر عرض حال کرنے پر مجبور ہوگیا۔ امید ہے کہ اس عاصی پر رحم فرما کر میری آخرت کو درست فرما دیں گے۔ میں تقریباً چار سال ہوئے جب دیوبند سے فارغ ہوا تو جس طرح عموماً وہاں کے فارغین علم وعمل میں آزادانہ خیالات لے کر نکلتے ہیں اسی طرح میں بھی اتنا تو نہیں مگر تاہم طرز سلف سے بیگانہ اور عمل سے کافی دور نکلا، وضع قطع اور لباس میں پوری نیچریت اور خیالات میں کافی آزادی تھی۔ نتیجہ کے طور پر انگریزی تمدن سے مرعوب اور مغرب زدہ قسم کے مولویوں سے رسم وراہ تھی اور ہمیشہ ان ہی کے رسائل ومضامین پڑھے اور عبارات آرائی اور ادبیت کے فریب میں پھنسا رہا۔ بناء علیہ مولوی فاضل اور انگریزی وغیرہ کے امتحانات بھی دیئے اور انگریزی اسکول میں ملازمت بھی کی۔ اور بزعم خود اپنی کامیاب مولویت پر خوش بھی رہا۔ مگر سب سے پہلے مجھے اس وقت کچھ ہوش آئے اور میرے ضمیر نے مجھے ملامت کی جبکہ آج سے دو سال قبل آپ نے بڑے گھر میں مجھے ترکی ٹوپی اور انگریزی جوتہ پہنے ہوئے دیکھ کر از راہ شفقت سے یہ فرمایا تھا کہ یہ سب چیزیں مولویوں کی شان کے خلاف ہیں۔ اس کے بعد جلد سے جلد میں نے ٹوپی وغیرہ چیزیں تو چھوڑ دیں مگر کوئی خاص تبدیلی پھر بھی نہ ہوئی۔ حسن اتفاق کہ میں جس جگہ مقیم ہوں اور جہاں رمضان میں محراب بھی سناتا ہوں وہاں اہل مسجد کے اصرار پر نماز جمعہ اور کبھی کبھی تقریر کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ اس مبارک تقریب سے جہاں میں نے ابوالکلام وغیرہ کی تصانیف سے مواد لیا وہیں آنخضرت کے مواعظ بھی میری نظر سے گزرے۔ آں قبلہ کے مواعظ دیکھ کر میری حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہی کہ اس قدر ٹھوس اور کثیر مقدار میں تو شاید کسی بڑی تفسیر وغیرہ میں بھی نہ ہوگا۔ افسوس کہ میری غفلت نے مجھے آج تک علم کی حقیقی چاشنی سے ناآشنا رکھا اور محض ادبیت کے فریب میں پھنسا رہا پھر میں نے علاوہ مواعظ کے کوئی کتاب اس غرض کے لیے نہیں دیکھی۔ اسی دوران میں کئی مرتبہ مجلس میں بھی حاضر ہوتا رہا۔ جوں جوں مواعظ پڑھتا ہوں یا مجلس میں حاضر ہوتا ہوں اس قدر غبار چھٹتا ہوا معلوم ہوتا ہے اور اسی قدر اپنی تمام

کمزوریاں زیادہ صاف نظر آنے لگی ہیں اور میری درخواست ہے کہ آں قبلہ میرے حال پر رحم فرما کر میری دستگیری فرمائیں اور بیعت فرما کر میری اصلاح فرمائیں۔ فجز اکم اللہ خیر الجزاء . و دمتم ابدا. خویدکم المرجو منکم......

(جواب) عزیزم سلمہ، السلام علیکم خط پڑھ کر بہت مسرت ہوئی۔ الحمدللہ حقیقت منکشف ہوئی۔ اللہ تعالیٰ بصیرت اور استقامت میں ترقی فرماوے۔ ایسی حالت میں اصل ضرورت صحبت کی ہے اگر وہ میسر نہ ہو تو اہل تحقیق کے کلام کا مطالعہ سو اس کا التزام خاص اہتمام سے رکھنا ضروری ہے۔ قیل فی الاول ۔

مقام امن و مئے بیغش و رفیق شفیق   گرت مدام میسر شود زہے توفیق

وفی الثانی ۔ زمانہ رفیقے کہ خالی از خلل است   صراحی مئے ناب و سفینہ غزل است

باقی بیعت اس کے معنی حاصل ہیں اور صورت میں تعجیل مناسب نہیں۔ والسلام

دوسرا خط: (مضمون) مکتوب گرامی بجواب عریضہ موصول ہو کر باعث صد طمانیت و ہزار خوشی ہوا۔ مجھے جواب کا اس درجہ انتظار تھا کہ جس روز جواب آنا چاہیے تھا اور آیا اسی روز آں قبلہ کو میں نے خواب میں دیکھا اور گو صبح کو اس کی تفصیل یاد نہیں تھی مگر طبیعت میں کسی قدر انبساط تھا چنانچہ دوپہر کو مکرمت نامہ کے مطالعہ سے اسی خوشی کی تکمیل ہو گئی۔

جواب:...... اللہ تعالیٰ حقیقت تک پہنچاویں (مضمون) آنحضرت نے جو کچھ تجویز فرمایا ہے وہ حقیقت میں بالکل درست ہے چنانچہ میں خود بھی محسوس کرتا ہوں کہ آنحضرت کی مجلس میں جو کیفیت مجھ پر مستولی ہو جاتی ہے اس کی نسبت سے کلام کے مطالعہ میں وہ غلبہ نہیں ہوتا مگر افسوس کہ جہاں میں مشاغل دنیا میں پھنسا ہوا ہوں وہاں اہل اللہ کی مجلس کہاں نصیب، جس کے پاس بھی اس خیال کو لے گیا وہاں بجز ترقی ملک و تحصیل معاش کے چرچوں کے سننے میں نہ آیا۔ اہل ثروت و دولت کے پاس جانے میں تو اس لیے اجتناب ہے کہ وہ یقیناً کسی نہ کسی غرض پر محمول کریں گے مگر اب بعض حضرات علماء بھی اپنے اثرات اور رسوخ کی بناء پر ایسا ہی تصور فرماتے ہیں۔ کاش کہ آنحضرت کی خدمت میں ہی کبھی طویل اور مستقل

قیام کی صورت میں نکل آئے تو ضرور مقام امن اور رفیق شفیق دونوں حاصل ہوسکتے ہیں بہرحال مافوق کی تمنا اور دعا کے ساتھ مادون یعنی آنحضرت کے مواعظ کا مطالعہ التزام کے ساتھ جاری رکھوں گا اور جب تک مقام امن میسر نہیں ہے اس وقت تک گوشہ بیت ہی میں فارغ اوقات گزاردوں گا۔

جواب:...... صحیح تدبیر ہے معذور کو اسی میں صحبت کے آثار عطا ہو جاتے ہیں

(مضمون) بیعت کے متعلق مجھے عجلت نہیں ہے میرا مقصد اپنے حالات اور ان کی درستگی کے لیے بیعت کی خواہش کا آنحضرت کے علم میں لانا تھا اب کسی تدبیر پر اصرار یا عجلت میرا منصب نہیں۔ آپ جو تجویز فرمائیں گے اور جس وقت تجویز فرمائیں گے وہ ہی صواب ہے اور اسی سے مجھے فائدہ ہوسکتا ہے۔

جواب هنيئاً لكم العلم

ذی وجاہت امراء و حکام جو حضرت اقدسؒ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور ایسے بہت ہوتے تھے ان سے ان کے مرتبہ کے موافق برتاؤ فرماتے جیسا کہ حدیث میں وارد ہے انزلو الناس منازلهم لیکن اپنے اصول کو لئے ہوئے۔ بالخصوص ان اصول کو جس کا وصایا میں بھی ذکر ہے کہ مقتدا کو چاہیے کہ امراء سے نہ بدخلقی کرے اور نہ زیادہ اختلاط کرے، نہ ان کو حتی الامکان مقصود بنادے بالخصوص دنیوی نفع کرنے کے لیے۔اھ

چنانچہ جناب عبدالصمد صاحب صمد یار جنگ معتمد حضور نظام حیدرآباد دکن نے اپنے تاثرات حاضری خدمت اقدس سے واپسی پر لکھ کر بھیجے کہ حضرت کی قدم بوسی سے قلب کو اس قدر فرحت ہوئی تھی کہ بارہا تمنا ہوئی کہ یہ سعادت پھر حاصل ہو۔ چند لمحے جو خدمت عالی میں بسر ہوئے ان کو یاد کرتا رہتا ہوں۔ افسوس فقط اس کا ہے کہ وقت کم تھا اور پاک صحبت جلد ختم ہوگئی۔ جناب حافظ نواب صاحب باغپت کو تو قرب کے باعث مکرر موقع ہمدست ہوا۔ یہ دور افتادہ اب تک محروم ہے۔ حضرت کے بہت سے ارشادات کو یاد کرتا رہتا ہوں۔ الخ۔ ختم سفر پر باقاعدہ عرض معروض کرنے کا شرف حاصل کروں گا۔ الخ۔ اللہ تعالی آپ جیسی برگزیدہ ہستیوں کا سایہ قائم رکھے۔ اس کا جواب حضرت اقدسؒ نے جو دیا اب وہ

ملاحظہ ہو۔ جس میں نہ اپنے اصول کو چھوڑا گیا، نہ ان کے ساتھ خلاف اخلاق وخلاف مرتبہ برتاؤ فرمایا گیا۔ اور پھر کس لطیف عنوان سے اپنا یہ مذاق بھی ظاہر فرما دیا جو اوپر مذکور ہوا کہ امراء سے زیادہ اختلاط نہ کرے۔

"از ناکارہ و آوارہ ننگ انام اشرف برائے نام بملاحظہ قدردان، اکا گان ودوستدار آوارگان دام مجدہم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ صحیفہ مغیفہ نے ملاقات غائبانہ وبعیدہ کو حاضر وقریب کر دیا اللہ تعالیٰ اس محبت کا صلہ نیک عطا فرمائے۔ بعد تشریف بری کئی روز تک قلب پر جناب کا دردو صدر رہا مگر اپنے سے زیادہ اعزاز وامتیاز خطاب ابتدائی سے مانع رہا جس کو جناب کی توجہ نے مرتفع فرمایا اس لیے اب جواب کو ماذون فیہ سمجھا آئندہ بھی ہمت خطاب کی یہی شرط رہے گی کہ یاد فرمائی پر کچھ عرض کر دیا کروں گا۔ بقیہ حالات میں بجائے عرض کے دعا پر اکتفا رہے گا۔ تمنائے ملاقات پر بے اختیار کیسی شکر گزار کا مقولہ یاد آ گیا۔ ع۔ ادائے حق محبت عنایتے ست ز دوست۔ نواب صاحب باغپت کے تذکرہ فرمانے پر کسی کم ہمت کا مقولہ یاد آ گیا۔ ع۔ ذکر میرا تجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے۔ اختصار ملاقات میری حالت کے اعتبار سے ایسا تھا جیسے ضعیف المعدہ کے اعتبار سے اختصار غذا کہ غذا کے وافر ہونے کا وہ متحمل نہیں ہوتا تو شفیق تیماردار کو تو اس اختصار کا قلق ہوتا ہے مگر مریض اس اختصار سے گو طبعاً متاسف ہو مگر عقلاً ممنون ہے۔ نواب صاحب باغپت کا تکرار ملاقات وجہ قلت تغذیہ (از مؤلف۔ نواب صاحب باغپت کو آباؤ اجداد کے زمانہ سے تعلق ارادتمندی چلا آ رہی ہے مثل پانی کے ہے باوجود مقدار زیادہ ہونے کے معدہ اس کا متحمل ہو جاتا ہے۔ میرے معروضات کو یاد فرمانا ایسا ہے جیسے نفیس ولطیف غذا کھانے والے حضرات بوجہ جدید ہونے کے دیہاتی سبزیوں کو یاد فرماتے ہیں۔ باقی خیریت سے ہوں کرم فرماؤں کے لیے دعا کرتا ہوں اور جناب کی دعا کا شکر گزار ہوں۔ والسلام"

اس پر دوسرے عریضہ میں انہوں نے عنایت وشفقت کے الفاظ پر اپنی اور اپنی والدہ صاحبہ اور اہلیہ صاحبہ کی بیحد مسرت کا اظہار کیا۔ نیز ڈیڑھ سو روپیہ بھیجنے کی اطلاع دی اور آخر

میں لکھا کہ دعا کرتا ہوں کہ خدمت اقدس میں حاضری کی، پھر مجھے توفیق ہو کیونکہ ان قیمتی لمحوں کو ہمیشہ یاد کرتا ہوں جو جناب والا کے ارشادات کی سماعت میں بسر ہوئے اللہ تعالیٰ عالم اسلامی کی رشد و ہدایت کے لیے آپ کا سایہ تادیر قائم رکھے۔ اھ۔ اس کا حضرت اقدسؒ نے یہ جواب ارقام فرمایا۔

''معظم ومحترم دام مجدہم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ، الطاف نامہ نے مسرور وممنون فرمایا، ایسے اکثر المشاغل بزرگ کا ایک ناکارہ ہستی کو یاد فرمانا اگر کرم کی اعلیٰ فرد نہیں تو کیا ہے۔ جس کا صلہ بجز دعا کے کیا ہوسکتا ہے۔ پھر دونوں مخدرات عفت کی مسرت نے اور زیادہ مجبوب فرمایا۔ ان کی یہ مسرت متن پر حاشیہ ہے، ان کے لیے بھی دعا میں اضافہ کرتا ہوں بالخصوص آپ کی دعا پر آمین کہتا ہوں۔ منی آرڈر کا عطیہ نعم العدلان ونعم العلاوہ کا مصداق ہے جس کا اثر آپ کے خلوص سے یہ ہوا کہ میں اکثر امراء کا احسان قبول کرتا ہوں سوچا کرتا ہوں مگر اپنے ضمیر میں اس کو اس سوچ سے مستثنیٰ پاتا ہوں۔ اس لیے اس کو حق تعالیٰ کی نعمت اور آپ کو واسطہ نعمت سمجھ کر دعا و شکریہ کے ساتھ بسر وچشم قبول کرلوں گا۔ پھر ختم پر جو کلمات محبت حوالہ فرماتے ہیں اس کے جواب میں بجز اس کے کیا عرض کروں جو پہلے نیاز نامہ میں بھی عرض کرنا یاد پڑتا ہے۔ ادائے حق محبت عنایتیست زدوست وگرنا عاشق ومسکیں بہ ہیچ خورسندست۔ والسلام خیر الختام۔ ناکارہ اشرف علی از تھانہ بھون۔

ایک انگریزی خواں طالب علم نے جو ایف اے کے امتحان میں شریک ہوئے تھے دعا و تعویذ کی درخواست لکھ کر بھیجی اور یہ بھی لکھا کہ ان شاء اللہ کچھ عرصہ بعد میں حضور والا کی قدم بوسی سے ضرور شرف حاصل کروں گا۔ یہ میری زندگی کا سب سے پہلا دن ہے کہ میں ایک اتنے زبردست شخصیت سے خط وکتابت کررہا ہوں اور ہر وقت میرے دل میں اس بات کا خوف طاری ہے کہ حضور کس طرح اس خط کو موصول کریں گے میں چونکہ ان آداب سے بالکل ناواقف ہوں جو دنیا کی بڑی شخصیتوں کے لیے لائے جاتے ہیں اگر میں کسی غلطی کا مرتکب ہوں گا تو مجھے امید کامل ہے کہ جناب والا معاف فرمائیں گے۔

اس کا جواب ملاحظہ فرمائیے۔ ''دعائے کامیابی کرتا ہوں اور ایسے تعویذ یا اوراد میں نہیں

جانتا اور معلوم نہیں یہ وہم کس نے ڈال دیا کہ میری شخصیت زبردست ہے ضابطہ سے تو سب سے زیادہ زیردست میں اپنے کو کہہ سکتا ہوں مگر واقعی بے تکلف بات یہ ہے کہ زبردستوں کے مقابلہ میں تو اللہ تعالیٰ مجھ کو ان سے زیادہ زبردست کر دیتے ہیں اور زیردستوں کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ ان سے زیادہ زیردست بنا دیتے ہیں۔ اب اس صورت میں آپ اپنا فیصلہ کیجئے۔

سبحان اللہ کیسے لطیف پیرایہ میں حقیقۃ الامر بھی واضح فرمادی اور بعنوان لطیف متنبہ بھی فرما دیا کہ جیسا خود بن کر آؤ گے ویسا ہی برتاؤ پاؤ گے۔ اگر زبردست بن کر آؤ گے تو اپنے آپ سے زیادہ زبردست مجھ کو پاؤ گے اور اگر زیردست بن کر آؤ گے تو مجھ کو اپنے سے بھی زیادہ زیردست پاؤ گے۔ بقول احقر۔

کھنچے جو مجھ سے تو بنجاؤں کھنچ کے میں تلوار　　　ملے جو جھک کے تو اسکے گلے کا ہار ہوں میں

ایک طالب کے خط میں میں نے عجیب مضمون تسلی کے متعلق دیکھا جو کہیں نقل بھی نہیں ہوا اور ایسے بہت سے مضامین ہیں۔ اللہ تعالیٰ کوئی صورت ان کے جمع ہونے کی بھی کر دے وہ مضمون یہ تھا کہ ان طالب صاحب نے سخت حالت قبض باطنی کی لکھ بھیجی اور تسلی چاہی تو تحریر فرمایا کہ تسلی مطلوب نہیں تجلی مطلوب ہے جو کبھی جلالی بھی ہوتی ہے جو اس وقت ہو رہی ہے۔ اھ۔ یہ بھی تحریر فرمایا کہ یہ حالت ایک مبارک مجاہدہ ہے جس کے آثار نہایت محمود مرتب ہوتے ہیں جن کا ظہور وقت پر ہوگا ان آثار کی بنیاد پڑ رہی ہے۔ بس حتی الامکان کام میں لگے رہو۔ ان حالات کی طرف توجہ مت کرو۔ البتہ اطلاع دیتے رہو۔ ان شاء اللہ تعالیٰ عنقریب سب حالات خاطر خواہ ہو جائیں گے۔

اس مضمون کو کہ تسلی مطلوب نہیں تجلی مطلوب ہے۔ احقر نے ایک قطعہ میں بھی منظوم کر لیا ہے وہ اور چند دیگر تعلیمات اشرفیہ منظوم بامید نفع طالبین نظم کی ہیں جو ان شاء اللہ تعالیٰ آخر کتاب میں درج کی جاویں گی۔

ایک عورت نے بیعت کی درخواست لکھ کر بھیجی مگر اس وقت جب حضرت کی آخری حالت ضعف کی ہو چکی تھی۔ حضرت کبھی کسی عورت کو اپنے کسی مجاز کے سپرد نہ فرماتے تھے کیونکہ عورتوں کے معاملہ میں حضرت غایت احتیاط ہی کو مناسب سمجھتے تھے۔ بس صرف ایک

اس عورت کو غایت مجبوری میں بیعت تو خود فرمالیا لیکن بجائے خود تعلیم دینے کے لکھوایا کہ تعلیم کسی مجاز سے حاصل کریں لیکن بذریعہ کسی محرم کے خود براہ راست ان کو ہرگز خط نہ لکھیں۔اھ۔ایک عورت نے اپنے شوہر کے قلم سے مگر اپنی جانب سے یہ لکھوا کر بھیجا، بعض اوقات خادمہ اپنے شوہر کو ترک نماز پر یا اور کسی دینوی کام پر نصیحت کرتی ہے جو بعض دفعہ جھگڑے کی صورت ہو جاتی ہے۔وہ کہتے ہیں کہ تجھے نصیحت کا کوئی حق نہیں ہے حضور والا تحریر فرمائیں کہ ان کا یہ کہنا صحیح ہے یا نہیں۔خادمہ نصیحت کرسکتی ہے یا نہیں۔؟ جواب لکھوایا کہ حق تو سب کو ہے مگر ایک شخص اپنے نفع کو نفع نہ سمجھے اس صورت میں دوسرے کے ذمہ اس کو نفع پہنچانا ضروری نہیں خاص کر جب فتنہ وفساد تک نوبت پہنچے اھ۔باہمی اختلاف میں نہ اس کو جتایا نہ اس کو پورا جتایا۔ بلکہ دونوں کو نصیحت کردی۔خاص طور سے شوہر صاحب کو بقول شخصے۔ع۔دونوں کو ایک وار میں خورسند کردیا۔اور اختلاف میں قول فیصل فرمانے کا تو حضرت کو بہت ہی سلیقہ حق تعالیٰ نے عنایت فرمایا تھا۔ایک اور سوال وجواب ملاحظہ ہو۔

سوال:...... یہاں پر ایک مشاعرہ ہوا جس کا مصرعہ طرحی یہ تھا کہ۔ع۔محبت کی مستی میں سب کچھ روا ہے۔اس پر تمام اہل علم حضرات میں بحث چھڑ کر اختلاف ومناقشہ کی صورت پیدا ہوگئی بعضے کہتے ہیں کہ یہ قول نادرست ہے اور بعض کا قول ہے درست ہے۔آخر ہوتے ہوتے یہ طے پایا کہ آپ سے اس کے متعلق فیصلہ طلب کیا جائے جو فیصلہ آپ دیں اس کو سب تسلیم کرلیں یہ متفقہ منشا ہے لہٰذا التماس ہے کہ مصرعہ مذکورہ کا مفہوم اگر صحیح ہے تو کس بناء پر۔اور غیر صحیح ہے تو کس رو سے سند کے ساتھ یعنی قرآن وحدیث واقوال صوفیائے کرام وغیرہ سے فیصلہ کن جواب مرحمت فرمائیں تو عین فیض بخشی ہوگی۔

جواب:......سوال بے قاعدہ ہے ضرورت تھی دونوں کے قول کے دلائل بھی نقل کئے جاتے تو جواب سے زیادہ بصیرت حاصل ہوتی۔اب اپنی طرف سے تبرعاً جواب لکھتا ہوں گو احتمال ہے کہ اس قدر بصیرت حاصل نہ ہو۔وہ جواب یہ ہے۔

کہ محاورات میں کبھی کل بمعنی کثیر بھی ہوتا ہے کمافی قولہ تعالیٰ فی قصہ داؤد وسلیمان علیہما السلام واوتینا من کل شئ وفی قصہ بلقیس واوتیت من کل شئ۔اسی پر یہ

مصرعہ بھی محمول ہوسکتا ہے اور سکر غیر اختیاری میں ایسی جزئیات وارد ہیں فقط بڑے بڑے جذباتی خطوط آتے تھے مگر حقیقت کے مقابلہ میں کسی مضمون سے متاثر نہ ہوتے تھے اور قابل اصلاح امور کی اصلاح کئے بغیر نہ رہتے تھے۔ اس کا اہتمام آخر وقت تک رہا۔ چنانچہ ایک طالب عاشق نے لکھا کہ حضرت والا میں اس بات کے لیے بالکل دل وجان سے تیار ہوں کہ اللہ تعالیٰ عزاسمہٗ میری تمام طاقت اور تمام بقیہ عمر وحیات لے کر حضرت والا کو دیدیں، اور حضرت والا میں طاقت وقوت آجائے اور حضرت والا کا فیض عرصہ دراز تک جاری رہے، یہ بھی جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ایسا کرتے نہیں جیسی تمنا اوپر تحریر کی ہے مگر میں دل وجان سے اس کے لیے تیار ہوں۔ اور جواب لکھوایا کہ اس تیاری کی مجھ کو خبر دینے میں کیا حکمت ہے، فضول باتوں کا مجھ پر اچھا اثر نہیں ہوتا۔ پھر زبانی بھی اظہار ناگواری فرماتے رہے کہ مجھ کو سنانے کی کیا ضرورت ہے دعا مانگو۔ اور جب یہ بھی معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کرتے تو یہ مفت کرم داشتن ہوا۔

ایک مجاز بیعت نے لکھا کہ جیسی محبت حق تعالیٰ کی چاہیے ویسی نہیں معلوم ہوتی، تحریر فرمایا کہ وہ دن ماتم کا ہوگا جب یہ سمجھو گے کہ جیسی محبت ہونی چاہیے تھے ویسی ہوگئی کیونکہ اس درگاہ میں تو انبیاء علیہم السلام بھی یہی فیصلہ کرتے چلے آئے ہیں کہ جیسی محبت چاہیے تھی ویسی نہیں ہے۔

ہندوستان کے مشہور شاعر یعنی جگر صاحب مراد آبادی نے عقید تمندانہ ایک اپنی فارسی کی غزل پانچ شعر کی جوان کو بہت پسند تھی وفات سے چند ہی روز قبل بھیجی جس کا ایک مصرعہ یاد رہ گیا۔ ع۔ نہ بہ مطربے نہ بہ شاہدے، نہ بہ حاصل غنی خوشم + جواب لکھا جو پورا محفوظ نہیں مگر غالباً یہ مضمون تھا کہ آپ کے تر اور رنگیں جذبات نے میرے ایک خشک جذبہ کو حرکت دے کر مجھ سے بھی ایک شعر کہلوا دیا جس کو ایک اہل کمال کے سامنے پیش کرنا اس لیے مناسب نہیں کہ یہ ایک صورت دعویٰ کی سی ہے لیکن بامید نفع پیش کرتا ہوں۔ گو وہ شعر رنگیں نہیں مگر سنگین ہے۔ اھ۔

اس شعر کو پیشانی پر لکھ کر اس کے حاشیہ پر عربی میں یہ عبارت بھی لکھ دی۔ **خاتمۃ الجذبات ولتکن اخر الی الحالات** یعنی سارے جذبات کا ختم کر دینے والا یہ جذبہ ہونا چاہیے اور سارے حالات کے بعد آخری حال یہ ہونا چاہیے وہ شعر یہ تھا۔

ے نہ[1] بہ نظم شاعر خوش غزل نہ بہ نثر تاثر بے بدل
بغلامی شہ عزوجل و بعاشقی بنی خوشم

سبحان اللہ کس لطافت سے شاعر کے حسب حال تبلیغ فرمائی اور اپنا بھی آخری حال ظاہر فرمادیا۔

غرض آخر وقت تک حضرت اقدسؒ کی شان تربیت واصلاح وشان تحقیق وتدقیق اسی آب وتاب اور جوش وخروش کے ساتھ باقی رہی۔ جیسی کہ حالت صحت میں تھی جس سے حاضرین کو سخت حیرت ہوتی تھی یہاں تک کہ صرف دوتین روز قبل انتقال ایک مخصوص اہل علم کے ایک دقیق وطویل علمی اشکال کا جواب ایسا مدلل اور مکمل خود احقر سے لکھوایا کہ ان کی تشفی ہوگئی۔ مولانا ظفر احمد صاحب مدظلہم کے صاحبزادے مولوی عمر احمد اور ان کی والدہ صاحبہ کا معاملہ کچھ عرصہ سے معلق تھا کہ ان کی بعض کوتاہیوں پر حضرت اقدس کو ناگواری تھی ان دونوں کی طرف سے آخرایام مرض میں بہ سلسلہ عیادت پیش قدمی ہوئی تو حضرت نے باقاعدہ معاملہ کو طے کرنے کی ضرورت اور اس کا نہایت مکمل طریقہ اپنے مخصوص طرز پر جو استغنا اور شفقت دیگر ضروری رعایتوں کو حاوی تھا مجھ سے ایک پرچہ فی البدیہہ لکھوایا انتہائی ضعف کے باعث حضرت دھیمی آواز سے بولتے جاتے تھے اور احقر لکھتا جاتا تھا اور اس کی جامعیت پر دل ہی دل میں عش عش کرتا جاتا تھا۔ غرض حضرت اقدسؒ نے بہت جلد جلد معاملہ کے سارے ضروری مراتب طے کرا کے معافی عطا فرمادی جس سے ان کے گھر بھر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی بعد کو احقر سے فرمایا کہ مجھے یہ خیال ہوا کہ یہ ساری عمر بدنام رہیں گے اس لیے میں نے اس قصہ کو ختم کردیا اس میں اشارہ قریب بصراحتہ اس طرف بھی تھا کہ زیست کی توقع نہیں کیونکہ صراحۃً یاس کے کلمات فرمانے میں حضرت اقدس ہمیشہ بپاس خاطر خدام ومتعلقین بہت احتیاط فرماتے تھے تاکہ دلشکنی نہ ہو۔ غرض اس خیال سے کہ خفگی ہی کی حالت میں انتقال ہوگیا تو وہ لوگ عمر بھر بدنام رہیں گے۔ خلاف معمول بعجلت تمام دونوں کو معافی دیدی اور ایک پرچہ پر یہ عبارت لکھ کر بذریعہ مولانا ظفر احمد صاحب ان کے پاس بھیجی **ھینتا لکم انموذج ھذہ الایہ وجعلنھا و ابنھا آیۃ للعالمین**۔ جس میں

---

[1] عجیب اتفاق ہے کہ نظم وشعر کے سلسلہ میں حضرت والا کا یہ شعر بالکل آخری شعر ہے۔ ۱۲۔ بندہ محمد شفیع دیوبندی

مولوی عمر احمد اور ان کی والدہ صاحبہ کی تسلی اور تطییب خاطر منظور تھی۔

اللہ اکبر کس درجہ شفقت تھی کہ ایسے نازک وقت میں بھی ایسے امور کا خیال فرمایا ورنہ آدمی ذرا سی تکلیف میں بھی اپنی فکر میں مشغول ہو جاتا ہے نہ کہ دوسروں کی۔ بالخصوص جن سے خفگی بھی ہو۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ خفگی محض مصالح اصلاحی کی بناء پر تھی نہ کہ دل سے لیکن اصول صحیحہ اور ضروریات شرعیہ کو اس میں بھی قائم رکھا ان سے ذرا نہ ہٹے بلکہ جب انہیں اس کی انتہائی مسرت کا احقر کے ذریعہ سے علم ہوا تو فرمایا کہ اگر میں بلا ضروری شرائط کو پورا کرائے معافی دے دیتا تو اتنی مسرت تھوڑا ہی ہوتی۔ کیا ٹھکانہ ہے اس مصلحت بینی کا کہ آخر وقت تک مصالحہ عقلیہ اور جذبات نفسیہ اور ضروریات شرعیہ پر پوری پوری نظر رہی اور ان میں سے ہر ایک کو اپنے اپنے درجہ پر اور پر اپنی اپنی حد پر رکھا۔ خود ہی اکثر فرمایا کرتے تھے کہ الحمدللہ میں کبھی طبیعت کو عقل پر اور عقل کو شریعت پر غالب نہیں آنے دیتا۔ سبحان اللہ کیا شانِ اعتدال تھی درجہ شناسی اور فرق مراتب اسی کو کہتے ہیں، پھر استقامت ایسی کہ علاوہ ہمیشہ اس کی تعلیم فرماتے رہنے کے بعون اللہ آخر وقت تک خود بھی اس پر پورا پورا عمل کر کے دکھلا گئے۔ **وذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء** مصلحت بینی اس درجہ تھی کہ بعض مشتاقین دور دراز کا سفر کر کے بلا اجازت حاصل کیے آجاتے تو بعض اوقات ان کو ملنے کی اجازت نہ مرحمت فرماتے پھر ساتھ ہی حاضرین خاص سے یہ بھی فرماتے کہ کمبخت دل بھی دکھتا ہے اتنا لمبا سفر ان کا بیکار ہو گیا۔ لیکن ان کو اجازت دے دوں تو نہ ان کی غلطی طور پر رفع ہو، نہ دوسروں کو سبق ہو اب ایک ان کو تو تکلیف ہوئی جس کے وہ خود ذمہ دار ہیں لیکن بہت سے دوسروں کو سبق ہو گیا بعض نے کہا کہ یہاں پہنچ کر اجازت لینے کے خیال سے چلے آئے۔ انہیں میں سے ایک علی گڑھ کالج کے ایم اے، یا ایل ایل کے طالب علم تھے ان کو بخلاف معمول چند بار کے زبانی سوال و جواب کے بعد اندر بلا لیا کیونکہ بر بناء ضرورت تالیف قلب و دیگر مصالح خاصہ نو تعلیم یافتوں کی کسی قدر رعایت بھی فرماتے تھے لیکن اپنے خاص اصول کو لیے ہوئے۔ چنانچہ جب وہ صاحب آئے تو حضرت اقدسؒ نے باوجود انتہائی ضعف کے نہایت پر شوکت لہجہ میں فرمایا کہ آپ صاحبان تو بہت مہذب ہوتے ہیں اور ہم ملانوں کو غیر مذہب سمجھتے ہیں

لیکن کیا یہ تہذیب کے خلاف نہیں ہے کہ بلا اجازت حاصل کیے کسی سے ملنے چلے آئے۔ خواہ اس کو کوئی عذر ہی ہو، چنانچہ میرا عذر ظاہر ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ یہاں حاضر ہونے کے بعد اجازت لے لینے کا خیال تھا۔ فرمایا کہ کیا آپ ان دونوں حالتوں میں فرق محسوس نہیں کرتے کہ ایک تو قبل سفر وہیں سے اجازت لی جاتی اور ایک آپ نے اتنا سفر کر لینے کے بعد یہاں پہنچ کر اجازت حاصل کی۔ کیا پہلی صورت میں آزادی اور دوسری میں دوسرے پر بوجھ ڈالنا نہیں ہے اس کا وہ کیا جواب دے سکتے تھے۔ بجز اقرار غلطی کے۔ پھر حضرت نے اپنی مخصوص شان تربیت سے ان کو مفصل تنبیہ فرمائی اور باوجود کہ نو تعلیم یافتہ حضرات اکثر جری اور بیباک ہوتے ہیں اور کسی سے دبنا نہیں جانتے لیکن اس وقت ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے حضرت ان صاحب پر مستولی ہوتے جاتے ہیں گو غایت ضعف کی وجہ سے حضرت کی آواز تو پست تھی لیکن لہجہ نہایت پر شوکت وصولت اور شان استیلائے ہوئے تھا اور وہ اس اثر سے اتنے مرغوب اور دبے ہوئے تھے کہ ضروری سوالوں کے جواب بھی نہ دے سکتے تھے بعض بعض موقعوں پر احقر چپکے سے جواب بتاتا جاتا تھا، اسی اخیر حالت ضعف میں اس بار کسی سلسلہ گفتگو میں بصد شوکت وصولت فرمایا کہ اگر ایک ہزار عقلاء بھی مل کر کوئی تجویز شریعت کے مقابلہ میں پیش کریں تو اور علماء کی تو بڑی شان ہے، میں آوارہ و ناکارہ بھی پانچ منٹ کی گفتگو میں خود ان کے منہ سے کہلوالوں کہ یہ بے عقلی کی تجویز ہے۔ اھ

واقعی حضرت اقدسؒ نے بالکل بجا فرمایا بلکہ ایسا کر کے دکھلا دیا۔ بڑے بڑے عقلاء اور ماہرین سیاست وتمدن و دیگر فنون بڑے بڑے دعوے کر کے حضرت کو اپنا ہم خیال بنانے کی نیت سے آئے لیکن مغلوب ہو کر گئے۔ یہ قوت حق کی تھی خود فرماتے تھے کہ مجھ کو بڑے بڑے باوجاہت لوگوں، عہدہ داروں، انگریزوں سے، بڑے بڑے مقرروں اور اہل قلم سے بڑے بڑے مناظرین، آریوں وغیرہ سبھی سے گفتگو کا اتفاق ہوا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے کبھی کسی کے سامنے شرمندہ نہیں کیا۔ ہمیشہ سب پر غالب ہی رکھا۔ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ میرے غالب رہنے کی زیادہ تر یہ وجہ ہوتی ہے کہ میں حق بات اور صاف بات کہتا ہوں۔ اور ایک بار حق ظاہر کر دیتا ہوں۔ پھر بحث ومباحثہ میں نہیں پڑتا۔ یہ نیت

رہتی ہے کہ اگر کوئی بچہ بھی میری غلطی پر مجھے متنبہ کر دے گا تو اس کو بھی مان لوں گا۔ چنانچہ سلسلہ ترجیح الراجح میں نے اسی لیے شروع کر رکھا ہے کہ اپنی جو غلطی معلوم ہوتی جائے اس سے رجوع کر کے شائع کرتا رہوں اور یہ صفت زیادہ تر حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فیض صحبت سے حاصل ہوئی ہے کیونکہ وہاں اس کا ظہور رات دن ہوتا رہتا تھا اور یہ صفت مولانا میں بہ نسبت دیگر ہمعصر بزرگوں کے بہت بین طور پر نمایاں تھی۔ اھ

حق بات کہنے میں حضرت اقدسؒ کبھی تامل نہ فرماتے تھے۔ لیکن ضروری رعایتوں کا پورا لحاظ رکھتے تھے اور اکثر ایسے موقعوں پر یہ مصرعہ پڑھ دیا کرتے تھے۔ ع۔ نرم گو لیکن مگو غیر صواب + مولانا منظور احمد صاحب نعمانی مدیر الفرقان نے علامہ مودودی کی تحریک اسلامی میں شرکت اور اس کے موافق شریعت ہونے کے متعلق گفتگو کے لیے بریلی سے آنا چاہا اور اجازت چاہی تو صاف فرما دیا کہ اگر چہ کوئی اعتراض شرعی لحاظ سے بظاہر نہ وارد کیا جا سکے لیکن میرا دل اس تحریک کو قبول نہیں کرتا۔ یہ ہی زبانی بھی عرض کر دوں گا۔ لہٰذا اس ضرورت سے سفر کی زحمت نہ فرمائی جاوے۔ اھ

چنانچہ بالآخر قلندر ہر چہ گوید دیدہ اور اتقوا فراسة المومن فانه ینظر بنور الله ہی کا ظہور ہوا مولانا موصوف کچھ اس تحریک میں شریک رہ کر اور اس میں خلاف شرع اُمور کا خود مشاہدہ کر کے ذاتی تجربہ کے بعد سنا ہے کہ اس سے الگ ہو گئے۔ اسی طرح مختلف قسم کی تحریکات میں جو بظاہر خوشنما تھیں لیکن محذورات شرعیہ سے خالی نہ تھیں شرکت کے لیے لوگوں نے ہر قسم کے بڑے زور لگا دیکھے۔ لیکن حضرت اقدسؒ ذرا ٹس سے مس نہ ہوئے اور برابر کوہ استقلال بنے ہوئے مرکز حق پر نہایت مضبوطی کے ساتھ قائم رہے۔ حضرت اقدسؒ میں یہ قوت حق بعون اللہ تعالیٰ باوجود شدید مخالفتوں کے شدومد کے ساتھ برقرار رہی۔ اس کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ حق میں وہ قوت ہوتی ہے کہ اگر ساری دنیا میں صرف ایک اہل حق اور باقی سب اس کے مخالف ہوں تو وہ اکیلا اپنے آپ کو ساری دنیا پر بھاری محسوس کرتا ہے۔ حضرت اقدسؒ کی مجموعی زندگی کو ایک واقف حالات شخص اپنے ذہن میں مستحضر کرنے کے بعد اس ارشاد کو خود حضرت اقدسؒ پر پورا پورا منطبق پائے گا۔ مذکورہ بالا مختلف حالات اس

ضمن میں لکھے گئے تھے کہ دوران علالت میں جو اس قدر شدید ومدید تھی باوجود آثار ضعف وانحطاط روز افزوں کے حضرت اقدسؒ کی کسی خصوصی شان میں معتد بہ فرق ظاہر نہ ہوا اس لیے آخر وقت تک افاقہ ہی کا دھوکہ ہوتا رہا اب اس سے بڑھ کر کیا شان افاضہ وتبلیغ اور شوق و خدمت دین ہوگی کہ مدرسہ دارالعلوم دیو بند جو حضرت اقدسؒ کا علمی گہوارہ اور بزرگوں کی خاص جگہ تھی اس کی محبت جس قدر حضرت کو ہوسکتی ہے کوئی دوسرا آدمی اس کا اندازہ بھی نہیں لگا سکتا۔ وفات سے چند سال پہلے وہاں کے ارباب حل وعقد سے مذاق ورائے کا کچھ اختلاف پیش آیا۔ حضرت اقدس کی رائے تھی کہ موجودہ سیاسیات کا اشتغال خواہ فی نفسہ حق ہو یا باطل مگر دارالعلوم کے طلباء وعلماء کی اس میں شرکت بہر حال مدرسہ کے مقاصد اصلیہ کو متزلزل کردینے والی ہے۔ جس کا مشاہدہ وتجربہ بھی عرصہ سے اکثر حضرات کو ہو چکا ہے لیکن حضرت اقدس کی عادت ہمیشہ سے یہ تھی کہ اختلاف کے مواقع پر جو بات حق سمجھی اس کا اظہار صاف صاف کردیا پھر قبول کرلیا گیا تو بہتر ورنہ اپنے آپ کو اس سے علیحدہ کرلیا۔ خلاف وجدال میں پڑنے سے طبعاً نفرت تھی۔ اکثر مواقع پر یہ شعر پڑھا اور لکھا کرتے تھے۔

خود چہ جائے جنگ وجدل نیک وبد　　کیں دلم از صلحہا ہم مے رمد

اسی عادت قدیمہ کی بناء پر عرصہ ہوا۔ دارالعلوم کی سرپرستی سے استعفاء دے دیا تھا۔ لیکن دارالعلوم کی ہمدردی وبہی خواہی اور اس کی عظمت ومحبت رگ وپے میں سرایت کئے ہوئے تھی اور جس طرح کی کوئی امداد ہوسکتی تھی برابر کرتے رہتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ مدرسہ تو ہماری ماں ہے شکایت واختلاف اگر کچھ ہے تو بھائیوں سے ہے ماں سے نہیں۔ اسی لیے باوجود ضابطہ کی علیحدگی کے مفید مشورے سے کسی حال میں دریغ نہ فرماتے تھے۔

مرض وفات میں اتفاقاً کانگریس کی تخریبی کارروائیوں کا فتنہ اٹھا اس میں مدرسہ کے طلباء و بعض متعلقین کی کسی درجہ میں شرکت اور اس کی روک تھام پر منتظمین دارالعلوم میں باہمی اختلاف کی خبر حضرت اقدسؒ کے کانوں تک پہنچی تو رنج ہوا کہ اس کو مدرسہ کے حق میں مضر جانتے تھے۔ انہیں ایام میں اتفاقاً مہتمم صاحب دارالعلوم حاضر خدمت ہوئے تو باوجود طول مرض اور ضعف شدید کے اہتمام ان کے سامنے ایک مفصل تقریر فرمائی جس میں کاتب الحروف بھی حاضر تھا۔ یہ

تقریر چھوٹے گھر سے باہر چھتہ کے اندر چارپائی پر بیٹھے ہوئے ارشاد فرمائی تھی جو سراسر تعلیم و تربیت کی زرّین اصول اور اصلاحی آئین سے متعلق تھی۔ افسوس ہے کہ اس وقت اس کو ضبط نہ کیا گیا اور اب اس کی تفصیل یاد نہیں۔ خلاصہ اس کا یہ تھا کہ میں نے قرآن وسنت اور عمر بھر کے تجربہ، نیز جن بزرگوں کی خدمت کا شرف حاصل ہوا ان سب کے طرز عمل سے مدرسہ کے بارہ میں جو کچھ اصلح سمجھا وہ یہ ہے کہ مدارس اور ان کے متعلقین کو سیاسیات حاضرہ سے بالکل مجتنب رہنا چاہیے اور طرف سیاسیات ہی سے نہیں بلکہ ہر اس کام سے جو تعلیمی مشاغل میں خلل انداز ہو اگرچہ وہ کام فی نفسہ کیسا ہی محمود اور مفید کیوں نہ ہو۔ ہمارے بزرگوں نے طلباء کو بیعت کرنے اور سلوک میں مشغول ہونے سے بھی باوجود اس کو اہم سمجھنے کے طالب علمی کے زمانہ میں ہمیشہ منع فرمایا ہے۔ حضرت گنگوہی قدس سرہ کبھی کسی طالب علم کو فراغت سے پہلے بیعت نہ فرماتے تھے۔ پھر کسی سیاسی اور ملکی تحریک میں شرکت کیسے گوارا کی جاسکتی ہے۔

تقریباً ایک گھنٹہ سے زائد اس تقریر کا سلسلہ رہا۔ حضرت مہتمم صاحب نے تقریر سن کر اس کو حرف بحرف تسلیم کیا اور عرض کیا کہ میں اس کی پوری کوشش کروں گا۔ حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ نے مسرور ہو کر دعائیں دی اور یہ مجلس ختم ہوئی۔

اس کے بعد برابر حضرت اقدس کو یہ انتظار رہا کہ اس بارہ میں کوئی اصلاحی صورت مدرسہ میں ظاہر ہو اور آنے جانے والوں سے خلاف معمول کچھ حالات بھی دریافت فرماتے رہے لیکن کوئی نئی چیز معلوم نہ ہوئی بلکہ ایک تحریر اسی عرصہ میں منجانب مدرسہ شائع ہوئی جس میں حضرت نے صورت مناقشہ محسوس فرما کرنا پسند کیا۔

اسی میں ایک عرصہ گزر گیا اور اب مرض کا اشتداد اور ضعف کی انتہاء ہوگئی اور اکثر اوقات غنودگی کا عالم طاری رہنے لگا۔ اس وقت ۲۹۔ جمادی الثانیہ ۶۲ھ کو مہتمم صاحب دوبارہ حاضر خدمت ہوئے تو باوجود انتہائی ضعف کے پھر آخری نصیحت فرمانے کا اس اہتمام کے ساتھ قصد فرمایا کہ حاضرین خدمت میں سے چند اصحاب مولانا شبیر علی صاحب، مولانا جمیل احمد صاحب ڈپٹی سجاد علی صاحب اور احقر کاتب الحروف کو بھی اس مجلس میں طلب فرمایا اور فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ مدرسہ دیوبند کے بارہ میں میں اپنی آخری اور مختتم

رائے آپ سب حضرات کے سامنے ذکر کروں تا کہ بعد میں غلط انتساب کا احتمال نہ رہے۔

یہ سب حضرات اور مہتمم صاحب مقررہ وقت پر جمع ہو گئے تو تقریباً سوا گھنٹہ مسلسل تقریر فرمائی گو غایت ضعف سے آواز بہت پست تھی اور مخاطبین کو بہت قریب بلا لیا تھا تا کہ تقریر سنائی دے سکے بلکہ تقریر شروع کر کے احتیاطاً پوچھ بھی لیا تھا کہ سب صاحب سن رہے ہیں۔ ضعف اس درجہ تھا کہ رخسار مبارک کو بار بار تکیہ رکھ لیتے تھے۔ حیرت کی انتہاء نہ تھی کہ اس درجہ ضعف میں بھی بستر مرگ پر پڑے اتنے مؤثر انداز سے ایسی مفصل، مکمل، مدلل اور مسلسل تقریر فرما رہے ہیں مع تمہید اور جمیع علمی، جذباتی مصلحانہ اور مشفقانہ رعایتوں کے جیسے کوئی رسالہ تصنیف کیا ہو سنا رہے ہوں۔

منجملہ دیگر ضروری باتوں کے تمہید میں یہ مضمون بھی تھا کہ میں عرصہ سے بیمار ہوں حیات کا اعتبار نہیں اس وقت پھر مدرسہ دیو بند کے متعلق اپنا خیال صاف صاف ظاہر کرنا چاہتا ہوں کیونکہ مدرسہ دیو بند ایسی چیز نہیں جس کے متعلق میں اپنی مختتم رائے ظاہر کئے بغیر چلا جاؤں تا کہ بعد میں ہر فریق کو یہ کہنے کا موقع نہ رہے کہ وہ ہمارے موافق تھا۔ وہ مختتم رائے یہ ظاہر فرمائی کہ مدرسہ دیو بند کو سیاسیات سے بالکل الگ رہنا چاہیے اور یہی ہمارے اکابر کا طریق تھا کہ تعلیم کے زمانہ میں کسی دوسری طرف توجہ کو سخت مضر خیال فرماتے تھے اور ظاہر ہے کہ معلمین کے طرز عمل کا طلبہ پر بہت زیادہ اثر پڑتا ہے لہٰذا مدرسہ کے مدرسین کو بالخصوص طلبہ کی مصلحت سے سیاسیات سے علیحدہ رکھنا ضروری ہے اور مدرسین کے دوسری طرف متوجہ ہونے سے تعلیم کا حرج بھی مشاہد ہے۔ ایک ایسی جماعت کی بھی سخت ضرورت ہے جو محض علم دین کی خدمت کرے۔

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ الذین ان مکنھم فی الارض اقاموا الصلوۃ و آتوا الزکوۃ وامر وابالمعروف ونھوا عن المنکر وللّٰہ عاقبۃ الامور (ترجمہ) وہ لوگ جن کو اگر ہم زمین کی حکومت عطا کریں تو وہ نماز قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں اور امر بالمعروف نہی عن المنکر کا فرض انجام دیں۔ اور سب کاموں کا انجام اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے۔

اس سے واضح ہے کہ دیانات مقصود بالذات ہیں اور سیاسیات و جہاد مصود اصلی نہیں بلکہ

اقامت دیانت کا وسیلہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دیانت اور تو انبیاء علیہم السلام کو مشترک طور پر سب کو دیئے گئے اور سیاسیات و جہاد سب کو نہیں دیا گیا بلکہ جہاں ضرورت و مصلحت سمجھی گئی دی گئی ورنہ وسائل کی یہی شان ہوتی ہے کہ وہ ضرورت ہی کے لئے جاتے ہیں۔ شاد کسی کو یہ شبہ ہو کہ دوسری آیات میں تو اس کے خلاف مضمون موودو ہے جس سے دیانت کا وسیلہ ہونا ہیا ور تمکین فی الارض اور سیاست کا مقصود ہونا سمجھ میں آرہا ہے اور یہ ہے۔ **وعد الله الذین آمنوا منکم و عملو الصلحت لیستخلفنهم فی الارض کما استخلف الذین میں قبلهم ولیمکنن لهم دینهم الذین ارتضیٰ لهم** (ترجمہ) تم میں جو لوگ ایمان لاویں اور نیک عمل کریں ان سے اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے کہ ان کو زمین میں حکومت عطا فرمائے گا جیسا ان سے پہلے لوگوں کو حکومت دی گئی تھی اور جس دین کو اس کے لئے پسند کیا ہے اس کو ان کے لئے قوت دے گا۔

یہاں ایمان و عمل صالح کو شرط قرار دیا جارہا ہے تمکین فی الارض کی جس سے تمکین و سیاست کا مقصود اصلی ہونا لازم آتا ہے۔ سو جواب اس کا یہ ہے کہ یہاں ایمان اور عمل صالح پر تمکین و شوکت کا وعدہ کیا گیا ہے اور بطور خاصیت کے شوکت کا دین پر ترتب ہونا ذکر فرمایا گیا ہے۔ پس دین پر سیاست و قوت موجود ہوئی لیکن موعود کا ہونا مقصود ضروری نہیں ورنہ آیت کریمہ۔

ولو انهم اقاموا التورة والانجیل وما انزل الیهم من ربهم لاکلوا من فوقهم و من تحت ارجلهم۔ اور اگر یہ لوگ تورات کی اور انجیل کی اور جو کتاب ان کے پروردگار کی طرف سے ان کے پاس بھیجی گئی (یعنی قرآن) اس کی پوری پابندی کرتے تو یہ لوگ اوپر سے اور نیچے سے خوب فراغت سے کھاتے۔

میں جس میں اقامت توراۃ وانجیل و قرآن یعنی عمل بالقرآن پر وسعت رزق کا وعدہ کیا گیا ہے کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ دین سے یہ مقصود ہے۔ بلکہ دین پر موعود ہے کہ دیندار بھوکا ننگا نہیں رہ سکتا۔ پس موعود کا ہونا ضروری نہیں یہاں بھی ایمان و عمل صالح پر شوکت وقوت اور سیاست وغیرہ موعود ہیں جو بطور خاصیت اس پر مرتب ہوں گی نہ کہ مقصود جو اس کی غایت کہلائے۔ بہرحال واضح ہوا کہ سیاست و دیانت میں سیاست وسیلہ ہے اور دیانت مقصود اصلی ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ سیاست کسی درجہ میں بھی مطلوب نہیں۔ بلکہ اس

کا درجہ بتلانا مقصود ہے کہ وہ خود مقصود اصلی نہیں ۔اور دیانت خود مقصود اصلی ہے۔اسی بناء پر میرا خیال یہ ہے کہ ایک جماعت ایسی بھی رہنی چاہیے جو خالص حفاظت دیانت اور تعلیم دین میں مشغول ہو اور وہ جماعت اہل مدارس ہی کی ہو سکتی ہے۔اسی لیے میری پختہ رائے یہ ہے کہ طلبہ کو سیاسیات میں مبتلا نہ کیا جاوے۔طلبہ اگر ان قصوں میں پڑ گئے تو وہ تعلیم سے بھی جاتے رہیں گے اور تربیت بھی ان کی نہ ہوگی۔چنانچہ جب سے طلبہ کو اس سلسلہ میں ڈال دیا گیا ہے ان میں آزادی پیدا ہوگئی اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آپ ہی لوگ ہر وقت ان کی طرف سے متفکر اور خائف رہتے ہیں۔میں نے اس سے پہلے بھی کئی بار یہ کہا اور اب پھر کہہ رہا ہوں لیکن میں اس کے قبول کے آثار نہیں دیکھتا۔چنانچہ اب جو مضمون آپ کی طرف سے شائع ہوا ہے (یعنی مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کے بیان کا جواب) اس میں بھی بحق مدرسہ سیاسیات سے کوئی تبری نہیں کی گئی۔بلکہ اثبات معلوم ہوتا ہے نیز اس مضمون میں مناظرانہ صورت پیدا ہوگئی ہے جس سے ذات البین پر بُرا اثر پڑتا ہے۔

یہ بھی فرمایا کہ میں نے جو کچھ کہا ہے آپ کو مجبور کرنے کے لیے نہیں بلکہ خود مجبور ہو کر کہا ہے تا کہ میرا طریق اور میری رائے تلبیس میں نہ پڑ جائے کہ میں نے ہمیشہ اس کی حفاظت کی ہے یہاں تک کہ اپنے بزرگ اور مشفق استاد حضرت مولانا دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے بھی اپنی رائے کے اخفا کو خیانت سمجھ کر ظاہر کر دیا۔اور ظاہر ہے کہ اگر میں اس تلبیس کو گوارا کرتا تو اس وقت حضرت کے لیے کرتا۔اب اس کی کوئی وجہ نہیں۔

افسوس ہے کہ یہ تقریر دلپذیر پوری ضبط نہ ہو سکی۔اس لیے جس قدر چیزیں یاد رہی وہ ذکر کی گئی ہیں۔جناب مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم نے یہ تقریر سن کر حضرت کے ارشاد کے مطابق عمل پر آمادگی ظاہر فرمائی تو حضرت نے خاص مسرت وشفقت کا اظہار فرمایا اور یہ مشورہ دیا کہ آپ کو اس طرز عمل کی تنقید پر دارالعلوم میں قدرت نہیں ہے تو کم از کم اپنی رائے کا اعلان صاف طور پر کر دینا چاہیے۔مہتمم صاحب نے اس کا وعدہ فرمایا اور مجلس ختم ہوگئی۔

اصلی ضعف کے ساتھ اس تقریر کے تعب نے اور بھی شکستہ کر دیا تھا لیکن تھوڑی دیر سکون لینے کے بعد خود ہی قلم لیکر اس اعلان کا مسودہ بھی تحریر فرمایا جس میں حق کے اظہار کے

ساتھ مہتمم صاحب کی شان اور جملہ قابل رعایت امور کا پورا لحاظ محفوظ تھا۔ اور فرمایا کہ میں نے کہا کہ مولوی طیب کو اس اعلان کے مضمون میں تعب ہوگا اسی لی خود ہی لکھ دیا اور بحمد اللہ ایسا ہو گیا کہ اب اس کی اشاعت انہیں دشوار نہ ہوگی۔ ہنس کر یہ بھی فرمایا کہ مہتمم صاحب سارے دن محنت کرتے تو شاید ایسا لکھ نہ سکتے۔ یہ اعلان کا مسودہ مہتمم صاحب کے سپرد کر دیا گیا۔ افسوس ہے کہ یہ اعلان بھی ہنوز شائع نہیں ہوسکا۔

الغرض پانچ سال کی طویل مدت علالت میں حضرت اقدس برابر تحریری و تقریری افاضات بدستور فرماتے رہے لکھنؤ سہارنپور، تھانہ بھون، جہاں رہے ایسے ایسے نافع، مؤثر اور پرُ جوش ملفوظات سننے میں آتے رہے اور اتنی اتنی طویل مجلسیں ارشاد و تلقین کی منعقد ہوتی رہیں کہ عقل دنگ تھی کیونکہ اتنا تعب برداشت کرنا ایک ایسے سخت مریض سے بہت ہی مستبعد تھا۔ چنانچہ اکثر بعد کو بہت تکان محسوس ہوتا تھا لیکن بلا افاضا کے بھی حضرت اقدس کو کسی طرح چین نہ آتا تھا۔ بعض اطباء نے اس کی ممانعت کرنا چاہی تو فرمایا کہ جب میں کوئی خدمت ہی نہ کرسکا تو پھر میرے زندہ رہنے ہی کی ضرورت ہے۔ چونکہ حضرت اقدس کو خدمت دینی سے انشراح ہوتا تھا اور اگر اس سے روک دیا جائے تو سخت گھٹن اور الجھن ہوتی تھی۔ اس لیے اس ممانعت کو اپنی خصوصیت مزاج کی بناء پر بجائے مفید ہونے کے مقرر تصور فرماتے تھے اور واقعۃ الامر بھی یہی بات تھی چنانچہ ایک بار اسی قسم کی ممانعت تھی کہ مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی آئے جن سے بہت خصوصیت تھی اور انکو تیمارداروں سے چھپا کر بلوایا۔ یہ صرف شوق تبلیغ ہی تھا۔ کچھ عرصہ سے خانقاہ میں تشریف لانا بوجہ غایت صاف دل موقوف فرما دیا تھا لیکن قریب کی بیٹھک میں طالبین کی خاطر نہایت سخت تعب برداشت فرما کر بہزار دشواری ہانپتے لڑکھڑاتے تشریف لاتے رہے اور حسب معمول قدیم حاضرین کو آتے ہی سلام کر کے خطوط کے جوابات لکھوانے اور ارشادات سے مستفیض فرماتے رہے۔

اکثر فرمایا کہ فاصلہ بہت کم ہے لیکن یہاں تک آنا بھی موت ہے پہنچنے کے بعد بہت دیر تک سانس قابو میں نہیں آتا، گھٹنے کچھ کام ہی نہیں دیتے، بیٹھ کر اٹھنے کے ارادہ ہی میں بہت بہت دیر لگ جاتی ہے، ہمت ہی نہیں ہوتی اس کے علاوہ اکثر پیروں پر بہت بہت ورم بھی

ساتھ مہتمم صاحب کی شان اور جملہ قابل رعایت امور کا پورا لحاظ محفوظ تھا۔ اور فرمایا کہ میں نے کہا کہ مولوی طیب کو اس اعلان کے مضمون میں تعب ہوگا اسی لی خود ہی لکھ دیا اور بحمد اللہ ایسا ہو گیا کہ اب اس کی اشاعت انہیں دشوار نہ ہوگی۔ ہنس کر یہ بھی فرمایا کہ مہتمم صاحب سارے دن محنت کرتے تو شاید ایسا لکھ نہ سکتے۔ یہ اعلان کا مسودہ مہتمم صاحب کے سپرد کر دیا گیا۔ افسوس ہے کہ یہ اعلان بھی ہنوز شائع نہیں ہو سکا۔

الغرض پانچ سال کی طویل مدت علالت میں حضرت اقدس برابر تحریری و تقریری افاضات بدستور فرماتے رہے لکھنؤ سہارنپور، تھانہ بھون، جہاں رہے ایسے ایسے نافع، مؤثر اور پرُ جوش ملفوظات سننے میں آتے رہے اور اتنی اتنی طویل مجلسیں ارشاد و تلقین کی منعقد ہوتی رہیں کہ عقل دنگ تھی کیونکہ اتنا تعب برداشت کرنا ایک ایسے سخت مریض سے بہت ہی مستبعد تھا۔ چنانچہ اکثر بعد کو بہت تکان محسوس ہوتا تھا لیکن بلا افاضا کے بھی حضرت اقدس کو کسی طرح چین نہ آتا تھا۔ بعض اطباء نے اس کی ممانعت کرنا چاہی تو فرمایا کہ جب میں کوئی خدمت ہی نہ کر سکا تو پھر میرے زندہ رہنے ہی کی ضرورت ہے۔ چونکہ حضرت اقدس کو خدمت دینی سے انشراح ہوتا تھا اور اگر اس سے روک دیا جائے تو سخت گھٹن اور الجھن ہوتی تھی۔ اس لیے اس ممانعت کو اپنی خصوصیت مزاج کی بناء پر بجائے مفید ہونے کے مقرر تصور فرماتے تھے اور واقعۃ الامر بھی یہی بات تھی چنانچہ ایک بار اسی قسم کی ممانعت تھی کہ مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی آئے جن سے بہت خصوصیت تھی اور انکو تیمار داروں سے چھپا کر بلوایا۔ یہ صرف شوق تبلیغ ہی تھا۔ کچھ عرصہ سے خانقاہ میں تشریف لانا بوجہ غایت صاف دل موقوف فرما دیا تھا لیکن قریب کی بیٹھک میں طالبین کی خاطر نہایت سخت تعب برداشت فرما کر بہزار دشواری ہانپتے لڑکھڑاتے تشریف لاتے رہے اور حسب معمول قدیم حاضرین کو آتے ہی سلام کر کے خطوط کے جوابات لکھوانے اور ارشادات سے مستفیض فرماتے رہے۔ اکثر فرمایا کہ فاصلہ بہت کم ہے لیکن یہاں تک آنا بھی موت ہے پہنچنے کے بعد بہت دیر تک سانس قابو میں نہیں آتا، گھٹنے کچھ کام ہی نہیں دیتے، بیٹھ کر اٹھنے کے ارادہ ہی میں بہت بہت دیر لگ جاتی ہے، ہمت ہی نہیں ہوتی اس کے علاوہ اکثر پیروں پر بہت بہت ورم بھی

رہتا تھا گو ورم کی طرف یا دیگر عوارض کی طرف خود حضرت اقدس کبھی التفات بھی نہ فرماتے تھے کوئی توجہ دلاتا تو فرماتے کہ علاج ماہر اور خیر خواہ طبیب کے سپرد ہے۔ حالات کا پہچاننا سمجھدار تیمارداروں کے سپرد ہے پھر مجھے کیا ضرورت ہے کہ خوامخواہ فکر میں پڑوں، حضرت کے اس طرز سے یہ محسوس ہوتا تھا کہ علاج صرف عالم اسباب میں ہونے کی حیثیت سے کرا رہے ہیں۔ ورنہ نتیجہ کے لحاظ سے محض مسبب الاسباب پر نظر ہے۔ اگر طبیب تحقیق طبی یا نفع ہونے کی تقریر کرتے تو منع فرما دیتے کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں میں کیا جانوں، مجھے بہر حال اعتماد ہے۔ ایک بار کسی دوا یا پرہیز سے اظہار تنگی فرماتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ اگر نفع نہ ہوگا تو کیا ہے اپنے گھر چلے جائیں گے۔ اچھا ہے اس دار الکدورت سے پیچھا چھوٹ جائے گا یہاں سوائے کدورت کے اور رکھا کیا ہے اس ارشاد سے بھی حضرت اقدس کا اس دار المشقہ کے متعلق وہ مذاق ظاہر ہو رہا ہے جو حضرت نے اپنے ایک تعزیت نامہ میں ظاہر فرمایا ہے جس کی نقل عنقریب ہدیہ ناظرین ہوگی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ گو دوا، پرہیز سے اظہار تنگی فرماتے رہتے تھے لیکن طبیبوں کا بے حد لحاظ رکھتے اور حتی الامکان ہدایات پر سختی سے پابندی فرماتے اور جب کسی چیز کو جی چاہتا تو جب تک دکھا بلکہ انہیں چکھا کر اجازت نہ لے لیتے نوش نہ فرماتے اور جب کسی طبیب کو بدلتے ایسی لطیف تحریر اس کے پاس بھیجتے کہ اس کو ذرا ناگواری نہ ہو اور دوبارہ رجوع کی ضرورت میں خود کو شرمندگی نہ ہو۔ فرماتے تھے کہ طبیب کا بدلنا تو برا نہیں لیکن دوران علاج میں دخل دینا فن کی توہین کرنا ہے۔ ایک طبیب کسی عزیز تیماردار کی گفتگو سے کچھ کبیدہ ہوگئے تو ایسی تحریر بھیجی کہ فوراً راضی ہوگئے۔ مزاحاً فرمایا کہ میں نے تسخیر کا تعویذ لکھ کر بھیجا تھا مگر اردو میں کچھ اوپر دو ماہ سے دوستوں کے دورے جلد جلد ہونے لگے تھے اس لیے بیٹھک میں تشریف لانا بھی موقوف ہو گیا تھا لیکن گھر کے اندر خاص خاص صاحبوں کے باضابطہ اطلاع اور انفرادی اجازت کے باریابی کا شرف حاصل ہوتا تھا گو آخر زمانہ میں تو محض دیدار ہی نصیب ہوتا تھا کیونکہ حضرت اقدس پر اکثر غنودگی کا عالم طاری رہنے لگا تھا اور حاضرین گھنٹوں خاموش بحسرت دیکھتے ہوئے بیٹھے رہتے تھے۔ جب اتفاق سے حضرت چونکتے تو اظہار شرمندگی فرماتے کہ میں تو کبھی خاموش

رہنے والا نہ تھا لیکن کیا کروں آنکھیں بند ہی ہو جاتی ہیں۔ اس پر ڈپٹی علی سجاد صاحب نے عرض کیا کہ حضرت کی زبان مبارک تو اتنی بولی ہے کہ تمام عالم کو حقائق و معارف سے لبریز کر دیا ہے اس پر احقر نے یہ شعر پڑھ دیا ہے۔

گرنبو دے نالہ نے راثمر نے جہاں را پُر نہ کردے از شکر

غنودگی کے متعلق فرمایا کرتے کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کیونکہ غنودگی میں مرض کی تکلیف محسوس نہیں ہوتی اور یہ تو حضرت کا دائمی حال تھا کہ ہر حال میں حق تعالیٰ کا شکر ادا فرماتے رہتے تھے۔ تکلیف میں بھی کوئی نہ کوئی پہلو ایسا نکال لیتے جو قابل شکر ہو۔ اور اکثر ایسے موقعوں پر یہ شعر پڑھ دیتے۔

درد از یا رست و درماں نیز ہم دل فدائے او شدو جان نیز ہم

ایک پڑوسی کا پیشاب بند ہو گیا تھا جس کو سلائی سے نکالا گیا۔ جس سے ان کو بہت ہی سخت تکلیف ہوئی حضرت کو عرصہ سے کثرت بول کی شکایت تھی، بار بار پیشاب کے لیے اٹھنے میں بوجہ غایت ضعف کے سخت تعب ہوتا لیکن فرماتے کہ پیشاب کرتا ہوں خدا کا شکر دل سے نکلتا ہے کہ بلا سلائی کے سہولت سے ہو جاتا ہے۔ گو بار بار اٹھنے میں تکلیف ہوتی ہے لیکن شکر ہے کہ بند تو نہیں پڑتا، پیشاب کا ہوتا رہنا بھی رحمت ہے۔ غرض کسی تکلیف میں کبھی کوئی شکایت حضرت کے قلب میں پیدا نہ ہوتی تھی۔ مزاج پوچھنے والوں کو عجیب عجیب لطیف عنوانات سے جواب دیتے۔ جن سے نہ تردد پیدا ہوتا نہ بالکل بیفکری ہوتی۔ بلکہ فرمایا کرتے کہ اگر صرف یہ لکھ دیا جائے کہ طبیعت اچھی ہے حالانکہ اچھی نہیں تو اس میں پوچھنے والوں کے سوال کو گویا مہمل قرار دینا ہے اور یہ بھی دلشکنی کا باعث ہے نیز اس کا حق بھی ہے کہ اس کو طبیعت کا حال بتایا جائے ہاں اس طور پر نہیں کہ وہ پریشان ہو جائے۔ چنانچہ حضرت کسی کو تحریر فرد یتے کہ بیماروں میں تندرست ہوں اور تندرستوں میں بیمار، کسی کو لکھوا دیتے کہ مرض میں کمی ہے مگر ضعف میں زیادتی ہے کسی کو لکھوا دیتے کہ جیسا دیکھ گئے تھے ویسا ہی ہوں، غرض طرح طرح کے عنوان ہوتے، مجھے اس وقت یاد نہیں آ رہے ہیں اکثر بہت ہی لطیف ہوتے، لیجئے ایک اور عنوان یاد آ گیا۔ مزاج تو اچھا ہے معدہ اچھا نہیں۔ آخر

میں جب بالکل معذوری ہوگئی۔ پرچوں پر دو مسودے لکھ کر کاتب خطوط کو دے دیئے کہ جو خیریت طلب خطوط ہوں سب پر یہ لکھ دیا جائے۔ خیریت سے ہوں، دعا کرتا ہوں اور جو مفصل خطوط ہوں ان پر یہ کہ علالت کی وجہ سے ایک مہینہ تک قوت آنے کی توقع نہیں، اس لیے ایک مہینہ کے بعد لکھا جاوے، چنانچہ خطوط پر یہی لکھا جاتا رہا شدید علالت کی اطلاع ہمیشہ خدام کو ممانعت تھی، اس لیے عموماً خدام بیرونی کو اطلاع ہی نہ ہوتی جس کی ان کو سخت حسرت رہی۔ غرض عجیب بے ہمہ و باہمہ زندگی بسر فرمائی۔ بابہ چھتہ کے نیچے بیرونی و مقامی مشتاقین زیارت گھنٹوں اس اشتیاق میں بیٹھے رہتے کہ کب اطلاع کو نوبت آئے اور محض ایک جھلک ہی دیکھنا نصیب ہو جائے مگر اس کا موقعہ بھی بعض وقت نہ ملتا تھا اور اکثر تو باوجود عدم باریابی ویسے ہی بیٹھے رہنے کو موجب تسلی پاتے تھے اور برابر جمگھٹا لگا رہتا تھا، جو باریاب بھی ہو جاتے تھے وہ بھی صرف شروع میں اور صرف کبھی کبھی دو چار کلمات استفسار مزاج وغیرہ کے فیض ترجمان سے سننے پاتے تھے کہ پھر حضرت پر بے اختیارانہ طور پر عالم غنودگی طاری ہونے لگتا تھا۔ بس گویا اس شعر کا منظر آنکھوں کے سامنے ہوتا تھا۔

اف وہ پروانے کہ سمٹے ہی چلے آتے ہیں ہائے وہ شمع کہ خاموش ہوئی جاتی ہے

مگر اس حال میں بھی مجال کیا کہ انتظامی شان میں فرق آجائے، باقاعدہ پرچے نو واردین و مقیمین کے پیش کیے جاتے اور ہر ایک پر بذات خود بوسائط حسب معمول سوال و جواب ہوتے، پھر کسی پر منظوری، کسی پر نامنظوری، کسی پر بشرائط و قیود منظوری دی جاتی۔ یہاں تک کہ کس کو کہاں بٹھایا جائے، اس پر حسب ہدایت پوری نظر تھی۔ ایک بار چند خاص خاص اہل علم حضرات وفات سے چند ہی روز پہلے مکرر مع بعض رفقاء کے حاضر ہوئے تو برآمدہ میں جگہ کم تھی اس لیے حاضرین سے فرمایا کہ کچھ لوگ باہر تخت پر جا بیٹھیں تاکہ جگہ ہو جائے ہم لوگ بطور خود وہاں جا بیٹھے۔ بعض بدستور بیٹھے رہے اس پر جائزہ لیا اور دریافت فرمایا کہ کون کون باہر بیٹھے ہیں اور کون کون اندر ہیں۔ پھر ان میں سے بعض باہر والوں کو اندر اور اندر والوں کو باہر بیٹھنے کا حکم دیا۔ اور جن حضرات کے لیے جگہ خالی کی گئی تھی ان میں سے بعض کو اندر بٹھایا، بعض کو باہر، ہر ایک کا نام خود پوچھتے تھے۔ کیونکہ سر اٹھا کر خود دیکھنے کی

سکت ہی کہاں تھی اور جس کے لیے جو جگہ مناسب تھی وہاں اس کو بٹھانے کے لیے فرماتے جاتے تھے۔ جب سب تجویز فرمودہ جگہوں پر بیٹھ چکے تو فرمایا کہ ترجیح بلا مرجح کا شبہ کوئی صاحب نہ کریں۔ کیونکہ علاوہ فضل وکمال کے دیگر وجوہ بھی کسی کو اندر کسی کو باہر بٹھانے کے ہیں پھر یہ پوچھوایا کہ کسی صاحب کو ناگوار تو نہیں ہوا۔ اس پر سب نے عرض کیا کہ جی نہیں۔ اور ان حضرات سے فرمایا کہ اب تو یہ حالت مرض کی مستقل ہی سی ہوگئی لہٰذا بجائے بار بار تشریف لانے کے وہیں سے دعا میں یاد فرمالیا کریں۔

کیا ٹھکانا ہے ان رعایتوں کا اور انتظامات کا اور ایسی سقیم حالت ہیں، بعض خاص مجازین کو بھی بعض موقعوں پر اجازت اندر آنے کی دی۔ اور بعض موقعوں پر نہ دی، پھر اس کی مصلحت بھی یہ بیان فرمائی کہ میں چاہتا ہوں کہ میرے احباب ہر قسم کے برتاؤ کے عادی رہیں۔ اور دوسروں کی دل شکنی بھی نہ ہو جن کو روز اجازت نہیں ملتی، غرض حضرت نے کسی حال میں میں اصول صحیحہ کو کبھی نہیں چھوڑا۔ تعلیم وتلقین اور خدمت دین کا تو گویا ہر وقت حال طاری رہتا تھا گو درجہ مقام حاصل تھا لیکن مقام میں بھی آثار حال نمایاں تھے، گویا حال بعینہ و بآثارہ مقام ہو گیا تھا۔

کسی نے انکار بیعت پر یہ اعتراض کیا تھا کہ بزرگوں کے اس قول کے خلاف ہے کہ شیخ کو اشاعۃ طریق کا حریض ہونا چاہیے۔ اس پر فرمایا کہ کوئی برابر تو کیا اشاعت طریق کا حریض ہوگا۔ یہاں تو رات دن سوا اس کے کوئی اور تذکرہ ہی نہیں۔ رہی بیعت سو یہ کوئی لوازم طریق میں سے تھوڑا ہی ہے۔ پھر اس کے شرائط بھی ہیں، ان شرائط کو پورا کراتا ہوں، باقی اصول وفروع طریق کی تو میں نے اتنی اشاعت کی ہے کہ صدیوں سے ایسی نہ ہوئی ہوگی۔ وفات سے دو چار روز ہی قبل بہت ہی عجیب وغریب مضامین بیان فرما کر احقر کو مخاطب کر کے فرمایا کہ خواجہ صاحب یہ باتیں ہیں لکھنے کی، خواجہ صاحب پھر باتیں سننے میں نہ آئیں گی کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ کہیں اس کا اہتمام نہیں پھر مولانا فضل حق صاحب خیر آبادی کا یہ مصرعہ پڑھا (ع) رانڈ ہو جائیں گے قانون وشفا میرے بعد + (قانون اور شفا دونوں طب وفلسفہ کی کتابیں ہیں) پھر مولانا عبدالسمیع صاحب بیدل کا یہ شعر پڑھا۔ ؎

بیدل خستہ کو پاؤ گے کہاں   کرلو اس کی میہمانی چند روز

پھر فرمایا مولانا عبدالسمیع صاحب جب کانپور گئے میں نے ان کا وعظ کہلوایا تھا، گو وہ مولودخواں تھے لیکن مجھ کو معلوم تھا کہ وعظ بالکل ٹھیک کہتے ہیں، گڑ بڑ نہیں کرتے اسی لیے میں نے وعظ کی فرمائش کی تھی (سبحان اللہ خذ ما صفا ودع ما کدر اور انظر الی ما قال ولا تنظر الی من قال پر عمل فرما کر اپنی بے تعصبی اور وسیع الخیالی کا ثبوت دے دیا مولف۱۲) شاعر بہت اچھے تھے غالب کے شاگرد تھے، اس وعظ میں انہوں نے اپنے کچھ اشعار پڑھے تھے انہی میں یہ شعر بھی تھا جو مجھ کو یاد رہ گیا۔ اھ۔ واقعی حضرت اقدس نے بالکل صحیح فرمایا کہ پھر یہ باتیں سننے میں نہ آئیں گی واقعی اب ایسے حقائق و معارف کون بیان کرسکتا ہے۔ اب ایسی تقریر و تحریر کہاں سننے میں آسکتی ہیں کیونکہ صدیوں کے بعد ایسا محقق پیدا ہوتا ہے، جس وقت یہ فقرہ یاد آتا ہے کہ خواجہ صاحب پھر یہ باتیں نہیں سننے میں آئیں گی۔ قلب پاش پاش ہوجاتا ہے اور نہایت سخت حسرت ہوتی ہے اور اپنی کوتاہ قلمی پر رونا آتا ہے مگر چونکہ حضرت اقدس کو ملفوظات پر نظر ثانی کرنے میں تعب ہوتا، نیز اکثر حضرت اقدس پر بنائے بے تکلفی اس نااہل اور ناکارہ ہی کو مخاطب بنالیتے تھے اور میں اس وقت قلم بند کرنہیں سکتا تھا اس لیے باوجود سخت حسرت کے معذور رہتا تھا۔ حالانکہ حضرت اقدس نے تو اس گئی گزری حالت میں بھی احقر کے اس عذر پر بھی تھا کہ کبھی پیش کرکے تو دیکھا ہوتا۔ چنانچہ واقعی ایک لمبا ملفوظ ایک صاحب نے لکھ کر پیش کیا تو فوراً نظر ثانی فرما کر تھوڑی ہی دیر میں دست بدست واپس فرمادیا کیونکہ حضرت اقدسؒ تو بلا مبالغہ کام کی بس مشین تھے، بس کام کے سامنے آتے ہی اس کو پورا کرنے کی دھن سوار ہوجاتی اور ہمہ تن مشغول ہوکر جلد سے جلد بلکہ اکثر دست بدست پورا فرمادیتے اور اکثر ایسے موقعوں پر اس ناکارہ و آوارہ کو مخاطب فرما کر فرمادیا کرتے کہ دیکھئے خواجہ صاحب میں کام کو اٹھا نہیں رکھتا، فوراً اس کے سب مراحل کو طے کرکے اسی وقت ٹھکانے لگادیتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اب اس کوتاہ قلمی کی کسی درجہ میں تلافی کی توفیق اس صورت سے عطا فرمائے کہ جو ملفوظات و مواعظ کثیر تعداد میں مسودہ کی صورت میں رکھے ہوئے ہیں ان کو صاف کرنے کی کوشش کروں گو بوجہ عرصہ دراز گزر جانے کی اب ان کی تبییض سخت دشوار ہے بالخصوص جبکہ حضرت اقدس کی نظر ثانی کا بھی موقعہ

جاتا رہا۔ تاہم حضرت یہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر مسلسل صورت میں تبییض میں بوجہ مسودات کے پرانا ہو جانے کے دشواری ہو تو بطور متفرق ملفوظات ہی کے مواعظ اور ملفوظات کو صاف کرلیا جاوے، گو اب ہے تو یہ بھی مشکل لیکن اللہ تعالیٰ اس کی ہمت دے، چاہے روزانہ ایک ایک دو دو ہی ملفوظات سہی کیونکہ اب تو یہ بھی ہزار غنیمت ہوں گے، غرض حضرت اقدس کو کام جلد سے جلد پورا کرنے کا بہت ہی اہتمام تھا، یہاں تک کہ آخری روز بھی ڈاک گھر والوں سے کہہ کر ڈبہ میں سے نکلوائی اور اپنے سامنے رکھوالی، پھر پتے دیکھ کر فرمایا کہ اٹھالو، کسی اپنے خاص جاننے والے کا کوئی خط نہیں ہے۔ ایک اہل خصوصیت کا دستی لفافہ آیا غنودگی اور ضعف بے انتہا تھی مگر اس کو خود اپنے دست مبارک سے حسب معمول اسی طور پر کھولا کہ چپکا ہوا پرت پھٹنے نہ پائے گو اس کھولنے میں خاصی دیر لگی کیونکہ ناتواں انگلیاں اچھی طرح کام ہی نہ دیتی تھیں اور کچھ غنودگی کا بھی اثر تھا، پاس بیٹھنے والے پیچ و تاب کھا رہے تھے کہ خود کھول دیں اور حضرت اقدس اس تعب سے بچ جاویں لیکن کسی کو مجال نہ تھی کیونکہ حضرت اقدس کسی کی اعانت کسی کام میں حتی الامکان نہ لیتے تھے اگر کوئی سبقت کرتا تو ناگواری کے ساتھ منع فرما دیتے۔ صاحب فراش ہونے سے پہلے گو چلنے میں نہایت دشواری ہوتی اور قدم لڑکھڑاتے لیکن کسی کا سہارا نہ لیتے بلکہ ملازم کو ساتھ رہنے کی ہدایت فرماتے تاکہ اگر گرنے لگیں تو اس وقت ہاتھ پکڑ کر سہارا لے لیں جب بالکل مجبور ہو گئے اور نقل و حرکت کے قابل بھی نہ رہے اس وقت بضرورت بیٹھنے کے لیے دوسرے کا سہارا لیتے۔ بعض اوقات خدام و ملازمین مرضی کے موافق کسی کام کو نہ کر پاتے تو اس عنوان سے اظہار ناراضگی فرماتے کہ میں تو سب کام ہمیشہ اپنے ہاتھ سے کرتا تھا مگر اب اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کا محتاج کر دیا ہے۔ اس لیے مجبور ہو رہا ہوں ورنہ تم لوگ ایسے بے ڈھنگا پن کرتے ہو کہ کام لینے کو جی نہیں چاہتا۔ اھ۔ اگر کسی خادم یا ملازم کو پیشاب پاخانہ کے متعلق کام کرتے دیکھتے تو بہت شرمندہ ہوتے بالخصوص دونوں پیرانی صاحبوں سے جو پیشاب پاخانہ کے وقت اعانت کے لیے حاضر خدمت رہتیں بار بار فرماتے کہ مجھے نہایت شرمندگی ہے کہ تم لوگوں سے یہ کام لے رہا ہوں اور ان دونوں حضرات نے پورا حق خدمت ادا کر دیا۔ اللہ

تعالیٰ جزائے خیر دے اور تا دیر دونوں کے سایہ شفقت کو قائم رکھے۔ آمین ثم آمین۔
وذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء ؎

ایں سعادت بزور بازو نیست   تانہ بخشد خدائے بخشندہ

اور تعلیم وتلقین کا تو آخر وقت تک اتنا ذوق وشوق رہا گویا اسی میں اپنی ساری زندگی گزار دی اور کیوں ایسا نہ ہوتا اللہ تعالیٰ نے حضرت اقدس کو پیدا ہی اس کام کے لیے فرمایا۔ بفحوائے ؎

ہر کسے را بہر کارے ساختند   میل آں اندر دلش انداختند

جناب مولانا عبدالباری صاحب ندوی اور مولانا مسعودعلی صاحب ندوی چندروز قیام کے لیے تشریف لائے تو علاوہ عام مجلس کے جو بعد ظہر ہوتی تھی بعد فجر، بعد عصر اور بعد مغرب بھی مکان کے اندر بلا لیتے اور فرماتے کہ میں چاہتا ہوں کہ جو مفید باتیں مجھے معلوم ہیں وہ مخاطبین صحیح کے کانوں میں ڈال دوں، مجھ کو تو خیر توفیق عمل کی نہ ہوئی۔ دوسرے ہی عمل کر کے ان سے فائدہ اٹھا سکیں۔ یہ بھی فرماتے کہ میرا زیادہ احسان بھی نہیں کیونکہ اس میں میرا مطلب ہے۔

وہ یہ کہ میرا وقت احباب سے باتیں کرنے میں کٹ جاتا ہے ورنہ بیماری میں بیکار پڑا رہتا ہوں۔ جناب مولانا محمد سلیمان صاحب ندوی باوجود قصد کے حاضری سے بچند وجوہ قاصر رہے اور بعد کو حاضر ہونے کی اطلاع دی، جب نافع نافع تقریریں فرماتے تو جوش افاضہ میں مولانا سید سلیمان صاحب کو یاد فرماتے فرماتے کہ وہ بھی ابھی ساتھ ہی آجاتے تو مجھ کو مقرر زحمت نہ ہوتی اور مزید تعب سے بچ جاتا چنانچہ جب بعد کو سید صاحب حاضر ہوئے تو حضرت پر غنودگی طاری رہنے لگی اور استماع ملفوظات سے محروم رہے۔ اور حضرت کا افسوس صحیح ہوگیا وفات سے صرف ایک روز پہلے بھی قریب عصر باوجود انتہائی نقاہت کے ملفوظات کا سلسلہ شروع فرمادیا گو آواز بھی مشکل سے نکلتی تھی اور تقریر نہایت آہستہ آہستہ رفتار سے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر زبان فیض ترجمان سے صادر ہو رہی تھی صرف ایک مضمون یاد رہ گیا، بعض اعزہ کا ذکر فرما کر فرمایا کہ میں تو خدا سے چاہتا ہوں کہ میرے اعزہ مجھ سے لاکھوں درجے بڑھ جائیں

؎ افسوس صد افسوس کہ حضرت خواجہ صاحب کی وفات سے اب یہ موقع بھی جاتا رہا خدا کرے کہ کسی اور بندہ کو توفیق ہو۔ ۱۲۔ محمد شفیع

مگر افسوس ہے کہ اب تک کوئی بڑھا نہیں۔ پھر اسی طرح ٹکڑے کر کر کے فرمایا کہ میں نے ہمیشہ اپنے کو مواشی سے بھی بدتر اور کمتر سمجھا لیکن حضرت حاجی صاحبؒ کی جوتیوں کی برکت سے مجھے اول یوم ہی وہ بات نصیب ہوگئی کہ حضرت نے ایک ایسی بشارت دی جس کو میں نے اس لیے کبھی ظاہر نہیں کیا کہ گالیاں پڑیں گی۔ بڑے بڑے اکابر کا نام لیکر فرمایا جن کی جوتیوں کی خاک کے برابر بھی میں اپنے آپ کو نہیں سمجھتا کہ یہ اب ان سے بھی بڑھ چلے ہیں میں نے ہمیشہ اس کو آئندہ کے لیے بشارت سمجھا کیونکہ اب تک تو اس قابل میری حالت کبھی ہوئی نہیں۔ اھ

ویسے تو بعد کو بھی مختصر ارشادات نافعہ موقع بموقع فرماتے رہے لیکن منقولہ بالا ملفوظ مسلسل ملفوظ کی صورت میں اور ملفوظ کی شان کا بالکل آخری ملفوظ جس میں جوش و اثر وغیرہ تو سب کچھ بالکل صحت ہی کی حالت کا سا تھا ہاں روانی بوجہ غایت ضعف نہ تھی۔ فقرہ فقرہ رُک رُک کر فرما رہے تھے مگر الفاظ تھے کہ جوش سے پرُ اور مضامین تھے کہ اثر سے لبریز تھے۔ اور دل میں گھر کرتے چلے جا رہے تھے۔ اس آخری ملفوظ کے بعد اب حالات یوم وفات جو اس ملفوظ کے اگلے روز مغرب کے وقت شروع ہوگیا تھا لکھنا شروع کرتا ہوں گو بہت سے اور حالات بھی اس کے قبل کے یاد آتے چلے جا رہے ہیں لیکن کہاں تک لکھوں اور کیا کیا لکھوں۔

ع حسن ایں قصہ عشق ست در دفتر نمی گنجد

ع بمیر و تشنہ مستسقی و دریا ہمچناں باقی

اب ان سب سے بہ تکلف ذہن کو ہٹائے لیتا ہوں اور بجبر آمد کو روک لیتا ہوں۔

حالات یوم وفات

(۱۶۔ رجب المرجب ۱۳۶۲ھ مطابق ۲۰ جولائی ۱۹۴۳ء یوم سہ شنبہ وقت عشاء)

یکشنبہ کا دن گزر کر جو دوشنبہ کی رات آئی اس میں کوئی خاص تغیر نہیں پیش آیا۔ اجابتیں بدستور قبض کے ساتھ متعدد بار ہوئیں اور غنودگی بھی طاری رہی لیکن دوشنبہ کی صبح کو کھل کر اجابت ہوئی جس پر حضرت اقدسؒ نے اطمینان کے لہجہ میں فرمایا کہ آج اس وقت تفتیح کے ساتھ اجابت ہوگئی ہے جس سے تکدر جو رُک رُک کر اجابتیں ہونے سے طبیعت میں تھا جاتا رہا اور ورم بھی جو دستوں کے دورہ کے بعد سے بہت کم ہوگیا تھا وہ بھی آخری دن بالکل اتر گیا۔ اور اس

وقت یہ معلوم ہوا کہ سارا بدن صرف ہڈیوں کا ایک ڈھانچہ ہے اور کچھ بھی نہیں۔ تفتیح کے ساتھ اجابت ہو جانے سے اور تکدر طبع اور ورم کے دور ہو جانے سے جو سب کو مسرت اور اطمینان ہوا تھا وہ تھوڑی دیر بعد مبدل بہ پریشانی ہو گیا کیونکہ پھر جو بڑے بڑے دستوں کا سلسلہ شروع ہوا اس نے تمام اجزائے بدنیہ کو گھلا گھلا کر باہر نکال دیا لیکن باوجود ضعف وانحطاط کے حضرت پر جو تکدار اور غنودگی کا عالم طاری رہتا تھا وہ بالکل جاتا رہا اور جب بعد ظہر حضرت اقدسؒ کو حکیم عبدالمجید صاحب لکھنوی دیکھنے آئے اور حضرتؒ نے خود نہایت تسلسل اور انشراح وقوت لہجہ کے ساتھ اپنے حالات بیان فرمائے تو انہوں نے اظہار اطمینان فرمایا کہ یہ دست حضرت کے لیے نافع ثابت ہوئے، غنودگی بالکل نہیں رہی، دماغ کھل گیا اور کلام بالکل مسلسل ہے، نبض میں بھی بجائے ضعف کے قوت پیدا ہو گئی۔ اور واقعی حضرت اقدسؒ کافی دیر تک حکیم صاحب سے بھی اور ہم خدام سے بھی مرض وعلاج کے متعلق مثل تندرستوں کے گفتگو فرماتے رہے، احقر سے فرمایا کہ سارے علاج کر لئے کسی سے نفع نہ ہوا بلکہ روز بروز انحطاط ہو رہا ہے، اب کیا صورت اختیار کی جائے۔ احقر نے عرض کیا کہ اب صرف دلّی کا علاج باقی رہ گیا ہے لیکن ان دستوں اور اس ضعف کی حالت میں تو سفر ممکن نہیں، غرض اسی قسم کی گفتگو ہوتی رہی اسی سلسلہ میں یا اس سے قبل حضرت اقدسؒ نے دواؤں کی مقدار اور مرت کے متعلق بھی شکایت کی اور یہ شکایت حضرت اقدس کو ہمیشہ رہی اور طبیبوں سے یہی فرمائش کرتے رہے کہ مقدار اور مرات میں کمی کی جائے، چنانچہ طبیب خاص جناب حکیم محمد سعید صاحب گنگوہی سے دوبارہ رجوع کرتے وقت یہ شرائط لکھ کر دے دیں

"نمبر ا۔ دوا دن میں دو بار سے زیادہ نہ ہو، (۲) مقدار زیادہ نہ ہو (۳) قوام ایسا نہ ہو کہ کھانا پڑے یا تو نگلنے کی ہو یا پینے کی یعنی حبوب ہوں یا مشروب ہو یہ تین شرطیں دوا کے بشع ہونے میں ہیں۔ (۴) غذا میں اتنی وسعت ہو کہ اول ادل بدل ہوتا رہے۔ باقی دوا کی ناگواری پرہیز کا زیادہ اہتمام یہ ثقیل نہیں اور اگر یہ رعایتیں ممکن نہ ہوں تو مجھ کو وجداناً مرض سہل معلوم ہوتا ہے تدبیر کی صعوبت سے۔ والسلام طبیب بھی سب کوشش کر کر کے اور سوچ سوچ کر دواؤں کی کمیت اور کیفیت کو خوشگوار بناتے لیکن حضرت اقدسؒ اس درجہ لطیف المزاج اور

نازک طبع تھے کہ پھر بھی اذیت ہوتی اور اس درجہ کو ناقابل برداشت۔ کھرل میں خوب سحق کر کے سفوف تیار کئے جاتے اور شربتوں میں ملا ملا کر پیش کئے جاتے لیکن وہ بھی حلق میں اٹکتے اور کبھی متلی پیدا کرتے، کبھی فوری تقاضا اجابت کا ہوتا اور یہ تو اکثر ہوتا کہ جہاں ذراسی دوا یا کوئی کتنی ہی خفیف ولطیف چیز پیٹ میں پہنچی اور فوراً اجابت کا تقاضا ہوا، بعض ایسے خاص مواقع پر احقر کو مخاطب کر کے فرماتے کہ دیکھئے خواجہ صاحب طبیعت کے ضعف کی یہ تو حالت ہے اور پھر یہ لوگ کہتے ہیں کہ سخت مزاج ہے میں کیا کروں، اللہ تعالیٰ نے طبیعت ہی ایسی بنائی ہے کہ ذراسی بے ڈھنگی بات کا مجھ پر اتنا اثر ہوتا ہے کہ دوسرے کی سمجھ میں نہیں آ سکتا۔ بعض اوقات تو فرمادیا کرتے تھے کہ میں اول تو بہت صبر کرتا ہوں جب کسی طرح تحمل نہیں ہوتا اس وقت اپنی اذیت کا اظہار کرتا ہوں، لوگ تو سمجھتے ہیں کہ متحمل مزاج نہیں اور میں کہتا ہوں کہ میں سید الصابرین ہوں۔ حضرت اقدس کی خدمت میں کچھ عرصہ احقر کا رات کو بھی رہنا ہوتا تھا، اس وقت اندازہ ہوا کہ واقعی حضرت کو ذراسی اذیت کا بے حد اثر ہوتا تھا، یہاں تک کہ اگر بستر میں ذراسی شکن بھی پڑ جاتی تو فوراً پیروں سے محسوس فرمالیتے اور اس طرح سسکیاں بھرنے لگتے جیسے کوئی کانٹا چبھ رہا ہوں۔ ایک بار فرمایا مجھے شکن ایسی محسوس ہوتی ہے جیسے کسی نے لکڑی اڑا کے رکھ دی ہو۔ ایک بار مزاحاً فرمایا کہ تانا شاہ تو نازک مزاج تھا ہی لیکن میں بھی بانا شاہ ہوں اور بانا تانا سے افضل ہوتا ہے کیونکہ کپڑا کپڑا اسی سے ہوتا ہے۔ کاغذ الٹنے میں جو خفیف سی آواز ہوتی ہے وہ بھی کانوں کو اتنی ثقیل ہوتی کہ پریشان ہو کر رہ جاتے اور فوراً منع فرماتے۔ احقر کی جیب میں چمڑا کا بٹوہ رہتا ہے جھکنے میں چرمُر کی آواز ہوتی تو اس سے بھی پریشان ہو جاتے یہاں تک کہ میں جیب سے نکال کر اور اس کو الگ رکھ کر خدمت میں بیٹھتا۔

غرض دوائیں حضرت کو بیحد تکلیف دہ تھیں اور فرماتے تھے کہ جب دوا سامنے آتی ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے پھانسی پر چڑھنا ہے، اسی طرح پرہیز کا تحمل نہ تھا اکثر طبیب پرہیز سختی کے ساتھ کراتے تھے کیونکہ مرض ہی سخت تھا اور حضرت کی یہ حالت تھی کہ نامرغوب غذا کسی طرح کھا ہی نہ سکتے تھے حلق میں سے نہ اترتی چاہے جتنے فاقے ہو جاتے۔ بالکل طبیبوں کو مجبور ہو کر توسیع کرنا پڑتی۔ دوا اور پرہیز کی سختی کے متعلق ایک بار جھنجھلا کر فرمایا کہ میں اگر

طبیب ہوتا تو میں تو خصوصیت مزاج کی بنیاد پر اجتہاد کرتا اور سہولتیں پیدا کرتا چنانچہ جس فن کو میں جانتا ہوں (یعنی تصوف) اس میں آپ جانتے ہیں کہ میں نے خصوصیات طبائع کے لحاظ سے کیسی کیسی سہولتیں اپنے اجتہاد سے پیدا کر دی ہیں اور وہ کس قدر نافع ثابت ہوئی ہیں۔

آخری روز بھی اسی قسم کی شکایت فرمائی اور دوا پینے سے گریز فرمایا تو احقر نے جرأت کر کے عرض کیا کہ حکیم صاحب کو خود اس کا بہت اہتمام ہے کہ جہاں تک ہو سکے لطافت کی رعایت رکھی جائے لیکن وہ دوا کو غیر دوا تو بنا سکتے نہیں پھر ذرا تفصیل کے ساتھ احقر نے داوؤں کے پینے کی ضرورت گفتگو کی سن کر فرمایا کہ اس سب کا جواب یہ ہے (ع) پر طبیعت ادھر نہیں آتی۔ غرض اس روز کی اس قسم کی گفتگو سے سب کو افاقہ کا دھوکہ ہوا جیسا کہ اس سے پہلے بھی اکثر یہی دھوکہ ہوتا رہا لیکن صبح سے حضرت اقدس یہ فرما رہے تھے کہ آج تو ہاتھ پیروں سے جان ہی نکل گئی ہے، ایک روز پہلے بائیں پاؤں کے پنجے پر ورم تحلیل ہو جانے کے بعد سخت ٹیسیں ہونے لگی ہیں، پھر ظہر کے بعد سوتنفس پیدا ہو گیا کیونکہ اس قسم کی شکایت پہلے بھی کئی بار ہو چکی تھی احقر سمجھا کہ ویسے ہی شکایت ہے جو جاتی رہے گی یہ خبر نہ تھی کہ دم کھڑ گیا ہے او یہ پیش خیمہ ہے سفر آخرت کا۔ حضرت نے بھی احقر کے عرض کرنے پر اس قسم کی شکایت پہلے بھی ہو چکی ان شاء اللہ جاتی رہے گی۔ فرمایا کہ اتنی شدید تکلیف مجھے عمر بھر نہیں ہوئی اور بجائے کراہنے کے لفظ اللہ اس انداز سے کہا کہ مجھے سخت تشویش ہو گئی کہ بہت تکلیف ہے گو بظاہر گھبراہٹ کے آثار نہیں پائے جاتے تھے اور اسی وقت کیا تمام بیماری میں آخر تک سراسیمگی یا بیتابی کسی وقت طاری نہیں ہوتی ہر حال میں کوہِ استقلال بنے رہے، صرف زبان سے بضرورت علاج تکلیفوں کا اظہار فرماتے رہے۔ اتنی شدید و مدید علالت کی ساری تکالیف کو مردانہ وار نہایت صبر و سکون سے برداشت فرماتے رہے۔ نیز کبھی آرام کا پہلو اختیار نہ فرمایا۔ عمر بھر طالب علمانہ انداز پر سارا سامان راحت ہوتے ہوئے بھی مشقت کی زندگی بسر فرمائی خود فرمایا کرتے تھے کہ میں نازک مزاج تو ہوں لیکن الحمدللہ نازک بدن نہیں۔ بجز قیلولہ کے وقت کے دن بھر تخت پر نشست رکھتے تھے اور تخت پر بھی طولاً نہیں بلکہ عرضاً جس کی وجہ سے پاؤں بھی نہ پھیلا سکتے تھے، طبیبوں اور خادموں کے عرض

کرنے پر فرمادیتے کہ چارپائی پر بیٹھنے میں آرام نہیں ملتا اور آخر بیماری میں تو بہت کم احقر نے پاؤں پھیلائے ہوئے دیکھا اکثر پاؤں سکیڑتے ہوئے رہتے اور چت لیٹے ہوئے بھی پاؤں سکیڑے اور کھڑے رہتے۔ اور بار بار نیند کے جھونکوں میں گر گر پڑتے شب کو بھی گاؤ تکیہ لگا کر سوتے جس میں سر اونچا رہتا۔ ہم جیسوں کو تو اس ہیبت سے نیند بھی نہ آوے اور دیر دیر تک گاؤ تکیہ پر صرف پیٹھ کا سہارا رہتا اور سر تکیہ سے اونچا اوپر کو اٹھا رہتا اور غنودگی میں پیچھے کو گر گر پڑتا، نیز قبل سونے کے دیر دیر تک اونگا کرتے۔ یہ عرض کرنے پر کہ آرام سے سوئیں فرماتے کہ نہیں اسی میں بڑا مزہ ہے دیگر آرام کے طریقے اختیار فرمانے کے لیے عرض کیا جاتا تو فرماتے کہ مشقت ہی کی عادت اچھی ہوتی ہے۔ زیادہ آرام کی عادت ٹھیک نہیں ورنہ بعد کو تکلیف ہوتی ہے۔ بائیں ہاتھ کی کہنی میں بہت بڑا داغ پڑ گیا تھا اور کھال سخت ہو گئی تھی کیونکہ طالب علمی کے زمانہ سے برابر کہنی زمین پر ٹیک کر لکھنے کی عادت رہی۔ جب گھر کے برآمدہ میں دھوپ بالکل پلنگ کے قریب آجاتی تو عرض کیا جاتا کہ پلنگ کو سرکا لیا جائے اس پر فرماتے کہ اب تو دھوپ جارہی ہے گرمی کی شدت میں عرض کیا گیا کہ بجائے برآمدہ کے اندر کمرہ میں رہا جائے تو فرمایا کہ اب تو برسات آرہی ہے۔ غرض برآمدہ میں گرمی جاڑا، برسات سب موسم کاٹ دیتے۔ حالانکہ طبیعت ایسی حساس تھی کہ موسم کا ذرا سا تغیر بھی اثر کرنے لگتا تھا۔ آخر میں چونکہ حرارت عزیزیہ بہت کم ہو گئی تھی سخت گرمی میں بھی گرمی محسوس نہ ہوتی تھی بلکہ چادرہ اوڑھے رہتے تھے حالانکہ کچھ دن پہلے حرارت عزیزہ اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ احقر کو پیٹھ ملتے وقت محسوس ہوتا تھا کہ تیز بخار چڑھا ہوا ہے، سامان سب بالکل سادہ رکھتے لوگ بڑھیا سے بڑھیا چیزیں پیش کرتے مگر اکثر و بیشتر خود استعمال نہ فرماتے تھے۔ گاڑھے کی چادر جو بستر پر تھی اس کو احقر نے اپنی چادر سے بدلنا چاہا تو فرمایا نہیں یہ خوب گرم رہتی ہے، ایک بار ایک بڑھیا قالین پیش کیا تو نہ لیا فرمایا کہ میں اپنی مجلس کو بارعب بنانا نہیں چاہتا تا کہ سب کی ہمت پڑ سکے۔ پھر یہ بھی ہے کہ اس کی حفاظت کرنے پڑے گی کہ دھبہ وغیرہ نہ پڑے بجائے خادم ہونے کے مخدوم ہو جائے گا۔ غرض ہمیشہ طالب علمانہ زندگی بسر فرمائی اور برابر کام ہی میں مشغول رہے جب دیکھا کسی نہ کسی کام میں

مشغول دیکھا۔ گویا زبان حال سے یہ کہتے تھے ع من از برائے محنت و محنت برائے من۔

پھر علاوہ دماغی اور جسمانی مشقت کے طبی کوفت بھی ہمیشہ رہی کیونکہ بوجہ لطافت طبع رات دن لوگوں کی حرکتوں سے سخت سخت ایذائیں ہی پہنچتی رہیں جن کے متعلق ایک بار فرمایا کہ علاوہ مرض کے ان غموم و ہموم نے بھی مجھے بیمار بنا رکھا ہے اللہ تعالیٰ اب راحت کاملہ دائمہ نصیب فرمائے آمین۔ باوجود اس طبعی کوفت کے روحی انشراح میں کبھی فرق نہ آیا بلکہ ایک بار کسی ناگوار بات پر غصہ آیا اور احقر نے ضعف و مرض کی بناء پر اظہار تردد کیا تو بطور تسلی کے فرمایا کہ نہیں اس قسم کی باتوں سے کسل دور ہو کر کند طبیعت تیز ہو جاتی ہے اور اس میں جودت پیدا ہو کر انشراح ہو جاتا ہے تو آخر وقت تک محسوس ہوتا رہا گو ہنسی اور مزاح آخر میں بالکل موقوف ہو گیا تھا لیکن طبیعت جودت ویسی ہی تھی، تین دن پہلے اس معافی پر جس کا ذکر اوپر آچکا ہے حضرت کے ایک خادم نے مسرت و امتنان کا عریضہ لکھا تو اسی وقت جواب میں یہ مصرعہ بنا کر لکھا (ع) رحمتش را ہیچ علت شرط نیست + اس کے بعد جو عبارت لکھی وہ پڑھی نہ گئی کیونکہ انگلیاں اس وقت چلتی نہ تھیں، اور غالباً یہ آخری تحریر تھی گو عین وفات کے دن بھی قلمدان منگوا کر دستخط منی آرڈروں پر کرنے چاہے مگر جب لیٹے ہونے کی وجہ سے قلم کی سیاہی نیچے ہو گئی اور دستخط نہ ہو سکے تو ایک عزیز سے دستخط کروا دیئے آخری حالت میں بھی خود کام کرنے کا جذبہ اسی قدر قوی تھا۔ انشراح کی تو یہ کیفیت آخر تک رہی کہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر کوئی بڑے میاں کہہ دیتا ہے تو برا معلوم ہوتا ہے کہ میں ابھی بوڑھا کہاں ہوا ہوں میں تو ابھی اپنے کو بالکل جوان محسوس کرتا ہوں پھر سوچتا ہوں بیچارہ سچ تو کہتا ہے اگر اس عمر میں بوڑھا نہ ہوگا تو اور کب ہوں گا۔ ابھی تک کیا جوان ہی دھرا ہوں اور واقعی حضرت والا میں جوش و خروش دینی آخر وقت تک بوجہ قوت روحانی ویسا ہی رہا بلکہ بڑھتا ہی گیا۔ بمصداق ؎

خود قوی تر میشود خمر کہن　　خاصہ آں خمرے کہ باشد من لدن

ایک بار بعض اعزہ نے یہ خیال کر کے کہ گھر میں علاوہ شور و غل کے ہر طرح کی باتیں سننے میں آتی ہیں اور حضرت چونکہ فطرتاً نہایت مدقق تھے ہر بات میں تدقیق فرماتے اور وہ حضرت کے معیار تدقیق کے مطابق سارے پہلوؤں کو حاوی نہ ہوتی تو اس سے الجھن ہوتی

بلکہ بعض اوقات سننے والوں کو بھی خود اس تدقیق ہی سے الجھن ہوتی اور ممکن ہے کہ بفحوائے انتم اعلم بامور دنیاکم بعضوں کو یہ تدقیق ضروری بھی نہ معلوم ہوتی ہو لیکن جس کو حق تعالیٰ جس قسم کے کام کے لیے پیدا فرماتا ہے اس کے اندر اسی قسم کا مادہ بھی فطرتاً رکھ دیتا ہے پھر چونکہ ایک شخص کے اندر بمصلحت خدمت خاص ایک مادہ فطرتاً ودیعت فرما دیا گیا ہے اس کا ظہور عام صورت ہی سے ہوگا۔ مثلاً حضرت اقدس میں فطرۃً تدقیق کا مادہ نہ ہوتا تو وہ ہزارہا دقائق علمیہ وعملیہ، دینیہ جن کو حضرت اقدسؒ منظر عام پر لے آئے ہیں بلا اس مادہ کے تھوڑا ہی لا سکتے تھے اور جب فطرۃً ہی میں یہ مادہ تھا تو اس کا ظہور علاوہ امور دینیہ کے امور دینویہ میں بھی ہونا لازم تھا چنانچہ گھر کی بعض بعض چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھی حضرت اقدس دخل دیتے اور حقیقت کے لحاظ سے وہ معقول دخل ہوتا چنانچہ اس کی تفصیل سن کر قائل ہونا پڑتا مگر اس سے خواہ مخواہ حضرت کو الجھن اور تعب ہوتا اس سے بچانے کے لیے یہ تجویز ذہنوں میں آئی کہ بجائے زنانخانے کے مردانہ مکان میں جو زنانہ مکان کے متصل ہی ہے حضرت اقدس کو رکھا جاوے اس تجویز کو سنتے ہی فرمایا لاحول ولاقوۃ لوگوں نے مجھے بتاشا ہی سمجھ لیا ہے افسوس احباب نے بھی مجھے نہ پہچانا۔

ہر کسے از ظن خود شد یار من   وز درون من نجست اسرار من

اور یہ تو اکثر فرماتے رہتے تھے بلکہ جو آخری ملفوظ ایک دن قبل فرمایا تھا اس میں بھی بظن غالب یہی فرمایا تھا اور واقعی حضرت اقدس کی شان ہی ایسی دقیق تھی کہ وہاں تک نظر کا پہنچنا بھی بہت مشکل تھا۔ چنانچہ وفات سے کچھ روز ہی قبل ایک طالب کو جو امتیازی خصوصیت خواہاں تھے بواسطہ احقر تنبیہ فرمائی کہ اپنے کو بالکل ہٹا کر رکھنا چاہیے پھر فرمایا کہ گو اپنی مثال دینا برا ہے لیکن کیا کروں بضرورت کہتا ہوں کہ آپ مجھ کو نہیں دیکھتے کہ میری کسی حالت سے بھی یہ پتہ چلتا ہے کہ مجھے درویشی سے کچھ بھی تعلق ہے حالانکہ جو اتنے لوگ میری طرف رجوع کرتے ہیں تو آخر وہ کچھ تو مجھے سمجھتے ہی ہوں گے بس زیادہ سے زیادہ دیکھنے والوں کو یہ خیال ہو سکتا ہے کہ ایک پڑھا لکھا، ایک عاقل، ایک مدبر، ایک منتظم، ایک فلسفی شخص ہے درویشی سے تو دور کا تعلق بھی دیکھنے والوں کو نہیں معلوم ہوتا بس اسی طرح کیوں نہ رہا جائے۔ اھ

ایک بار عرصہ ہوا احقر سے بھی فرمایا کہ طریق میں داخل ہو کر اپنے حالات میں تغیر کرنا ضروری ہے لیکن رفتہ رفتہ اور اس طور پر کہ کسی کو پتہ نہ چلے کوئی ایسی امتیازی صورت نہ اختیار کرے کہ لوگوں کی خواہ مخواہ نظریں اُٹھنے لگیں اور خواہ مخواہ بزرگ سمجھنے لگیں۔ واقعی حضرت کا پہچاننا بہت ہی مشکل تھا اور ہر شخص کا کام نہ تھا۔ بقول احقر ؎

لا ادھر جام کہ نااہل ہیں منکر ساقی   درخور ہر کس و ناکس ترا پیمانہ نہیں

بلکہ جن لوگوں کو سمجھا جاتا ہے کہ انہوں نے پہچانا واللہ انہوں نے کما حقہ نہیں پہچانا جیسا کہ خود حضرت اقدس کا ارشاد مع اس شعر کے ؎ ہر کسے از ظن خود شد یار من + وز درون من جست اسرار من، اوپر نقل کیا گیا جس کو موقع بموقع دہرایا کرتے تھے، اس پر احقر کو اپنا ایک شعر یاد آ گیا۔ ؎

بہت کچھ ان کو جو سمجھے ہیں وہ بھی کیا سمجھتے ہیں   کوئی ان کو سمجھ سکتا نہیں اتنا سمجھتے ہیں

کیوں نہ ہو کاملین کا پہچاننا بہت مشکل ہوتا ہے کیونکہ بوجہ تمکین تام ان کی حالت عوام کی سی ہو جاتی ہے۔ حسب ارشاد حضرت اقدسؒ خلوت و چلہ برو لازم نماند + انہیں حضور کی دائم کی ہر وقت کیفیت حاصل رہتی ہے اور جب بضرورت تبلیغ مخلوق کی جانب متوجہ ہونا پڑتا ہے تو اس وقت بھی ان کی نظر بواسطہ حق تعالیٰ ہی کی طرف رہتی ہے اور توجہ الی المخلوق توجہ الی الخالق کی مانع نہیں ہوتی جیسے آئینہ میں محبوب کی شکل نظر آ رہی ہو تو گو آئینہ کا شیشہ اور چوکھٹا بھی پیش نظر ہوتا ہے لیکن کسی عاشق کی ٹکٹکی محبوب کے عکس ہی پر بندھی رہتی ہے، نیز کاملوں کی نظر زیادہ تر قلب کی نگہداشت کی طرف رہتی ہے کہ وہ غافل نہ ہونے پائے۔ غرض کاملین کا پہچاننا بہت مشکل ہوتا ہے اور بالخصوص ایسے وارث الانبیاء بزرگ کا پہچاننا تو بہت ہی مشکل ہے جو سچا وارث ہے اس سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا جس کی شان میں لوگ یہ کہتے ہیں **مالھذا الرسول یا کل الطعام و یمشی فی الاسواق** جو اس کا نمونہ ہو **لاتلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ** جو اس کا مصداق ہو **واذکر ربک فی نفسک تضرعاً و خیفۃ ودون الجھر من القول بالغدو والآصال** جس کی یہ حالت ہو۔ دل بیار دست بکار، جو باہمہ بھی ہو بے ہمہ بھی ہو جس کو ہر وقت باطنی مقام شہود حاصل ہو اور ظاہری اشغال مانع مشاہدہ نہ ہوں جس کا یہ حال ہو۔ ؎

تو اے افسردہ دل زاہد یکے در بزم رنداں شو ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ کہ بینی خندہ برلبہا و آتشپارہ در دلہا

جس نے ہزاروں کو تو ذاکر و شاغل اور عابد و زاہد بنادیا لیکن خود قلندرانہ مشرب رکھتا ہو یعنی بظاہر نہ زیادہ ذکر کرتا ہے نظر آتا ہو، نہ زیادہ عبادت بلکہ ہر وقت کسی نہ کسی شغل ظاہری میں منہمک دکھائی دیتا ہو کبھی تصنیف ہو رہی ہے، کبھی خطوط لکھے جارہے ہیں کبھی کسی سے علمی گفتگو ہو رہی ہے، کبھی ملفوظات ہو رہے ہیں، کبھی مزاح ہو رہا ہے، کبھی کسی سے داد و گیر ہو رہی ہے، کبھی کسی پر زجر و توبیخ ہو رہی ہے، کبھی امانتوں کی تھیلیاں سامنے رکھی ہیں اور ان کا جائزہ لیا جارہا ہے، کبھی شیشیاں سامنے رکھی ہوئی ہیں اور ان پر چٹیں لگائی جارہی ہیں، کبھی چیزیں الٹ پلٹ کی جارہی ہیں اور ان کو مرتب کر کے رکھا جارہا ہے۔ حافظہ اس غضب کا ہے کہ ہاتھ ان کاموں میں مشغول ہیں بلکہ دماغ بھی وقت تصنیف مضامین دقیقہ کی طرف متوجہ ہے اور زبان سے منزل کی تلاوت بھی ہو رہی ہے۔ ان سارے ظاہری اشغال کو تو سب دیکھ رہے ہیں اور باطن کی کسی کو خبر نہیں کہ کیا ہو رہا ہے، دل کو ہر وقت کسی کی دھن لگی ہوئی ہے اور باطنی اعمال کیا کیا ہو رہے ہیں اور ان سے کیا کیا ترقیات ہو رہی ہیں۔ چنانچہ خود فرمایا کہ قلندروں کی ظاہری اعمال تو زیادہ نہیں ہوتے لیکن باطنی اعمال میں وہ بہت زیادہ بڑھے ہوتے ہیں جن کا درجہ ظاہری اعمال سے کہیں زیادہ ہے کیونکہ حوادث تو رات دن واقع ہوتے رہتے ہیں اور ان کا قلب ہر حادثہ کے وقت ایک معاملہ حق تعالیٰ کے ساتھ کرتا ہے جو ایک عمل باطنی ہے اور جس کی خبر بھی دوسروں کو نہیں ہوتی حالانکہ وہ برابر اعمال باطنہ میں مشغول ہیں اور ترقی کر رہے ہیں بمصداق اس شعر کے جو صرف نقشبندیہ ہی پر نہیں بلکہ سب کاملین پر صادق آتا ہے۔

نقشبندیہ عجیب قافلہ سالار انند ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ کہ برنداز رہ پنہاں بحرم قافلہ را

گو میں مقصود سے بہت دور ہوتا چلا جارہا ہوں لیکن اس موقع پر حضرت اقدس کے بعض اعمال باطنہ کا ضرور ذکر کروں گا جن کو اگر حضرت خود اتفاقاً ذکر نہ فرمادیتے تو ہم جیسے بے بصروں کو کبھی ان کا پتہ بھی نہ چلتا۔

سب سے اعلیٰ اور سب سے ارفع عمل باطنی تو کیفیت فنا و عبدیت تھی جو ہر وقت حضرت پر نہایت شدت کے ساتھ طاری رہتی تھی اور جس کے اثر سے متاثر ہو کر حضرت بارہا

یہاں تک فرمادیا کرتے تھے کہ میں تو اپنے کو کتوں اور سوروں سے بھی بدتر سمجھتا ہوں ، اگر کسی کو یقین نہ ہو تو میں اس پر حلف اٹھا سکتا ہوں ۔اھ۔ اللہ اکبر کیا ٹھکانا ہے تواضع کا، حقیقی تواضع اس کو کہتے ہیں اور واقعی جس پر اللہ تعالیٰ کی عظمت کا انکشاف ہو چکا ہو اس کی یہ کیفیت نہ ہوگی تو اور کیا ہوگی۔ چنانچہ ایک بار ایک صاحب نے اپنے خط میں کسی مضمون کے ضمن میں یہ مصرعہ لکھ دیا (ع) او بنازے **عجبے** من بنیازے **عجبے** ۔اس پر تحریر فرمایا کہ اس مصرعہ نے مجھے سر سے پاؤں تک ہلا دیا کیا مجھے یہ پوری غزل مل سکتی ہے۔اھ۔اس واقعہ سے اندازہ کرلیا جائے کہ حضرت اقدسؒ پر حق تعالیٰ کی عظمت اور اپنی عبدیت کا کس درجہ انکشاف تھا ، جبھی تو اس مصرعہ نے ''او بنازئے **عجبے** من بہ نیازے **عجبے**'' جو دونوں کیفیتوں کا جامع ہے حضرت پر اس درجہ اثر کیا۔

اور لیجئے اس سے بڑھ کر واقعہ اس کے ثبوت میں سنیے۔ایک بار احقر سے بطور راز کے فرمایا اور اس اہتمام اخفا کیساتھ فرمایا کہ گو اپنا حال ظاہر کرنا مناسب نہیں لیکن آپ سے کیا پردہ، اس شرط سے کہتا ہوں کہ میری حیات میں کسی سے ظاہر نہ کیا جائے وہ یہ کہ پہلے الحمدللہ شرعاً تو اطمینان تھا لیکن وجداناً یہ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم باوجود انکشاف عظمت خداوندی کے اور انکشاف امور آخرت کے اور انتہا درجہ کی ہیبت وخشیت کے پھر بھی اپنے اصحاب میں ہنس بول کیسے لیتے تھے۔اپنے ازواج میں اُٹھ بیٹھ کیسے لیتے تھے، گھر کے کام کاج کیسے کر لیتے تھے، کھا پی کیسے لیتے تھے، لیٹ کیسے لیتے تھے۔ مگر اب الحمدللہ وجداناً بھی سمجھ میں آنے لگا ہے کہ ہاں ایسا ہوسکتا ہے دونوں باتیں جمع ہوسکتی ہیں۔اس حال خاص الخاص کا ارفع سے بھی ارفع ہونا ظاہر ہے۔ جب صوبہ بہار میں زلزلہ نہایت دردناک حوادث رونما ہوئے تو ان کے حالات سن سن کر حضرت اقدسؒ جو ایک نہایت حساس اور رقیق وشفیق قلب پہلو میں رکھتے تھے (یہاں تک کہ ایک زمانہ میں عرصہ تک جانوروں تک کے لیے دعا مانگتے رہے۔پھر کہیں نصوص میں تصریح نہ ہونے کی بنا پر چھوڑ دی) بہت ہی کڑھتے مگر ساتھ ہی فرماتے کہ زیادہ کڑھتے ہوئے بھی ڈر لگتا ہے کہ کہیں رضا بالقضا میں کچھ فرق نہ آجائے، اگر دل نہ کڑھے تو مخلوق کے حقوق کے خلاف ہے اگر زیادہ کڑھے تو خالق کے خلاف ہے، غرض بڑے

کشاکش کا موقع ہوتا ہے کہ نہ مخلوق کی حق تلفی ہونے پائے، نہ خالق کی۔ واقعی صراط مستقیم پر جو طریق اعتدال ہے اور پلصراط کو اسی کی صورت مثالی کہا ہے، اپنے کو قائم رکھنا اور چلانا بہت ہی دشوار ہے لیکن جب بندہ اس کا اپنی طرف سے اہتمام کرتا ہے تو حق تعالیٰ اس کی ہر موقع پر اعانت فرماتے ہیں اور بڑی بڑی مشکلات بالکل آسان ہو جاتی ہے۔

اسی کے مشابہ وفات سے صرف دو چار روز قبل ہی بہ سلسلہ دیگر ملفوظات اپنا ایک واقعہ بیان فرمایا۔ فرمایا کہ یہاں تھانہ بھون میں ایک شاہ ولایت صاحب کا مزار ہے یہ حضرت خواجہ بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفا میں سے ہیں اور اہل وجدان سے معلوم ہوا کہ بہت بڑے مرتبہ کے بزرگ ہیں ان کے مزار پر عرس بھی ہوتا ہے، عرس کے موقع پر والد صاحب مرحوم بڑے اہتمام سے التزاماً کھانا پکوا کر وہاں بھجوایا کرتے تھے، پرانے لوگوں کو کھلانے پلانے کا بہت شوق تھا۔ وہاں کے مجاور کہا کرتے تھے کہ بس یہ منشی جی ہی کے دم تک ہے، ان کے بعد ان کا لڑکا بند کر دے گا۔ چنانچہ ان کی پیشین گوئی صحیح نکلی۔ والد صاحب کے انتقال کے بعد جب میرا عمل دخل ہوا تو میں نے کھانا بھیجنا موقوف کر دیا۔ کہ یہ کیا واہیات ہے اسی رات میں نے خواب دیکھا کہ ایک مقام ہے جہاں بہت سی پکی ہی پکی قبریں بنی ہوئی ہیں گویا کہ وہ جگہ ایک پوری بدعت گاہ ہے اتنے میں غیب سے ایک آواز آئی میں متوجہ ہوا تو سنا کہ یہ شعر پڑھا جا رہا ہے۔

در کارخانۂ عشق از کفر ناگریز است　　　آتش کرا بسوزد گر بولہب نباشد

لیکن کوئی پڑھنے والا نظر نہیں آتا تھا۔ غیبی آواز تھی، بس یہ خواب دیکھ کر میری آنکھ کھل گئی۔ اب یہ بہت ہی مشکل موقع تھا اور بڑے امتحان کا وقت تھا اور کوئی وقت تھا اور کوئی ہوتا پھسل جاتا اور پھر عرس میں کھانا بھیجنا شروع کر دیتا لیکن اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ایسے سخت اشکال کے وقت بھی میری دستگیری فرمائی اور دل میں اس کی تعبیر اور حقیقت یہ ڈالی کہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس فعل کے قبح تشریح سے قطع نظر کر لی جائے بلکہ مقصود اس طرف متوجہ کرنا ہے کہ قبح تشریعی کے ساتھ ساتھ اس کے حسن تکوینی پر بھی نظر چاہیے اس کو بالکل نظر انداز نہ کر دیا جائے۔ قبح تشریعی کے بنا پر کسی منکر فعل سے احتراز کرتے وقت اس کے حسن تکوینی کو بھی ذہن میں مستحضر رکھا جائے۔ نہ یہ کہ اس کے حسن تکوینی کی بناء پر اس کے قبح تشریعی سے

قطع نظر کر لے اور اس کا ارتکاب شروع کر دے پھر فرمایا کہ مولانا رُومی نے اس کے متعلق ایک سخت اشکال کا جواب نہایت سہل عنوان سے ایک شعر دے دیا ہے۔ حالانکہ شعر تنگ ہوا کرتا ہے، وہ اشکال یہ ہے کہ رضا بالقضا واجب ہے اور رضا بالکفر کفر۔ حالانکہ کفر بھی ہے اس کا جواب اس شعر میں دیا ہے۔ کفر ہم نسبت بخالق حکمت است + ور بما نسبت کنی کفر آفت است + مطلب یہ کہ کفر میں دو حیثیتیں ہیں ایک تو خلق کی اور ایک فعل کی یعنی ارتکاب کی، خلق کی حیثیت سے تو وہ حکمت ہے اور حسن ہے کیونکہ حق تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا ہے اور ارتکاب کی حیثیت سے آفت ہے اور قبیح ہے کیونکہ اس کا تعلق عبد سے ہے اور اس کو ارتکاب سے منع کیا گیا ہے تو کفر کا ارتکاب در حقیقت قضا نہیں ہے۔ بلکہ مقضی ہے، ہاں خلق قضا ہے اور رضا بالقضا واجب ہے رضا بالمقضی واجب نہیں، گویا کفر کے دو رُخ ہوئے ایک رُخ تو خالق کی طرف ہے، یعنی بندہ اپنے اختیار اور کسب سے کفر کا ارتکاب کرتا ہے اس پر رضا کفر عجیب وغریب تحقیق ہے اور واقعہ یہ ہے کہ حضرات محققین صوفیہ کرام کی نظر جہاں تک پہنچی ہے وہاں تک حکماء وفلاسفہ کی نظر پہنچی، نہ علما کی ہے۔ پھر فرمایا کہ اگر میں لکڑی غلہ کی تجارت کرتا تو کیا باتیں ذہن میں آتیں، لکڑی غلہ ہی دماغ میں بسا رہتا، ایسے مضامین کی آمد کے لیے تو اسی کی ضرورت ہے کہ قلب ودماغ کو دنیا کے سب قصوں سے فارغ رکھا جائے۔ تا بدانی ہر کرا یزداں بخواند + از ہمہ کار جہاں بیکار ماند + اس ملفوظ کے ساتھ اور بھی بہت سے مضامین علمیہ بیان فرمائے تھے اور یہی وہ ملفوظ ہیں جن کے بعد حضرت اقدسؒ نے احقر سے فرمایا تھا کہ خواجہ صاحب پھر یہ باتیں سننے میں نہیں آئیں گی۔ الخ۔ جیسا کہ بالتفصیل اوپر کسی موقع پر عرض کیا جا چکا ہے اور یہی وہ آخری ملفوظات ہیں جن کو باقاعدہ مجلس کے سامنے ارشاد فرمایا گیا تھا اور جن کو مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی نے قلمبند کر لیا تھا۔ جو آخر کتاب میں بنام ''اشرف الملفوظات فی الوفات'' ملحق کر دیئے گئے ہیں اور وہ ملفوظات اخیرہ جو وفات سے صرف ایک دن قبل فرمائے گئے تھے جن کا ذکر اوپر آ چکا ہے وہ بطور خطاب خاص کے تھے مجلس عام میں نہیں فرمائے گئے تھے۔ نہ قلمبند کئے گئے تھے ایک بار فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا مراقبہ دل میں ڈال دیا ہے کہ ظاہری یا باطنی کیسی ہی پریشانی لاحق ہو مجھے ایسے پریشانی نہیں

ہوتی کہ جس سے از جارفتہ اور بے چین ہو جاؤں وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ حاکم بھی ہیں، حاکم ہونے کی حیثیت سے اطمینان ہے کہ وہ تصرف حاکم جابر کا سا نہ ہوگا بلکہ حکمت پر مبنی ہوگا چاہے وہ حکمت ہماری سمجھ میں آوے یا نہ آوے۔اھ

سبحان اللہ یہ بھی رضا بالقضا کی کتنی مکمل فرد ہے اور کتنے اعلیٰ درجہ کا مستمر اور نافع عمل باطنی ہے۔دنیا سے بے تعلقی کا یہ عالم تھا کہ یہ کئی بار فرمایا کہ میں اپنے کو تمام عالم میں تنہا پاتا ہوں اور یہ محسوس کرتا ہوں کہ بس دنیا میں اللہ میاں ہیں اور میں ہوں اور کوئی نہیں ہے۔اھ۔ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ مجھے محبت تو اپنے سب احباب و متعلقین سے ہے لیکن ایسا تعلق کسی سے نہیں کہ دل اٹکا ہے، یہ تعلق تو بس اللہ تعالیٰ ہی سے رکھا جائے اگر توفیق ہو۔اھ

آخر میں نسیان زیادہ ہونے لگا تھا ایک بار کوئی چیز رکھ کر بھول گئے تو بہت پریشان ہوئے ایک صاحب کے بتلانے پر وہ چیز مل گئی تو فرمایا جزاک اللہ میں اب بھولنے لگا ہوں، پھر بڑے جوش سے فرمایا خیر جی اللہ کرے سب بھول جائے بس ایک کو نہ بھولے۔اھ۔ (یعنی اللہ تعالیٰ ۱۲ مؤلف) ایک بار فرمایا کہ بعض اوقات تو تعلقات سے اس قدر وحشت ہوتی ہے کہ یہ جی چاہنے لگتا ہے کہ یہ جو تعلق دونوں گھر والوں کا ہے کہاں کا جھگڑا ہے یہ بھی ختم ہو اس وقت میں بتکلف ان دونوں کی درازی عمر کی دعا مانگنے لگتا ہوں کہ کہیں میرے خیال کا خدانخواستہ ان بیچاروں پر اثر نہ ہو جائے جب رمضان کے بعد ہجوم طالبین کو ہو جاتا تو بہت سکون محسوس فرماتے اور فرماتے کہ ہجوم سے طبیعت پر بہت بوجھ ہوتا ہے ہاں یہ تو مجھے مرض ہے کہ دو چار اپنے ہم خیال احباب پاس رہیں بالکل تنہائی کو بھی جی نہیں چاہتا اور یہ تو بارہا فرمایا کرتے تھے کہ بس کام کے سامنے آتے ہی اس کی فکر سوار ہو جاتی ہے اور جی چاہتا ہے کہ جہاں تک ممکن ہو اس سے جلد فراغت ہو جائے کیونکہ میں اپنے قلب کو فارغ رکھنا چاہتا ہوں کہ اگر توفیق ہو تو قلب خدا کی یاد کے لیے آمادہ تو رہے اور آسانی سے متوجہ تو ہو سکے اور یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی الجھن ہوئی یا کوئی فضول بات کرتا ہے تو مجھے سخت جھنجھلاہٹ ہوتی ہے۔حضرت اقدسؒ کسی کام سے فارغ ہوتے ہی فوراً تسبیح سنبھالتے تھے اور بعض اوقات مزاحاً فرماتے کہ میں نے اس کا نام جال رکھا ہے کیونکہ اسی سے لوگ پھنستے

ہیں، غرض کسی وقت فارغ بیٹھنا حضرت اقدسؒ کو گوارا ہی نہ تھا بلکہ اوروں کے لیے بھی یہی پسند فرماتے تھے کہ لوگ اپنے اپنے کاموں میں لگے رہیں چاہے وہ دنیا ہی کے کام ہوں مگر فضول وقت ضائع نہ کریں۔ ایک صاحب علم اور صاحب ذوق کا تو یہ وجدان ہے کہ حضرت پر چونکہ ہیبت کا بہت غلبہ تھا اور طبیعت بے حد حساس تھی اس لئے اپنے کو ہر وقت کسی نہ کسی کام میں مشغول رکھ کر اس کیفیت ہیبت کو معتدل بنائے رکھتے تھے اور یہ مستبعد بھی نہیں کیونکہ حضرت اقدسؒ پر جو شباب میں ایک خاص کیفیت ہیبت کی طاری ہوئی تھی جس سے خودکشی تک کے خیالات پیدا ہونے لگے تھے اس سے نیز دیگر حالات سے جو تجربہ حاصل ہوا اس کی بناء پر فرمایا کرتے تھے کہ سالک کو تارک محض نہ ہونا چاہیے کچھ اشغال مباحہ بھی رکھنے چاہئیں ورنہ قلب کے بالکل خالی کر دینے کی صورت میں شیطان کو تصرف کرنے کا موقعہ مل جاتا ہے جس سے بعض اوقات سخت اندیشناک حالت ہو جاتی ہے، ہیبت کے متعلق انہیں صاحب ذوق اہل علم سے حضرت کا یہ ملفوظ بھی سنا کہ نہ یہ خیال ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے عذاب دیں گے نہ یہ خیال ہوتا ہے کہ نجات ہو جائے گی ایک عجیب حیرانی کی سی کیفیت ہے جس کو بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اس پر خود حضرت کا ایک ارشاد یاد آ گیا۔

اندریں رہ آنچہ می آید بدست   حیرت اندر حیرت اندر حیرت است

ایک اور ملفوظ بھی یاد آیا فرمایا کہ قطع نظر صفت قہر کے ایک ہیبت عظمت ذات حق کی ہوتی ہے جیسے بلاتشبیہ کوئی شیر کٹہرے میں بند ہو پھر بھی اس کی ذات میں جو ہیبت ہے اس سے خوف معلوم ہوتا ہے گو اس کا پورا اطمینان ہوتا ہے کہ وہ ایسی حالت میں حملہ آور نہیں ہو سکتا، نہ کچھ نقصان پہنچا سکتا ہے۔ اسی قسم کی ہیبت اللہ تعالیٰ کی انبیاء علیہما السلام کو ہوتی ہے کیونکہ وہ عذاب سے تو بالکل مامون ہوتے ہی ہیں ایک اور ملفوظ یاد آیا فرمایا جب کوئی متقی مرتا ہے تو یہ خیال ہوتا ہے کہ نہ معلوم کس بات میں گرفت ہو جائے اور جب کوئی غیر متقی مرتا ہے تو یہ خیال ہوتا ہے کہ نہ جانے کس بات پر مغفرت ہو جائے۔ ایک صاحب نے تنہائی کی شکایت لکھی تو فرمایا کہ انا جلیس من ذکرنی کے ہوتے ہوئے تنہائی کہاں۔ ایک مرتبہ احقر نے بوقت رخصت ہراس ظاہر کیا تو فرمایا پریشانی کی کیا بات ہے بفضلہ تعالیٰ سرمایہ تسلی ہر وقت پاس موجود ہے۔

ایک بار فرمایا کہ مبتدی کی توجہ نماز میں الفاظ کی جانب ہوتی ہے اور ہونی چاہیے اور متوسط کی معانی کی طرف لیکن منتہی کی توجہ نہ الفاظ کی طرف ہوتی ہے نہ معانی کی طرف محض ذات حق کی طرف ہوتی ہے احقر نے عرض کیا کہ معانی کی طرف توجہ تو ہر حال مقصود معلوم ہوتی ہے فرمایا کہ ذات حق کے مقابلہ میں نہیں جیسے دربار شاہی میں حاضری کے وقت خاص خاص القاب و آداب مقرر ہوتے ہیں لیکن بادشاہ کے مواجہ میں اس کی عظمت شان کی طرف ہمہ تن توجہ ہوتی ہے نہ کہ ان الفاظ اور ان کے معانی کی طرف، خیال بھی نہیں ہوتا کہ کیا منہ سے نکل رہا ہے اور اگر منتہی الفاظ یا معانی کی طرف متوجہ ہو تو اس کو تو سخت الجھن ہونے لگے۔ بارہا فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا معاملہ میرے ساتھ ایسا ہے جیسے ہر موقع پر یہ فرماتے جاتے ہوں کہ دیکھ ہم نے تیرے ساتھ یہ احسان کیا، دیکھ ہم نے تیرے اوپر یہ رحمت کی، دیکھ ہم نے تجھ کو یہ نعمت دی، بس آواز تو آتی نہیں باقی ہوتے سب معاملات ایسے ہی ہیں جیسے ساتھ کے ساتھ جتاتے بھی جارہے ہوں۔ سبحان اللہ کیا راز و نیاز ہیں۔ احقر نے اسی کو یوں نظم کیا ہے۔

تم سا کوئی ہمدم کوئی دمساز نہیں ہے ہر وقت ہیں باتیں مگر آواز نہیں ہے

آن واقعات عجیبہ اور حالات رفیعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت اقدسؒ ہر وقت اپنے قلب کی اور اپنے جذبات کی کس قدر نگرانی فرماتے رہتے تھے اور ان کو کس اہتمام سے جادہ اعتدال پر رکھتے تھے۔ چنانچہ یہ ارشاد نقل کیا جاچکا ہے کہ الحمدللہ میں کبھی اپنی طبیعت کو عقل پر اور عقل کو شریعت پر غالب نہیں آنے دیتا۔

بالکل آخر میں جب سر کنے کی بھی سکت نہ رہی تو لیٹے لیٹے تیمّم سے اور اشاروں سے نماز ادا فرمانے لگے۔ غرض کیسی ہی معذوری کی حالت اور کتنی ہی تکلیف اور زحمت بوجہ بار بار کے دستوں کے اور نجاست کے بار بار دور کرانے کے ہوئی لیکن نماز بعون اللہ تعالیٰ آخر دم تک کوئی قضا نہ ہونے دی، نظافت کا یہ اہتمام تھا کہ اگر ذرا سی نجاست بھی لگ جاتی تو سیاہی یا دوا وغیرہ کا دھبہ پڑ جاتا یا پینے کے وقت چائے وغیرہ گر جاتی یا غذا وغیرہ ہاتھ یا ریش مبارک میں لگ جاتی تو فوراً پانی منگوا کر اسی وقت سب کام چھوڑ کر خود صفائی فرما لیتے اور یہ ہمیشہ معمول رہا یہاں تک کہ بالکل آخری دن چونکہ دست مسلسل ہو رہے تھے کپڑے تہہ کر کے نیچے بچھا دیئے گئے تھے

انہیں پر لیٹے لیٹے اجابت ہوتی رہتی تھی اور کپڑے ہر مرتبہ بدل دیئے جاتے تھے اور نمازوں کے وقت دونوں پیرانی صاحبہ طہارت کرا دیتی تھی۔ احقر نے ظہر کے وقت کی طہارت کے دوران میں بوجہ پردہ باہر بیٹھے بیٹھے سنا کہ حضرت بڑی پیرانی صاحبہ سے جو طہارت کرا رہی تھیں فرما رہے تھے کہ کچھ کمر کے اوپر مجھے نجاست معلوم ہو رہی ہے۔ غالباً حضرت پیرانی صاحبہ کے اس فرمانے پر کہ نہیں کوئی نجاست نہیں فرمایا کپڑا بھگو کر مجھے دے دو میں صاف کرلوں، غالباً حضرت کو محض شبہ تھا نجاست نہ تھی۔ جو مولوی صاحب غسل میت میں شریک تھے وہ فرماتے تھے کہ بوجہ اس کے کہ وفات کے دن مسلسل اسہال ہوتے رہے تھے میں نے غسل کے وقت اس پر خاص نظر رکھی کہ طہارت میں کمی نہ رہنے پاوے لیکن میں نے تعجب کے ساتھ دیکھا کہ بدن پر کہیں نجاست کا نام ونشان تک بھی نہ تھا، بلکہ انہوں نے اسی خیال سے پیٹ کو بھی خاص اہتمام سے دبایا فرماتے تھے کہ ڈھیلے پر نمی تک بھی نہ آئی۔ کچھ پیٹ میں فضلہ رہا ہی نہ تھا۔

غرض نماز کا آخر دم بے حد اہتمام رہا یہاں تک کہ وفات سے دو چار روز قبل احقر سے خاص طور سے فرمایا کہ مجھے دو چیزوں کا بہت خیال ہے نماز کا اور حقوق کا احقر نے اطمینان دلانے کے لیے عرض کیا کہ حضرت نمازیں تو غایت ضعف کی وجہ سے سخت تعب ہونے کے باوجود بھی ادا فرما رہے ہیں اب تک بفضلہٖ تعالیٰ کوئی قضا نہیں ہونے پاتی رہے۔ حقوق سوان کے متعلق تو حضرت نے کبھی کوئی حالت منتظرہ باقی رکھے ہی نہیں ان کو وقت کے وقت مدوار تھیلیوں میں مع پرچہ جات حساب رکھ دیا اور اگر کسی ایسی مد کی رقم ہوئی جس کا حساب دوسرے کے متعلق ہے اس کو آتے ہی اس کے پاس پہنچا دیا غرض ساری رقوم متمیز ہیں۔ احقر کی اس تقریر کو سن کر عجیب بے بسی کے لہجہ میں فرمایا کہ کیسے سمجھاؤں۔

نہ معلوم ان دونوں چیزوں کا کونسا درجہ نظر میں ہوگا۔ جب مجھ سے حضرت اقدسؒ کے اس ارشاد کو کہ دو چیزوں کا مجھ کو بہت خیال ہے نماز کا حقوق کا اہل علم نے حضرات سنا تو انہوں نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی بعض روایات پر آخری کلمات یہ تھے **الصلوٰۃ وماملکت ایمانکم**۔ نماز اور حقوق کا انتہا درجہ کا خیال۔ واقعی آخری وقت تک رکھا۔ چنانچہ نماز تو آخری وقت تک پڑھی اور کوئی نماز قضا نہ ہونے دی اور حقوق کی ادائیگی تو حضرتؒ کا

آخری ہی عمل تھا جیسا کہ عنقریب اس کا بیان وفات کے حال میں آئے گا اور روزوں کا اتنا اہتمام تھا کہ باوجود کافی ضعف و مرض کے گذشتہ رمضان شریف کے پورے روزے رکھے، پھر اس سے پہلے رمضان کے روزے جو لکھنؤ کے دورانِ علاج میں سوائے ایک کے سب کے سب قضا ہوتے تھے وہ اسی سلسلہ میں کبھی کبھی ناغہ کر کے سب رکھ ڈالے اور ان کی ادائیگی کا اتنا خیال تھا کہ بار بار بہت پہلے سے بہت ہی آرزومندانہ لہجہ میں ہم خدام سے فرمایا کرتے تھے کہ دعا کیجئے، اس وقت تک مجھے اتنی قوت آجائے کہ ایک ہی سلسلہ میں دونوں مہینوں کے روزے رکھنے کی ہمت ہو جائے چنانچہ اس میں بعون اللہ کامیاب ہو گئے اور اس کی یہ حکمت ظہور پذیر ہوئی کہ اگر اس وقت نہ ادا کر چکے ہوتے تو پھر ان کی ادائیگی کی نوبت ہی نہ آتی اور سب روزے ذمہ رہ جاتے۔ غرض بعون اللہ تعالیٰ باوجود انتہائی ضعف و مرض کے نہ ایک نماز اپنے ذمہ چھوڑی، نہ ایک روزہ و ذلک فضل اللّٰہ یوتیہ من یشاء۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست تانہ بخشد خدائے بخشندہ

اللہ تعالیٰ ببرکت حضرت والا ہم سب کو بھی اس کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین۔ اور جو لکھنؤ کے دوران علاج میں روزے قضا کئے وہ بھی بدرجہ مجبوری، ورنہ باوجود انتہائی ضعف و مرض کے ایک روزہ پھر بھی امتحاناً رکھ کر دیکھا اور فرمایا کہ اس تصور سے وحشت ہوتی تھی کہ سب تو روزے سے ہوں گے اور میں نہ ہوں گا ایسا معلوم ہوگا جیسے شریفوں میں چمار بیٹھا ہوا ہے مگر ایک روزے کے بعد پھر بوجہ غایت ضعف نہ خود ہمت پڑی نہ طبیبوں نے اجازت دی اور طبیبوں نے تو پہلے ہی سے منع کر دیا تھا لیکن حضرت اقدسؒ نے اپنی طبیعت کا اندازہ لینے کے لیے امتحاناً اور شوقاً ایک روزہ رکھ لیا تھا۔ زمانۂ علالت سے پہلے تو بوقت نشست و برخاست بہت عاجزانہ اور پُراثر لہجہ میں فرماتے اے مالک اور علالت کے بعد سے جب بوجہ ضعف اٹھنا سخت دشوار ہو گیا تھا بہت دیر تک ارادہ کرتے رہنے کے بعد دفعتہً بہت قوت کے ساتھ بسم اللہ کہتے اور اُٹھ بیٹھتے شب کو کواڑ بند کرنے والے خادم سے پوچھتے کہ بسم اللہ بھی کہہ لی تھی، شب کو پانی کھلا رکھنے کی ممانعت تھی۔ یہ چند واقعات عباداتِ خالصہ سے متعلق تھے اور جو عبادات بصورت خدمت خلق عمل آئی ان کی تو کوئی حدود شمار ہی نہیں، خدمات مالیہ کا تو یہ حال تھا کہ شروع ہی سے

برابر اپنے فتوحات مالیہ میں سے چوتھائی حصہ علاوہ زکوٰۃ کے صدقات نافلہ میں صرف فرماتے رہے اور اس سے زائد بھی۔ چنانچہ اس مد کی کاپی الگ تھی جس میں بعض خاص ضرورت کے مواقع پر بڑی بڑی رقوم اس مد میں پیشگی خرچ فرمادیتے پھر مجرا ہوتا رہتا اس طرح ربع آمدنی کے حساب سے اپنی عمر میں ہزاروں بلکہ لاکھوں روپیہ صدقات میں صرف فرماڈالے بلکہ ترکہ کا ربع حصہ کارہائے خیر میں صرف کئے جانے کی وصیت فرماگئے جن کی تفصیل مندرجہ وصیت ہے اور جس کے صرف کا انتظام اب کیا جارہا ہے۔

اس کے علاوہ ہزارہا روپیہ لوگ حضرت اقدس کو اعلیٰ درجہ کا امین اور مصارف خیر کا بہترین جاننے والا اور موقع شناس سمجھ کر اپنی طرف سے امور خیر میں صرف کرنے کے لیے بھیجتے رہتے تھے ان کا ثواب حضرت اقدس کو الگ ملتا تھا، کوئی سائل خالی نہ جاتا۔ حسب گنجائش و مصلحت ضرورت کچھ نہ کچھ خدمات فرماتے بشرطیکہ خود کوئی گڑبڑ نہ کرے اور اصول صحیحہ جو بتائے جائیں ان پر عمل کرے، اہل خانقاہ، اہل قصبہ، متعلقین، غیر متعلقین، مقامی، بیرونی، سب حاجت مندوں کی ضروریات پر جہاں تک علم ہوسکتا نظر رکھتے اور حسب موقع اعانت فرماتے رہتے، بعض خاص خاص مواقع پر بالخصوص اہل علم اور شرفا کے اہل حاجت متعلقین کو بڑی بڑی رقمیں بھی عطا فرمائی گئیں اور متعدد اہل حاجت کو ماہوار رقمیں بھی دی جاتیں مگر بمصالح متعددہ شرط یہ تھی کہ بذریعہ پرچہ یا کارڈ ماہوار یاددہانی کی جایا کرے۔ اگر کسی کو اصلاح کی سلسلہ میں کوئی ایسا مشورہ دیا جاتا جس میں خرچ کی ضرورت ہوتی تو سب سے پہلے مالی اعانت میں شریک ہونے کے لیے آپ کو پیش کرتے مواقع خیر کے ہمیشہ متلاشی رہتے تھے۔ چنانچہ ایک خط اوپر بھی نقل کیا گیا ہے۔ جس میں بھی تحریر فرمایا گیا تھا کہ آپ اول کافی خرچ کا انتظام کرلیں اگر تنخواہ کافی نہ ہو تو اپنے خیرخواہوں سے چندہ کرلیں جس میں میں بھی ان شاء اللہ شریک ہوں گا۔ بڑے بڑے چندے بھی کارِ خیر میں دیتے رہتے تھے۔ اکثر دیکھا کہ کبھی کپڑے مساکین کو تقسیم کئے جارہے ہیں، کبھی نقد، کبھی طعام، خیرات بھی بڑے انتظام سے اور اصول سے کرتے جیسا کہ ہر چھوٹے بڑے کام میں معمول تھا۔

غرض حضرت اقدس کی ذات ستودہ صفات گویا سراپا جود و عطا تھی۔ بعض اہل حاجت

کو حضرت اقدسؒ کے بعد خود احقر نے پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے اور پریشان ہوتے ہوئے دیکھا ہے اور یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ حضرت کے ہوتے ہوئے بڑی تقویت اور بیفکری تھی اور بڑا سہارا اور اطمینان تھا اب سخت پریشانی ہے کہ کیا کریں اور کہاں جائیں ایک غریب اہل حاجت تو جب ملتا ہے یہی کہتا ہے کہ اجی حضرت کیا مرے ہم ہی مر گئے۔

قرض دینے کی بھی الگ مد تھی، محض اعتماد کے مواقع پر بلا رقعہ وغیرہ بڑی بڑی رقمیں ہزار ہزار سے بھی متجاوز بے تامل بطور قرض عطا فرما دیتے تھے، اپنے جراح کو قرض مانگنے پر دو سو روپیہ فوراً عطا فرما دیتے اور فرمایا جب سہل ہوا ادا کر دینا اور نہ سکے نہ ادا کرنا مگر اس نے جلد ادا کر دیئے۔ بعض نے ادائیگی قرض میں بہت لیت و لعل کیا اور پریشان کیا تو اس الجھن سے بچنے کے لیے ان سے فرمایا کہ بھائی اس سے تو صاف کہہ دو کہ دے سکتے ہو یا نہیں چنانچہ بعض کے عذر کر دینے پر کافی کافی رقمیں چھوڑ بھی دیں، فرمایا کرتے تھے کہ باوجود اتنی شرائط و قیود ہدیہ کے بھی اللہ تعالیٰ نے مجھے اتنا عطا فرمایا کہ بعض بعض مہینوں میں ایک ایک ہزار بھی ملا۔ آمدنی کے تین حصے فرمالیا کرتے تھے۔ دو حصے دونوں گھروں میں دیتے، ایک حصہ اپنے لئے رکھ لیتے مگر فرماتے کہ میرے پاس زیادہ روپیہ جمع ہو جاتا ہے تو مجھے وحشت ہونے لگتی ہے، اس لئے جب معتد بہ رقم جمع ہو جاتی ہے تو اس کو دونوں گھروں میں تقسیم کر دیتا ہوں۔ آخر میں اپنا حصہ کچھ نہ رکھتے بلکہ جو رقمیں آتی رہتیں اپنے پاس رکھتے جاتے اور جو ذاتی ضرورت ہوتی اس میں سے پوری کرتے رہتے۔ مہینے کے آخر میں دونوں گھروں میں تقسیم فرما دیتے اور باوجود مشہور عام اور مشہود انام استغنا کے جب کسی کی رقم بوجہ فقدان شرائط ہدایہ واپس فرماتے اور یہ آئے دن ہوتا ہی رہتا تھا، تو اکثر فرماتے کہ واپس کرتے ہوئے بڑا ڈر لگتا ہے کہ کہیں اللہ میاں ناراض نہ ہو جائیں کہ نالائق ہم تو تیرے پاس بھجوا دیتے ہیں تو نخرے کرتا ہے اور بھجوانا ہی بند فرما دیں تو سارا استغنا دھرا رہ جائے۔ یہ استغنا بھی اسی وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بہت کچھ دے رکھا ہے اور ہمیشہ دیتے رہتے ہیں بلکہ اکثر دیکھا کہ جب کوئی رقم واپس کی تو فوراً اس کا نعم البدل حق تعالیٰ نے دوسروں سے بھجوا دیا۔ مگر کیا کروں خلاف اصول لینے سے غیرت مانع ہوتی ہے، میں

حریص بھی ہوں، متقی بھی نہیں لیکن غیور ضرور ہوں۔ ایک بار مزاحاً فرمایا کہ اتنے دن تو اس پیشے کو کرتے ہو گئے لیکن اب تک لیتے وقت غیرت معلوم ہوتی ہے۔ غرض حضرت اقدس ہمیشہ اپنے جذبہ استغنا کو ایسے ایسے احتمالات اور خیالات سے حدود کے اندر رکھتے تھے۔ ایک بار احقر نے مرض وفات ہی میں عرض کیا کہ اگر ہم جیسے ایسا استغناء برتنے لگیں جیسا کہ حضور کا طریق ہے تو ہم میں تو تکبر پیدا ہو جائے۔ فرمایا کہ جس کو تکبر کا اندیشہ ہو وہ نہ اختیار کرے مجھے تو الحمدللہ شرح صدر ہے کہ تکبر سے ناشی نہیں، پہلے تو بہت شرائط تھیں لیکن آخر میں ساری شرائط کی روح صرف دو باتوں کو ٹھہرالیا تھا۔ وہ یہ کہ بالتصریح اس کا جواب لے لیتے کہ مجھ سے یہ توقع نہ رکھی جائے کہ میں یاد رکھوں گا یا کوئی رعایت کا معاملہ کروں گا جب ان دونوں باتوں کا اطمینان ہو جاتا تو اجازت دیتے اس اطمینان کے لئے کہ یہ وہی شخص ہے جس کو اجازت ہدیہ بھیجنے کی دی گئی، تاریخ دن اور وقت بھی لکھ دیتے اور تحریر فرما دیتے کہ یہ عبارت منی آرڈر کے کوپن میں ہونی چاہیے" حسب اجازت حاصل کردہ فلاں تاریخ، فلاں دن، فلاں وقت، اگر یہ عبارت نہ ہوئی تو منی آرڈر واپس کر دیا جائے گا۔ ایک موقع پر احقر نے عرض کیا کہ اگر کوئی اپنی طرف سے گھڑ کر لکھ بھیجے تو فرمایا کہ پھر تو اس کے خلوص میں کوئی شک ہی نہ ہوگا کیونکہ معلوم ہوا کہ بیچارہ بہت ہی مخلص ہے کہ اپنی طرف سے اجازت گھڑ گھڑ کر ہدیہ بھیج رہا ہے۔ جن پر تعلقات دیرینہ کی بنا پر پورا اطمینان ہو چکا تھا ان سے بلا کسی شرط کے قبول فرما لیتے، گو ایسے مواقع پر بعض سے یہ بھی فرما دیتے کہ یہ تو میری حیثیت سے زیادہ ہے، میری حیثیت تو بس ایک دو روپیہ کے ہدیہ کی ہے، یہ تو بہت ہے۔ یہ تو اکثر فرماتے کہ یہ تو بہت ہے پھر جب اصرار ہوتا تو لے لیتے، جو چھوٹے بالخصوص جن کو لڑکپن سے حضرت جانتے تھے ان سے فرماتے کہ تم تو بچے ہو مجھے تم کو دینا چاہیے نہ یہ کہ تم مجھ کو دے رہو، پھر اصرار پر بخیال دلشکنی انکار نہ فرماتے۔ لیکن اگر کسی کا ہدیہ چاہے جتنا بڑا ہوتا مگر اصول کے خلاف ہوتا تو بلا ادنیٰ تامل کے واپس فرما دیتے جیسا کہ وفات سے دو تین دن پہلے تین سو کا ذاتی منی آرڈر واپس کرنے کا واقعہ اپنے موقع پر لکھا جا چکا ہے۔

صدقات مالیہ کے سلسلہ میں یہ سب واقعات استطراداً معرضِ تحریر میں آ گئے۔ علاوہ ان کے صدقات مالیہ جاریہ بھی حضرت اقدسؒ نے بہت کئے۔ چنانچہ بعض کمپنیوں میں حصص خرید کر وقف فرمادیئے اور ایک قطعہ زمین خرید کر وقف فرمادی اور بعض باغات بھی خرید کر وقف فرمادیئے اور اسی طرح ایک مکان میں۔ ان سب کے متعلق مفصل اور واضح طور پر سب شرائط وصایا میں لکھ کر شائع فرمادیئے، وقف کرنے کا تو اتنا شوق تھا کہ ایک بار دل میں خیال پیدا ہوا کہ اگر میرے پاس کہیں سے ایک لاکھ روپیہ آ جائے تو کیا کروں، چونکہ طبع مبارک نہایت ہی حساس تھی محض اس خیال کے آنے سے بھی الجھن پیدا ہوگئی اور جب اس کا مصرف ذہن نے تجویز کرلیا اس وقت سکون ہوا۔ چنانچہ وہ مصرف یہ سوچا کہ سارے تھانہ بھون کی زمین خرید کر وقف کردوں تاکہ ایک مقام تو خالص دارالاسلام ہوجائے۔ سبحان اللہ کیا جذبات تھے، کیا خیالات تھے، کیا حالات تھے، علاوہ اوقاف مذکورہ بالا کے اپنا ایک بڑا کتب خانہ بھی جس میں زیادہ تر خود اپنی ہی تصانیف تھیں مدرسہ سہارنپور میں بھیج دیا اور وقف فرمادیا، اسی طرح بعض اور متفرق کتابیں بھی مدرسہ دیوبند اور مدرسہ سہارنپور اور دیگر مدارس میں موقع بموقع کافی تعداد میں بھیجتے رہتے تھے، نیز بڑی بڑی رقمیں صرف فرما کر بڑی بڑی اور مفید مفید کتابیں بھی تصنیف کرا کرا کثر شائع فرماتے رہے مثلاً اعلاء السنن بوادر النوادر حیلہ ناجزہ۔ گو ان میں سے اکثر دوسروں کی بھیجی ہوئی رقوم سے شائع ہوئیں لیکن بوقت ضرورت خود بھی مالی شرکت فرماتے خرید فرما کر بھی تقسیم فرمادیتے۔

چنانچہ اعلاء السنن کے نسخے بھی بغرض تقسیم اس حالت میں صاحب فراش نہیں ہوئے تھے خرید فرمانے کے لیے بہ وقت تمام مدرسہ تشریف لائے اور اس روز کی مجلس بعد الظہر خانقاہ کی اس سہ دری ہی میں فرمائی جہاں تقریباً نصف صدی تک حضرت اقدسؒ نشست فرما کر علوم و معارف کے دریا بہاتے رہے، چونکہ بعد عرصہ کے یہ موقع نصیب ہوا تھا کیونکہ بوجہ ضعف و علالت بہت دن سے زنانہ مکان کے پاس والی مردانہ بیٹھک ہی میں مجلس فرمانے لگے تھے اس لئے ہم سب خدام کو بھی اور خود حضرت اقدسؒ کو بھی بے حد انشراح ہوا اور حضرت اقدس نے تو فرمایا کہ بس یہاں بیٹھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اپنے ٹھکانے آ گئے۔

مگر چونکہ یہاں سے بیت الخلاء قریب نہیں اور مجھ کو بار بار جانے کی ضرورت ہوتی ہے، ضعف کی وجہ سے اتنی دُور بار بار آ جا نہیں سکتا۔ اس لئے مجبوراً یہاں نہیں بیٹھتا، ورنہ دل تو میرا نہیں لگتا ہے اور برکت یہیں محسوس ہوتی ہے کیونکہ بزرگوں کی جگہ ہے۔ پھر یہ تجویز ہوئی کہ غسل خانوں میں سے ایک میں چوکی رکھوادی جائے اور حضرت والا اس کا کرایہ ادا فرمادیا کریں۔ اس پر تحقیق فرمائی کہ شرعاً متولی ایسا کرسکتا ہے یا نہیں۔ گو اہل علم خدام خاص نے عرض کیا کہ گنجائش تو معلوم ہوتی ہے لیکن فرمایا کہ چونکہ میرا ہی معاملہ ہے اس لئے میری یا میرے احباب کی رائے اس معاملہ میں قاعدہ سے موثوق بہ نہیں ہونی چاہیے۔ لہٰذا سہارنپور اور دیوبند سے دریافت کیا جائے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا لیکن چونکہ ایک جگہ تو ایک صورت بتائی گئی جو حیلہ کی تھی اور ایک جگہ سے متولی کو کرایہ پر لینے کا عدم جواز لکھا ہوا آیا لیکن حضرت اقدس نے اس تجویز پر عمل نہیں فرمایا۔ غرض خانقاہ کی وہ مجلس آخری مجلس تھی۔ اور آخری تشریف آوری تھی، اس کے بعد پھر تشریف لانا نہ ہوسکا بلکہ اس کے کچھ عرصہ بعد تو مردانہ بیٹھک کی بھی مجلس موقوف فرمانی پڑی۔ کیونکہ دستوں کے دورے شروع ہوگئے۔

عالم ربانی کی خاص علامت ہے کہ وہ تحصیل علم میں بھی حریص ہوتا ہے اور تبلیغ و اشاعت علم میں بھی غالباً امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ وہ شخص عالم نہیں ہوسکتا جو اپنے بڑوں اور برابر والوں اور چھوٹوں سے علم حاصل نہ کرے اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کا ایک ارشاد حضرت امیر شاہ خاں صاحب مرحوم نقل فرمایا کرتے تھے کہ وہ شخص جس کو تبلیغ دین کا جذبہ اس درجہ تک نہ پہنچ جائے جیسے ضروریات بشریہ کھانا پینا وغیرہ ہیں اس وقت تک وہ دین کی پوری پوری خدمت نہیں کرسکتا۔ حضرت والا نور اللہ مرقدہ کے دیکھنے والے جانتے ہیں کہ بحمد اللہ آپ کی ہمیشہ سے یہی شان تھی، علم وحکمت کی بات کسی بچہ یا ان پڑھ جاہل سے بھی سن لی ہے تو بڑی قدر کے ساتھ اس کو محفوظ رکھا اور مجلسوں میں اسی کے حوالہ سے نقل فرمایا۔ اسی طرح اشاعت علم ودین کا وہ قوی جذبہ حق تعالیٰ نے آپ کے قلب مبارک میں ودیعت فرمایا تھا کہ ہر وقت اس کے لئے بےچین تھے اور کاموں سے کبھی کبھی تکان محسوس ہوتا تھا لیکن علمی خدمات سے باوجود ضعف کے بھی تکان محسوس نہ فرماتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت کے خلفاء میں سے ایک اہل علم نے اپنا ایک نوتصنیف رسالہ حضرت کی خدمت میں بھیجا اور یہ لکھا کہ حضرت کے ضعف کی وجہ سے رسالہ پیش کرنے کی جرأت نہیں ہوتی لیکن اس کی بھی جرأت نہیں ہوتی کہ میرا کوئی رسالہ شائع ہوا اور وہ کسی درجہ میں بھی حضرت کی نظر سے نہ گزرے، اس لئے میری درخواست صرف اتنی ہے کہ کہیں سے چند سطریں ملاحظہ فرمالیں اور موضوع رسالہ ابتداء رسالہ میں ملاحظہ فرمالیں۔ حضرت نے جواب میں تحریر فرمایا کہ میں نے رسالہ بالاستیعاب دیکھا کیونکہ اس کے دیکھنے سے نشاط بڑھ گیا، تکان محسوس نہیں ہوا۔ اشاعت دین وعلم دین کے اسی والہانہ جذبہ کا نتیجہ ہے، جو تقریباً ایک ہزار تصانیف ومواعظ وملفوظات کی صورت میں بحمد اللہ آج بھی ہزاروں مسلمانوں کی رہبری کا کفیل بنا ہوا ہے۔

اتنی تصانیف اپنے قلم سے کرنے کے باوجود ہر پیش آنے والی اسلامی ضرورت کے لیے تصنیف کا سلسلہ جاری رہنے کا ایک خاص اہتمام قلب اقدس میں تھا اور حسن اتفاق سے حق تعالیٰ نے حضرت کے خدام میں علماء ماہرین کا ایک اچھا خاصہ مجمع جمع فرمادیا تھا۔ اکثر اوقات ان علماء کو مختلف قسم کی تصانیف کا مشورہ دیتے اور ان کی تصنیف میں امداد واعانت کا خاصہ حصہ لیتے تھے۔ چنانچہ ایسی تصانیف کا ایک اچھا کافی سلسلہ ہے جو حضرت والا کے مشورہ اور ارشاد کے موافق دوسرے علماء نے کیں۔ اس سلسلہ میں چند تصانیف ایسی بھی ہیں جو خود حضرت والا نے بڑی بڑی رقمیں خرچ کرکے اپنے خاص اہتمام سے کرائیں۔ جن میں سب سے بڑی تصنیف اعلاء السنن کی ہے۔ جس میں امام اعظم ابوحنیفہؒ کے پورے فقہ کے دلائل وشواہد احادیث نبویہ علی صاحبا السلام سے نہایت تنقید وتحقیق اور عدل وانصاف کے ساتھ جمع کیے گئے یہ وہ بے نظیر تصنیف ہے کہ اگرچہ اس موضوع پر متعدد علماء نے کتابیں لکھی ہیں لیکن اتنی مکمل ومفصل آج تک نہیں ہوئی تھی اس تصنیف کا اکثر حصہ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب مدظلہم کے قلم سے ہے، حضرت کا ملاحظہ اور مشورہ بھی اکثر حصہ میں شامل رہا ہے تقریباً پچیس، تیس سال تک مسلسل اس کی تصنیف کا سلسلہ جاری رہا اور تقریباً تیس چالیس ہزار روپیہ اس کی تصنیف واشاعت میں صرف ہوا اور بالآخر حضرت والا کی حیات وصحت ہی کے زمانہ میں بحمد اللہ یہ تصنیف مکمل ہوگئی اور گیارہ جلدیں شائع بھی ہوگئیں چار پانچ جلدوں

کی اشاعت باقی ہے جو اس وقت کاغذ کی شدید گرانی کے سبب ملتوی ہے اور ان شاء اللہ کاغذ میں کچھ سہولت پیدا ہو جانے پر ان کی اشاعت بھی جلد ہو جانے کی توقع ہے۔

اسی سلسلہ کی دوسری اہم تصنیف رسالہ الحیلۃ الناجزہ للحیلۃ العاجزہ ہے۔ جس میں ان مظلوم عورتوں کی رہائی کے لیے شرعی صورتیں بتلائی گئی ہیں جن کے شوہر مفقود الخبر یا غائب یا عنین ہوں، یا موجود ہوتے ہوئے نان نفقہ یا دوسرے حقوق ادا نہ کرتے ہوں، ہندوستان میں قاضی شرعی نہ ہونے کے سبب ایسی عورتیں تنگ آ کر کہیں مرتد ہونے لگیں، کہیں فحش بے حیائی میں مبتلا ہونے لگیں اس مصیبت کبریٰ کو دیکھ کر حضرت والا کو توجہ ہوئی کہ ان کے لیے رہائی کی شرعی صورتیں غور وفکر کر کے نکالی جاویں۔ چنانچہ مذاہب اربعہ کی کتابوں کا مطالعہ اور پھر مالکی المذہب علماء مدینہ طیبہ سے چار پانچ سال تک مسلسل خط و کتابت اور پھر مشاہیر علماء ہند کے مشورہ سے کام لے کر مسودہ تیار کیا گیا۔ مسودہ کی تیاری میں مولانا عبدالکریم صاحب گمتھلوی اور مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی سے کام لیا گیا اور بعد تیاری پہلی مرتبہ اپنی طرف سے طبع کرا کر مفت اشاعت کی گئی۔

تیسری نہایت اہم تصنیف احکام القرآن ہے۔ جس کی ابتداء تو اس طرح ہوئی کہ تقریباً ۱۳۵۰ھ میں دارالعلوم دیوبند میں یہ تجویز ہوئی کہ جس طرح حدیث کی اہم کتابوں کا دورہ ایک سال میں پڑھایا جاتا ہے اسی طرح دورہ تفسیر کے نام سے تفسیر کی اہم کتابیں ایک سال میں پڑھائی جایا کریں اور ساتھ ہی یہ تجویز ہوئی کہ دورہ تفسیر کا افتتاح حضرت والا کے ہاتھوں کرایا جائے اس کی درخواست کرنے کے لیے دیوبند سے علماء کا ایک وفد جس کے امیر حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی مدظلہم تھے تھانہ بھون حاضر ہوا دورہ تفسیر کے نصاب درس میں بیضاوی کامل، ابن کثیر کامل تجویز ہوئی اور حنفیہ کے مسلک کی توضیح کے لیے تفسیر مدارک رکھنے کا تذکرہ آیا لیکن حضرت والا نے فرمایا کہ ایسی آیات بہت کم ہیں جن میں آئمہ کا باہمی اختلاف ہے اس کے لئے اس غرض کے واسطے پوری مدارک پڑھانے کے بجائے اگر ان آیات کا انتخاب پڑھا دیا جائے تو بہتر ہوگا۔ سب حضرات نے اس تجویز کو پسند کیا اور اس خیالی تصنیف کا نام بھی اسی وقت حضرتؒ نے دلائل القرآن علی مسائل

النعمان تجویز فرما دیا۔ اس کے بعد اتفاقات ایسے ہوتے رہے کہ دیو بند میں یہ کام انتخاب وتصنیف کا نہ ہوسکا تو دو تین سال انتظار کے بعد حضرت والا کو اس طرف توجہ ہوئی کہ کام نہایت مفید ہے۔ جس طرح ہم نے اعلاء السنن میں فقہیات حنفیہ کے دلائل وشواہد حدیث سے جمع کرا دیئے ہیں اسی طرح دلائل القرآن علی مسائل النعمان میں دلائل حنفیہ قرآن کریم سے جمع کردیئے جاویں اور اس کام کو خود اپنے اہتمام سے کرانے کا فیصلہ فرما کر تقریباً ۱۳۵۴ھ میں مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیو بندی کے سپرد فرمایا، کام کرنے کے اصول اور طریق کار خود متعین ومشخص فرمائے پوری سورہ بقرہ میں جس قدر آیات احکام اس تصنیف کے موضوع سے متعلق تھی ان کی فہرست خود تیار فرما کر ان کے حوالہ فرمائی مولانا محمد شفیع صاحب نے کام شروع کر دیا لیکن چونکہ وہ دارالعلوم دیو بند میں عہدہ افتا پر مامور اور بہت زیادہ مشغول تھے اس لئے کام کے لیے فرصت کم ملی اور کام کی رفتار بہت سست رہی۔ اسی اثناء میں مولانا ظفر احمد صاحب اعلاء السنن کی تصنیف سے فارغ ہو گئے تو حضرت والا کو خیال ہوا کہ دلائل القرآن کا کام اب اگر مولانا ظفر احمد صاحب کریں گے تو جلد ہو جائے گا۔ اس لئے یہ کام ان کے سپرد فرما دیا۔ اب اتفاق یہ ہوا کہ اس کے کچھ عرصہ بعد ہی مولانا ظفر احمد صاحب ڈھاکہ یونیورسٹی میں پروفیسر ہو کر چلے گئے۔ اور وہاں اس کام کا سلسلہ کسی معتد بہ پیمانہ پر جاری نہ رہ سکا۔ حضرت والا کو دیکھنے والے جانتے ہیں کہ کام کو شروع کرنے کے بعد حضرت والا کو اس کا بہت اہتمام ہوتا تھا کہ وہ کسی طرح ٹھکانے لگے اور پورا ہو۔ اس لئے اس کی فکر ہوئی کہ اب یہ کام کسی اور طرف منتقل کیا جاوے۔ اول مولانا محمد شفیع صاحب دیو بندی سے استفسار فرمایا کہ وہ دارالعلوم سے طویل رخصت لے کر اس کام کے لیے تھانہ بھون قیام کر سکتے ہیں یا نہیں مگر ان کو دارالعلوم کے عہدہ افتا کی ذمہ داری کی وجہ سے طویل رخصت لینے کی کوئی صورت نہ نکلی۔ تو اب یہ رائے ہوئی کہ اس کام کے چند حصے کر کے چند علماء کے سپرد کر دیا جائے اس طرح اس کی تکمیل ہو جائے چنانچہ اس تصنیف کو چار حصوں میں اس طرح تقسیم فرما دیا کہ پہلی دو منزلیں مولانا ظفر احمد صاحب کے سپرد رہیں اور اس کے بعد دو منزلیں تیسری، چوتھی مولانا جمیل احمد صاحب تھانوی کے متعلق فرمائی اور اس کے بعد

دو منزلیں پانچویں اور چھٹی مولانا محمد شفیع صاحب دیو بندی کے سپرد فرمائی۔ آخری منزل مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی مدرس دارالعلوم دیو بند کے حوالہ فرمائی۔

ابھی اس کام کا سلسلہ پوری طرح چلنے نہ پایا تھا کہ حضرت والا کو اس مرض کا سلسلہ شروع ہو گیا جو بالآخر مرض الموت ثابت ہوا، ضعف روز بروز بڑھنے لگا مگر اسی مرض وضعف کی حالت میں جس طرح دوسرے افادات کے سلسلے جاری تھے اسی طرح اس تصنیف کی فکر بھی لگی ہوئی تھی ۱۳۶۲ھ جو حضرت اقدس کا سن وفات ہے اس میں اتفاقاً مولانا محمد شفیع صاحب دیو بندی ملازمت سے مستعفی ہو کر تھانہ بھون قیام کی نیت سے پہنچ گئے۔ اس وقت حضرت والا کی رائے یہ ہوئی کہ اب مولانا محمد شفیع صاحب مستقل طور پر یہی کام کریں اور اس پر مختلف مجلسوں میں اظہار مسرت بھی فرمایا۔ چنانچہ حسب تجویز کام شروع ہو گیا۔ یہ وہ وقت تھا کہ شدت ضعف کی وجہ سے خانقاہ میں تشریف لے جانا منقطع ہو چکا تھا، مرض بھی روز بروز بڑھ رہا تھا ضعف بھی۔ لیکن خدمت دین وعلم دین کا شغف ان چیزوں پر غالب تھا۔ دلائل القرآن کا کام شروع ہوا تو مولوی صاحب کے سامنے اول ہی روز بہت سی آیات پر کافی دیر تک تقریر فرمائی کہ فلاں فلاں آیات سے فلاں فلاں احکام مستنبط ہوتے ہیں ان کو کتب تفسیر میں تلاش کر کے اگر منقول ہو تو منضبط کر لیا جائے اس پر بھی مفصل کلام فرمایا کہ اس تصنیف کا طرز کیا ہو کیا چیز لی جاوے اور کیا ترک کی جاوے اس کے بعد روزانہ مولوی صاحب سے استفسار فرماتے کہ آج کس آیات پر لکھا اور کیا لکھا پھر ایک کے مناسب علوم غامضہ کے افادات فرماتے رہتے۔

کام شروع ہونے کے ساتھ بہت سے ایسے احکام سامنے آئے جن پر بلا تکلف آیت دلالت کرتی ہیں مگر جن حضرات نے آیات احکام مستقل تصنیفیں لکھی ہیں انہوں نے ان کو کسی سبب سے ضبط نہیں کیا۔ اس لئے اب حضرت والا کی رائے یہ ہوگئی کہ اس تصنیف کا موضع بلند اور عام کر دیا جائے یعنی صرف دلائل حنفیہ نہیں بلکہ مطلق احکام خواہ احکام فقہیہ ہوں یا عقائد وتصوف اور اخلاق وتمدن سے متعلق ہوں سب ضبط کئے جاویں، بالخصوص جن احکام میں مغربی تمدن اور نئی تعلیم کے اثر سے شبہات پیدا کئے جاتے ہیں ان پر اہتمام سے

کلام کیا جاوے اور فرمایا کہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ دلائل القرآن علی مسائل النعمان کو چھوڑ دیا گیا نہیں بلکہ وہ بھی احکام القرآن کا جز ہوگا۔ بعد تکمیل تصنیف اس موضوع کی آیات کا انتخاب کرکے دلائل القرآن کے نام سے جداگانہ کتاب تیار ہو جائے گی۔

الغرض مرض وضعف کی انتہا ہوتی جاتی تھی، بولنا دشوار تھا، غنودگی طاری ہو ہو جاتی تھی لیکن اس حالت میں بھی احکام القرآن کے متعلق دریافت فرماتے اور اس کے متعلق افادات کا سلسلہ جاری تھا یہاں تک کہ ماہ رجب جس کی ۱۶۔ تاریخ کو وفات ہونے والی تھی اس کی ۳ر تاریخ کو مولوی صاحب نے سورہ قصص شروع کی، حضرت کو اطلاع دی تو اس سورۃ کی ایک آیت پر نہایت عجیب وغریب تقریر فرمائی جس کو مولوی صاحب نے ضبط کرلیا مگر افسوس ہے کہ کلام کی تکمیل حضرت کی حیات میں مقدر نہ تھی، وفات کے صدمہ جانکاہ کے بعد کچھ عرصہ تک تو خدام کے دل ودماغ اس قابل ہی نہ تھے کہ کسی مستقل کام ونظام میں غور کریں، کچھ عرصہ کے بعد جب کچھ طبیعت سنبھلی اور اس کام کا دھیان آیا تو ایک عالم حیرت سامنے تھا، کام کی اہمیت اور حضرت والا کے شغف کا مقتضیٰ یہ کہ اس کو جس طرح بھی ہو سکے بہتر سے بہتر بنا کر جلد سے جلد تمام کیا جاوے اور ادھر جو افادات اس تصنیف کی روح تھے ان کے منقطع ہو جانے نے کمر ہمت توڑ دی لیکن بالآخر ترجیح اس کو ہوئی کہ حضرت کے بتلائے ہوئے اصول پر تصنیف کی تکمیل کرنا چاہیے چنانچہ بحمداللہ مولوی صاحب موصوف آج کل اس کی تصنیف ہی کا کام کر رہے ہیں۔ اسی طرح مولانا ظفر احمد صاحب اور مولانا جمیل احمد صاحب اور مولانا ادریس صاحب اپنے اپنے حصہ کی تکمیل میں بقدر فرصت مشغول ہیں۔ حق تعالیٰ امداد فرمائیں۔ اور تکمیل کی توفیق اور قبول عطا فرمائیں۔

اسی قسم کی تصانیف کے سلسلہ میں دو کتابیں اور قابل ذکر ہیں جن کا مادہ تو خود حضرت والا نے اپنے قلم سے ضبط فرما دیا تھا دونوں کا نام بھی تجویز فرما دیا تھا مگر بوجہ ضعف کے اس کی تصنیفی تشکیل وترتیب نہ ہو سکی تھی۔

ایک القول المنصور فی ابن المنصور۔ جس میں ابن منصور حلاج کے حالات اور ان کے متعلق معتدل اور منصفانہ فیصلہ فرمایا گیا ہے۔ دوسری ایدی الہادی عن حید الحادی۔ جس

میں خلود نار کا ثبوت اور ابن قیم کے ایک رسالہ کا جواب ہے۔ ان دونوں کتابوں کے متعلق حضرت والا نے اپنی وصیت نامہ میں یہ وصیت درج فرمادی ہے کہ میں اپنے متعلقین اہل علم کو عموماً اور مولوی ظفر احمد صاحب و مولوی محمد شفیع صاحب دیوبندی کو خصوصاً وصیت کرتا ہوں کہ وہ ان دونوں کتابوں کی تکمیل کردیں حق تعالیٰ کی قدرت کہ ان دونوں کی تکمیل حق تعالیٰ نے حضرت کے سامنے ہی کرادی جس سے حضرت والا بہت مسرور ہوئے پہلی کتاب القول المنصور کو مولانا ظفر احمد صاحب نے مکمل فرمادیا اور دوسری کتاب کے متعلق مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی نے ایک مفصل رسالہ الدین القیم لکھ کر حضرت کو دکھلایا تو حضرت والا نے اسی رسالہ کو اس کتاب کی جگہ کافی قرار دیا۔

الغرض علم دین کے متعلق امام محمد کا یہ ارشاد کہ ان صنا عتنا هذه من المهد الى اللحد یعنی ہمارا فن بچپن کے گہوارہ سے شروع ہوتا ہے اور گور کے دروازہ تک رہتا ہے۔ حضرت والا نے عملاً دکھلا دیا طاقت نے بالکل جواب دے دیا تھا لیکن پھر بھی افادات کے شوق کا وہ عالم تھا کہ جس کو کسی نے شراب و مینا کے عنوان سے ادا کیا ہے۔

گو ہاتھ میں جنبش نہیں آنکھوں میں تو دم ہے + رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے

غرض حضرت اقدس قدس سرہ العزیز نے اپنی ساری عمر اور عمر بھی ماشاء اللہ اتنی طویل ایک ہی دھن میں بلکہ ایک ہی دُھن میں بسر فرمادی۔ بمصداق ع یکے دان و یکے بین و یکے گو + فجزاه الله فى الاخره احسن الجزاء و اعطاه الله الدرجات العلىٰ ورزقه مرافقة الانبياء۔ ان ساری تفصیلات اعمال باطنہ و ظاہرہ جو اوپر عرض کی گئیں خلاصہ یہ ہے کہ حضرت اقدس کی حالت بفضلہ تعالیٰ و بعونہ وہ تھی جو اس دعائے منصوص میں طلب فرمائی گئی ہے۔ اللّٰهم اجعل سريرتى خيراً من علانيتى واجعل علانيتى صالحة (ترجمہ) یا اللہ کردے میرے باطن کو بہتر میرے ظاہر سے اور کر میرے ظاہر کو اچھا۔ اور اس دعا میں بھی اللّٰهم اجعل وساوس قلبى خشيتك وذكرك واجعل همتى واهواى فيما تحت و ترضىٰ اللّٰهم وما ابتيتنى به من رخاء و شده فمسكنى بسنة الحق و شريعة الاسلام (ترجمہ) یا اللہ کردے میرے دل

کے خیالات کو اپنا خوف اور اپنی یاد اور کر دے میری ہمت اور خواہش میری اس چیز میں جسے تو اچھا سمجھے اور پسند کرے یا اللہ جس بات میں تو امتحان کرے میرا خواہ آسانی ہو یا سختی تو جمائے رکھ مجھے طریق حق اور شریعت اسلام پر۔

اگر ناظرین ان سب تفصیلات کو مجموعی طور پر ذہن میں مستحضر کر کے غور فرمائیں گے تو وہ بھی حرف بحرف احقر کی اس رائے کی تصدیق فرمائیں گے اور حضرت اقدس کو ہر جزئی میں ان دونوں دعاؤں کا مصداق پائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی یہ دولتیں نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

تفصیلات متذکرہ سے تو افادات ظاہرہ باطنہ کے صرف وہ آثار معلوم ہوئے جو مشاہد ہیں اور جو برکات وانوار حضرت اہل باطن کو مدرک ہوئے ان کو تو وہ حضرات خود ہی خوب جانتے ہیں بمصداق ؏ دل من داند و من دانم و داند دل + اوروں کو تو اس کی ہوا بھی نہیں لگی۔ اور اگر کچھ ہم لوگوں کو بھی اندازہ ہو سکتا ہے تو تربیت السالک کے مطالعہ سے جس کی نسبت حضرت اقدسؒ نے وفات سے دو چار ہی دن قبل ایک صاحب علم کے اس کہنے پر کہ بوادر النوادر سے تو راہ ولایت معلوم ہو جائے گی۔ یہ فرمایا کہ راہ ولایت معلوم کرنے کے لیے تو تربیت السالک ہے۔ بوادر النوادر میں تو زیادہ تر علوم نادرہ ہیں اور افادات خاصہ باطنہ کے متعلق ایک پرانا ملفوظ یاد آیا کہ طالب صادق کو کبھی اپنے شیخ کی کرامات کی جستجو ہی نہیں ہوتی، نہ اس کی ضرورت محسوس ہوتی ہے کیونکہ وہ رات دن اپنے باطن میں شیخ کی برکات کا جو اصلی کرامات ہیں مشاہدہ کرتا رہتا ہے۔ چنانچہ اکثر خدام حضرت اقدس کی توجہات کا اثر نہ صرف حاضرانہ بلکہ غائبانہ بھی بالخصوص مراسلت رکھنے والے اپنے اندر نمایاں طور پر محسوس کرتے رہتے تھے۔ جبھی تو یوماً فیوماً ترقی اور کایا پلٹ ہوتی چلی جاتی تھی حالانکہ بظاہر نہ کوئی متعارف توجہ دی جاتی تھی، نہ اکثر سے تخاطب ہوتا تھا۔ بقول احقر؎

نگاہِ مست او بیگانہ واراست	مگر وزدیدہ بر ہر میکسا راست
یکے ساقی و میخواراں ہزارند	دو چشم مست او مشغول کارند
بمیخانہ بہار است و بہار است	کہ درد جدو طرب ہر میکسا راست

الحمدللہ ثم الحمدللہ کہ بعون اللہ تعالیٰ و ببرکت حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ احقر بیان متعلقات واقعہ وفات سے فارغ ہوا اور اس ضمن میں مختصراً ضروری ضروری سوانح حیات بھی معرض تحریر میں آ گئے ہو خواہ بے ربط و بے ترتیب ہوں بفحوائے ارشاد حضرت میر درد رحمۃ اللہ علیہ

کیا کہوں دل کا کسو سے قصہ آوارگی　　　　کوئی بھی بے ربط ہوتی ہے کہانی اس قدر

لیکن بہرحال فیض اور اثر سے خالی نہیں بمصداق ع درد جس پہلو سے اُلٹو درد ہے

+ اب میں عین واقعہ وفات بیان کرتا ہوں اور اپنے ایک شعر سے شروع کرتا ہوں۔

واقعۂ وفات

ہچکیاں بھی مری سن لو مرے نالے تو سنے　　　　ٹھیرو اک نغمہ ابھی اور مرے ساز میں ہے

حسن اتفاق اور حسن اقتران دیکھئے کہ میں اس واقعہ روح فرسا اور حادثہ جانکاہ کو شب سہ شنبہ ہی میں بعد عشاء وتراویح لکھ رہا ہوں اور یہ وہی دن اور وقت ہے جبکہ حادثہ واقع ہوا تھا۔ یہ لکھا ہی جا چکا ہے کہ دوشنبہ کو صبح ہی سے مسلسل دست آ رہے تھے۔ یہاں تک کہ کپڑوں کو کئی تہہ کر کے نیچے بچھا دیا گیا تھا انہیں پر علی التواتر اجابتیں ہوتی چلی جا رہی تھیں اور وہ کپڑے بار بار بدلے جا رہے تھے، نمازوں کے وقت دونوں پیرانی صاحبہ مل کر باہتمام بلیغ اچھی طرح طہارت کرا دیتی تھیں، دستوں کی وجہ سے ضعف بے حد ہو گیا تھا گو غنودگی جاتی رہی تھی اور حضرت اقدسؒ سب حالات مسلسل بیان فرما رہے تھے جس پر حکیموں نے اظہار اطمینان فرمایا کہ دماغ کھل گیا ہے کلام مسلسل ہے، آنکھوں کے سامنے اندھیرا معلوم ہونے کی بھی شکایت فرمائی تھی اور آثار سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضرت اقدس کو یہ محسوس ہو گیا تھا کہ میرا آخری دن ہے۔ چنانچہ جب اس کا ذکر آیا کہ حکیموں نے شام کو چوزہ کی یخنی میں چاول ڈالنے کی اجازت دے دی ہے تو فرمایا کہ میں چاہے اس وقت تک رہوں ہی نہیں۔ اسی طرح حضرت چھوٹی پیرانی مدظلہا سے فرمایا کہ آج تو ہم جا رہے ہیں، انہوں نے پوچھا کہاں، فرمایا کیا تم نہیں جانتے، نیز نصف النہار کے تین بجے کے قریب حضرت اقدسؒ کے ہم زلف اور منظورِ نظر محبّ مشفق جناب ڈپٹی علی سجاد صاحب جب مزاج پرسی کے لیے حاضر

ہوئے تو فرمایا کہ حکیم صاحب سے یہ جا کر حال کہا جاوے کہ ہاتھ پیروں کی جان نکل چکی ہے ،سانس آدھا آتا ہے اور پھول گیا ہے۔ چنانچہ ڈپٹی صاحب حکیم صاحب سے یہ حال کہنے کے لیے چلے تو کھڑی کے پاس سے حضرت چھوٹی پیرانی صاحبہ محترمہ مدظلہا پہنچیں اور چپکے سے فرمایا کہ آج تو یوں فرمارہے تھے کہ بس مغرب تک ہوں۔ ڈپٹی صاحب کے جانے کے بعد احقر حاضر ہوا تو احقر سے بھی یہی فرمایا کہ سانس کی بہت تکلیف ہے احقر نے عرض کیا کہ حضرت کو اکثر سوٗ تنفس کی شکایت ہو جاتی ہے وہ مالش وغیرہ سے ٹھیک ہو جاتی ہے فرمایا مجھے اتنی تکلیف کبھی عمر بھر نہیں ہوئی چنانچہ میں بھی عرض حال کرنے حکیم صاحب کی خدمت میں گیا ،وہاں سے لوٹ کر آیا تو حضرت طہارت فرمارہے تھے،اس لئے باہر بیٹھ گیا چونکہ بہت زیادہ دیر ہوگئی تھی اس لئے احقر کے تو ذہن سے نکل گیا لیکن حضرت اقدسؒ نے خود احقر مکرر حاضری پر پوچھا کہ حکیم صاحب نے کیا جواب دیا۔ میں نے اپنی یاد پر دل ہی دل میں نفریں کی اور خدا کا شکر ادا کیا کہ حضرت اقدسؒ نے باوجود ایسی نازک حالت ہونے کے خود ہی یادرکھا اور دریافت فرمالیا، اس کے بعد جناب مولانا جمیل احمد صاحب حاضر ہوئے فرمایا کہ سانس کی بہت تکلیف ہے ذرا سینہ ملا جائے۔ عرض کیا تیل لگالوں فرمایا نہیں ویسے ہی اتنے میں حکیم محمد سعید صاحب گنگوہی مزاج پرسی کے لیے تشریف لے آئے جن کا علاج حکیم صاحب لکھنوی سے پہلے تھا لیکن اب بھی وہ غایت تعلق کی بنا پر ٹھیرے ہوئے تھے۔ ان سے پوچھا گیا کہ روغن بادام کی مالش مناسب ہوگی یا روغن سرخ کی عموماً روغن بادام سے افاقہ ہوتا رہا ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ روغن سرخ زیادہ نافع ہوگا۔ چنانچہ اسی کی مالش کی جاتی رہی اور حکیم صاحب خلاف معمول زیادہ دیر تک بیٹھے رہے جب چلے گئے اس وقت حضرت اقدسؒ نے فرمایا کہ اس تیل سے تو کچھ بھی نفع نہیں محسوس ہوا، روغن بادام سے مجھ کو نفع ہوتا رہا ہے، اسی کی مالش ہونی چاہیے۔ اتنی تکلیف اور ایسی نازک حالت میں بھی حکیم صاحب کا اتنا لحاظ فرمایا کہ ان کے رہتے ہوئے ان کی تجویز کے خلاف روغن بادام کی مالش نہیں کرائی۔ قبل عصر بھی حاضرین سے فرمایا سب کاموں سے نکما ہو کر اس حالت میں پڑا ہوں، یہ کیا زندگی ہے، اب تو وقت آجائے۔ ایسے وقت میں بھی کام ہی کی حسرت تھی اور یہی غم تھا کہ سب کاموں سے نکما

ہو گیا کام اور کیا تھا سوائے خدمت طالبین حاضر و غائب کے چنانچہ ڈاک کے خطوط کے بھی خود پتے دیکھ کر اس روز بھی جائزہ لیا کہ کسی خادم خاص کا تو خط نہیں، دوا پینے کے لیے سہارے سے اٹھا کر بٹھلایا گیا تھا، اسی سلسلہ میں مولانا جمیل احمد صاحب نے جن کے سہارے حضرت اقدسؒ بیٹھے ہوئے تھے توجہ دلائی کہ عصر کا وقت ہو گیا ہے نماز بھی کیوں نہ پڑھ لی جائے تا کہ دوبارہ زحمت نہ ہو فرمایا اچھا پھر بیٹھے بیٹھے نماز پڑھی۔ حالانکہ لیٹ کر نمازیں پڑھنے لگے تھے لیکن ہاتھوں میں اتنی جان نہ رہی تھی کہ گھٹنوں پر رکھ سکیں کلائی کی ٹیک گھٹنوں سے لگائی تب ہاتھ گھٹنوں پر ٹک سکے، عصر کی نماز کے بعد جناب مولانا شبیر علی صاحب مہتمم مدرسہ و خانقاہ و برادرزادہ حضرت اقدسؒ کو یاد فرمایا مولانا شبیر علی صاحب نے حضرت اقدسؒ کے لیے دوائیں لینے سہارنپور تشریف لے گئے تھے پیرانی صاحبہ کو خیال ہوا کہ اگر سہارنپور جانا معلوم ہو گا تو شاید حضرت کو تکلیف ہو اس لئے یہ عرض کر دیا کہ اچھا بلاتی ہوں کچھ دیر بعد پھر یاد فرمایا مگر پھر بھی الجھن سے بچانے کے لیے اسی طرح عرض کر دیا جب کئی مرتبہ یاد فرمایا تو مولانا شبیر علی صاحب کی اہلیہ صاحبہ نے پیرانی صاحبہ سے کہا کہ حضرت کو اس بار بار دریافت کرنے سے الجھن ہو رہی ہو گی وہ سوچتے ہوں گے کہ میں بلا رہا ہوں وہ آتے کیوں نہیں اس لئے بتا دیا جائے کہ سہارنپور آپ کی دوا لینے گئے ہیں۔ تب پیرانی صاحبہ نے اطلاع کی کہ وہ آپ کی دوائیں لینے سہارنپور گئے ہیں اور ان شاء اللہ رات سے گاڑی سے آ جائیں گے اس کو سن کر بہت افسوس فرمایا اور فرمایا کہ تو خانقاہ کے متعلق مجھے ان سے کچھ کام تھا اس پر پیرانی صاحبہ نے فرمایا کہ مجھ سے فرما دیجئے تو فرمایا کہ تمہاری سمجھ میں نہ آوے گا۔ پھر مولانا شبیر علی صاحب کی عدم موجودگی پر افسوس فرمایا اس پر پیرانی صاحبہ نے اصرار فرمایا کہ حاضرین میں سے کسی کو سمجھا دیا جاوے ان کے اصرار پر خاموشی اختیار فرمائی۔ پھر پیرانی صاحبہ نے ان کی الجھن ختم کرنے کے لیے مولوی جمیل احمد صاحب کو بعد نماز مغرب فوراً بلوا کر پھر عرض کیا کہ مولوی جمیل حاضر ہیں ان کو سمجھا دیا جائے تو غالباً بات کو ختم کرنے کے لیے امانتوں کا صندوقچہ منگوایا چونکہ اس میں مدرسہ کی کوئی امانت تھی ہی نہیں اور حضرت والا کے حواس اس قدر درست اور بجا تھے کہ یہ کسی طرح نہیں سمجھا جا سکتا کہ باوجود مدرسہ کی امانت اس میں نہ ہونے کے ویسے ہی صندوقچہ

منگالیا ہوگا بلکہ اس وقت بات کو ختم کرنا ہی مقصود معلوم ہوتا تھا چنانچہ عرض کیا کہ مولوی جمیل اور مولوی ظفر کو سمجھا دیجئے اس پر خاموشی اختیار فرمائی۔ یہ باتیں سن کر گھر کی لڑکیاں رونے لگیں، چھوٹی پیرانی صاحبہ نے عرض کیا کہ دیکھئے لڑکیاں رو رہی ہیں ایسی مایوسی کی باتیں آپ کیوں کر رہے ہیں ایسی کیا جلدی ہے۔ صبح جب سانس کی تکلیف جاتی رہے اس وقت سمجھا دیجئے گا۔ فرمایا کہ رونے والیاں تو باولی ہیں میں مایوسی سے تھوڑا ہی کہہ رہا ہوں حقوق العباد کا معاملہ ہے اور اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اس لئے سب امانتوں کا سمجھا دینا ضروری ہے۔ پھر مغرب کی نماز لیٹے لیٹے ادا کرنے کے بعد چھوٹی پیرانی صاحبہ سے یہ بھی پوچھا کہ میں دونوں کو ماہوار خرچہ دے چکا ہوں انہوں نے تسلی دی کہ ہمیں بہت کچھ مل چکا ہے، ہمارے پاس خرچ بہت کافی موجود ہے آپ دے چکے ہیں بےفکر رہیں، پھر لفافوں میں سے امانتوں کی رقم نکلوائیں ایک میں چودہ آنے نکلے فرمایا پندرہ آنے ہوں گے مکرر دیکھنے پر ایک اکنی اور اسی لفافہ میں مل گئی۔ پھر دوسرے لفافہ کی رقم نکلوائی گئی پانچ پانچ روپیہ کے چھ نوٹ تھے اور کچھ ریزگاری تھی ان نوٹوں کو خود ہاتھ میں لے کر گننے کی کوشش کی اور کچھ کہا بھی مگر زبان لڑکھڑا چکی تھی کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ اتنے میں غشی طاری ہوگئی اور نوٹ سینہ پر بکھر گئے دونوں ہاتھ سینہ پر رہے۔ بس امانت سپرد کرنا اور سمجھانا ہی آخری عمل تھا۔ حالانکہ کوئی بات ایسی سمجھانے کی تھی نہیں کیونکہ حسب معمول لفافہ پر لکھا تھا کہ اس مد کی رقم ہے اور اندر بھی پرچہ رکھا ہوا تھا جس میں ضروری باتیں ہر رقم کے متعلق لکھی ہوئی تھیں مگر چونکہ طبیعت میں حقوق العباد کا غایت درجہ اہتمام تھا اس لئے آخر وقت بھی اسی کے خیال کا غلبہ رہا جیسا کہ پہلے بھی بالتفصیل لکھا جا چکا ہے خود احقر سے دو تین دن پہلے فرمایا تھا کہ مجھے دو چیزوں کا بہت خیال ہے نماز کا اور حقوق کا مولانا شبیر علی صاحب تو فرماتے تھے کہ ان کو پہلے بھی کئی بار امانتیں سمجھا چکے تھے لیکن اس وقت کچھ اور ہی فرمانا چاہتے تھے جو معلوم نہ ہو سکا۔

اسی غشی کے بعد آخر وقت تک ہوش نہ آیا کوئی سوا گھنٹہ غشی طاری رہی اور سانس تیزی سے اور آواز کے ساتھ چلتا رہا۔ جناب مولانا ظفر احمد صاحب خواہر زادہ حضرت اقدسؒ برابر یٰسین شریف وغیرہ پڑھتے رہے اور زمزم شریف چمچہ سے دہن مبارک میں ڈالتے

رہے۔احقر بھی مع دیگر حضرات کے نہایت حسرت سے بے بسی کے عالم میں کھڑا دیکھتا رہا اور یٰسین شریف پڑھتا رہا، پھر مستورات نے پردہ چاہا۔احقر مع چند دیگر رفقا باہر چلا آیا۔ اعزہ اندر موجود رہے،سوچا کہ ابھی اندر تو پردہ ہے اتنے میں نماز عشاء پڑھ آئیں۔ چنانچہ ہم لوگ نماز پڑھنے چلے گئے۔احقر کو یہ خیال تھا کہ ابھی نزع کا عالم بہت دیر تک رہے گا جیسا میں اپنے لڑکے کا دیکھ چکا تھا لیکن صرف سوا گھنٹہ ہی کے قریب رہا۔میں وتر کی نماز کے تشہد میں تھا کہ دفعۃً مجھے اپنے قلب میں ایک تغیر عظیم محسوس ہوا جس نے مجھے پریشان کر دیا۔ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے بالکل کورارہ گیا اور میں یہ سوچنے لگا کہ کہیں یہ وہی بات تو نہیں ہے جو حضرت اقدسؒ فرمایا کرتے تھے کہ جب قطب الارشاد کی وفات ہوتی ہے تو اس وقت اہل احساس کو اپنے قلوب میں تغیر محسوس ہوتا ہے اور کیفیات میں کمی محسوس ہوتی ہے کیونکہ اس کا فیض عام ہوتا ہے سب کو پہنچتا رہتا ہے۔چاہے فیض پانے والے کو بھی یہ خبر نہ ہو کہ یہ فیض خاص کدھر سے آرہا ہے بلکہ خود قطب الارشاد کو بھی کسی کی طرف فیض منتقل ہونے کا علم ہونا ضروری نہیں ہے جیسے آفتاب کی روشنی بلا اس کے قصد کے سب کو پہنچتی ہے۔یہ ارشاد یاد آ کر گمان تو ضرور ہوا کہ اس تغیر کا سبب یہی ہے کہ حضرت اقدسؒ عالمِ نزع میں ہیں کیونکہ میرے خیال میں یہی تھا کہ ابھی نزع ہی میں ہوں گے پھر خیال ہوا کہ ابھی تو زندہ ہیں گو عالم نزع میں سہی۔یہ پہلے ہی سے اکثر کیوں شروع ہوگیا اس اشکال کا جواب ذہن میں یہ آیا کہ گو ابھی رحلت نہیں فرمائی لیکن نزع میں اس عالم سے چونکہ بے توجہی ہو جاتی ہے ممکن ہے اس کا اثر بھی مثل وفات ہی کے ہوتا ہو لیکن جب میں نماز سے فارغ ہوتے ہی درِ دولت پر واپس آیا تو معلوم ہوا کہ ابھی ابھی پانچ منٹ ہوئے رحلت فرما گئے۔(انا للہ وانا الیہ راجعون) اس وقت مجھے غالب گمان ہوا کہ وہ جو ایک تغیر خاص مجھے وتر تشہد میں محسوس ہوا تھا عجب نہیں عین پرواز روح مقدس ہی کے وقت ہوا ہو کیونکہ فارغ ہو کر درِ دولت تک پہنچنے میں تقریباً اتنا ہی وقت صرف ہوا ہوگا، وہ تغیر مجھے اس درجہ کا محسوس ہوا تھا کہ بعد سلام پھیرنے کے میں سخت پریشان ہو کر بہ آواز کہنے لگا کہ یا اللہ اگر حضرت اقدسؒ کے بعد میری یہی حالت رہی تو میرا ایمان کیسے سلامت رہے گا اس کا سخت اندیشہ پیدا ہو گیا۔غرض جب

اندر باریابی ہوئی تو چہرۂ مبارک پر نظر پڑی جس کو دیکھتے ہی بے اختیار احقر کی زبان سے نکلا کہ واہ واسبحان اللہ کیا شیرانہ اور مردانہ زندگی بسر فرمائی ہے جزاک اللہ۔ آخر دم تک اپنی اسی شان اور آن بان سے رہے پھر بے تابانہ سرہانہ حاضر ہوکر پیشانی مبارک کو بوسہ دیا اور آنکھوں سے لگایا۔ چونکہ میں نے اس سے قبل کسی کو کسی میت کی پیشانی چومتے ہوئے نہیں دیکھا تھا نہ سنا تھا اس لئے مجھے بعد کو اپنی اس جرأت پر تردد بھی ہوا اور خیال ہوا کہ کہیں یہ خلاف ادب تو نہ سمجھا گیا ہو اور کسی کو ناگوار نہ ہوا ہو۔ مگر کئی دن بعد جب جناب مولانا عبداللطیف صاحب ناظم مدرسہ سہارنپور کا وعظ زنانہ میں اس آیت پر ہوا۔ **وما محمد الا رسول** اس وقت پہلی مرتبہ یہ واقعہ سن کر کہ بلاتشبیہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی مبارک کو اسی طرح بوسہ دیا تھا تو مجھے نہ صرف اطمینان بلکہ انتہا درجہ کی مسرت ہوئی پھر معلوم ہوا کہ مجھ سے پہلے اور بعض اہل علم اعزا نے بھی یہی کیا تھا۔ خیر اس بارہ میں جو تردد تھا وہ رفع ہو گیا۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت چھوٹی پیرانی صاحبہ نے بوقتِ نزع یہ دیکھا کہ جب سانس زور سے اوپر کو آتا تھا تو داہنے ہاتھ کی انگشتِ شہادت اور بیچ کی انگلی کے درمیان پشت کی طرف گھائی میں ایک ایسی تیز چمک جگنو کی سی پیدا ہو جاتی تھی کہ باوجود اس کے کہ بجلی کے دو قمقمے اس وقت روشن تھے۔ پھر بھی اس کی چمک غالب ہو جاتی تھی، پھر دوسرے سانس میں وہ چمک غائب ہو جاتی تھی، پہلے تو وہ یہ سمجھیں کہ برسات کا موسم ہے ابر چھایا ہوا ہے ترشح ہو رہا ہے کوئی جگنو آ بیٹھا ہے چونکہ کوئی موذی جانور تو تھا نہیں اس لئے اس کو ہٹانے کی کوشش نہیں کی لیکن جب دیر تک ایسا ہی ہوتا رہا تو پھر انہوں نے دوسری مستورات کو بھی جو اس وقت ان کے قریب موجود تھیں دکھایا کہ مجھے دھوکا ہو رہا ہے یا تمہیں بھی یہ چمک نظر آ رہی ہے چنانچہ ان سب نے دیکھ کر تصدیق کی۔ سانس بند ہو جانے کے بعد وہ چمک بند ہو گئی۔ پھر نظر نہ آئی۔

اس عجیب واقعہ کو سن کر ایک اہل علم اور صاحبِ ذوق خادم ومجاز حضرتِ اقدس نے اس کی بہت لطیف توجیہ بیان کی جو سب کو پسند آئی فرمایا کہ عجب نہیں یہ نور اس وجہ سے ظاہر ہوا ہو کہ انہیں دو انگلیوں سے بڑے بڑے علوم اور دقائق ومعارف وحقائق ایک مدت تک

معرض تحریر میں آتے رہے ہیں یہ نور اسی کا ہو۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

تھوڑی دیر بعد انتقال جناب مولانا شبیر علی صاحب برادر زادہ حضرت اقدس قدس سرہ العزیز بھی دوائیں لے کر سہارنپور سے واپس تشریف لے آئے جن کو حضرت نے خانقاہ کے متعلق کچھ فرمانے کے لیے کئی بار یاد فرمایا تھا مگر یہاں اب کیا رکھا ہے، نہ مرض رہا، نہ مریض رہا (ع) پس ازاں کہ من نہ مانم بچہ کار خواہی آمد۔ مولانا کو سخت قلق ہوا۔

مگر وہ خدمت بھی ضروری تھی انہوں نے گردونواح کے صرف اہل خصوصیت اور اعزہ ہی کو آدمی بھیج کر اطلاع تھی تا کہ ان کو افسوس اور شکایت نہ ہو، لیکن صبح دیکھتے ہیں کہ ہزاروں مسلمان چاروں طرف سے بیتابانہ شرکت نماز جنازہ و تدفین کے لئے چلے آرہے ہیں۔ خبر ایک سے دوسرے کو پہنچتی ہوئی چلی گئی اور آس پاس تمام دیہات و قصبات میں رات کی رات یہ خبر وحشت اثر عام طور پر پھیل گئی، حالانکہ آدھی رات کے قریب تو یہاں سے آدمی بھیجے گئے تھے کیوں نہ ہو یہ وفات بھی تو ایک محبوب العالم اور مخدوم العالم کی تھی۔

مولانا اسی وقت حضرت اقدسؒ کے وقف کردہ تکیہ میں جس کا تاریخی نام قبرستان عسقبازاں مع'' جناب مولانا عبدالکریم صاحب گمتھلوی کے دفن کی جگہ تجویز کرنے کے لیے تشریف لے گئے اور دوسرے اعزہ وخدام سے بھی اپنا خیال مجملاً ظاہر فرما گئے وہاں پہنچ کر دونوں صاحبوں کی رائے بلا اختلاف اسی جگہ کی ہوئی جہاں حضرت اقدس زیر لحد آرام فرما ہیں۔ اور وہ ہر لحاظ سے ایسا اچھا موقع ہے کہ جس نے دیکھا بہت پسند کیا۔

رات بھر بہت سے خدام حاضر خدمت رہے۔ صبح متعدد علماء وصلحا نے بزیر نگرانی جناب مہتمم صاحب خانقاہ یعنی مولانا شبیر علی صاحب اچھی طرح بالکل مطابق سنت غسل دیا، دیکھنے والے حسرت سے دیکھ رہے تھے کہ یا تو اسی جگہ پلنگ پر حضرت اقدسؒ تشریف فرما رہتے تھے اور زائرین کو زیارت اور ملفوظات سے مشرف فرماتے تھے، یا اس وقت تختہ غسل پر بے حس وحرکت لیٹے ہوئے ہیں بس یہ ہندی مثل صادق آرہی تھی'' ان آنکھوں کا یہی بسیکھ (خاصیت) وہ بھی دیکھا یہ بھی دیکھا'' یہ منظر دیکھ کر کوئی آنسوؤں سے اور کوئی دل سے اور کوئی چیخ چیخ کر رو رہا تھا اول تو ویسے ہی حضرت اقدس بوجہ ضعف پیری عرصہ سے بہت

نحیف ولاغر ہوگئے تھے، پھر دستوں نے اور پانچ سال کی طویل وشدید علالت نے تو پوست واستخواں کے سوائے کچھ چھوڑا ہی نہ تھا بقول احقر۔

تجھے کیا دوں وہاں قبر کچھ چھوڑا بھی ہو غم نے　　　یہی دو چار سوکھی ہڈیاں ہیں ماحضر اپنا

پھر تجہیز وتکفین کے بعد وہاں جنازہ باہر نکلا، اس وقت گھر میں ایک کہرام بپا تھا۔ بعض نے اس پہ یہ شعر پڑھا۔

ایک ہنگامہ پہ موقوف ہے گھر کی رونق　　　نوحہ غم ہی سہی نغمہ شادی نہ سہی

بعض نے ہجوم دیکھ کر یہ مصرعہ پڑھا ع عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے + بعض نے یہ اشعار پڑھے۔

سرو سیمنا بصحرا می روی　　　سخت بے مہری کہ بے مامی روی

اے تماشا گاہِ عالم روئے تو　　　تو کجا بہر تماشامی روی

باقی کلمہ توحید تو اکثر پڑھ ہی رہے تھے اور ایک نوجوان لڑکے جو اچھی طرح اپنے حواس میں نہیں ہیں جن کو بعض لوگ مجذوب بھی کہتے ہیں اور حضرت اقدس بھی ان کے ساتھ بہت ملاطفت اور شفقت سے پیش آیا کرتے تھے جوش میں آ کر جہر وضرب کے ساتھ کلمہ طیبہ پڑھتے جارہے تھے، ان ہی صاحب کا ایک عجیب واقعہ حضرت کے ایک خاص خادم نے سنایا کہ وہ ان کو انبہٹہ میں ملے تو حضرت کی خیریت دریافت کی، انہوں نے کہہ دیا کہ ابھی بیمار ہی چلے جارہے ہیں، انہوں نے کہا کہ بس اب مولانا چودہ پندرہ روز کے اور مہمان ہیں پھر انتقال فرماجائیں گے، چنانچہ ٹھیک چودھویں دن انتقال فرماگئے۔

جس وقت جنازہ گھر سے باہر نکلنے کو ہوا تو اس وقت ہلکا سا ترشح ہورہا تھا جنازہ پر ڈالنے کے لیے کمبل کی ضرورت ہوئی تو خوش قسمتی سے احقر کے کمبل کو یہ آخری ملبوس ہونے کا شرف حاصل ہوا کیونکہ احقر دولت خانہ کے متصل ہی مکان میں مقیم تھا۔ فالحمدللہ۔ گھر سے خانقاہ تک جنازہ کو سنبھال کر لانا سخت دشوار ہوگیا کیونکہ مخلوق خدا تھی کہ بیتابانہ مثل پروانہ ٹوٹی پڑتی تھی اور کندھا دینے کی نوبت بھی اکثر کو نہ آسکی۔ خانقاہ میں جنازہ رکھا گیا اتنے میں ہجوم کی اور بھی کثرت ہوگئی۔ جناب مہتمم صاحب نے دو لمبے لمبے بانسوں کے

بندھوانے کی سخت ضرورت محسوس فرمائی چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اس کے علاوہ متعدد مضبوط مضبوط صاحب ایسے منتخب کر لئے گئے جو شروع سے آخر تک برابر جنازہ کو لئے ہوئے چلیں اور کسی کو کندھا نہ بدلنے دیں بلکہ جس کو کندھا دینا ہو وہ بانسوں کے نیچے آ کر کندھا دے، چارپائی کے نیچے آ کر کندھا نہ دے۔ جنازہ خانقاہ میں سہارنپور کی گاڑی کے انتظار میں کچھ دیر تک رکھا رہا اور لوگ تلاوت وغیرہ میں مشغول ہو گئے اور جس کو جتنی توفیق ہوئی ایصال ثواب کرتا رہا، اتنے میں سہارنپور کا دیا ہوا تار بڑے اسٹیشن پر اسٹیشن ماسٹر کے نام پہنچا کہ علاوہ پہلی گاڑی کے ایک دوسری اسپیشل بھی چھوڑی جائے گی جس میں تقریباً چار سو آدمی محض اس غرض سے آ رہے ہیں کہ حضرت مولانا اشرف علی صاحبؒ کے جنازے میں شریک ہوسکیں۔ اس لئے آپ فوراً مولانا شبیر علی صاحب کو مطلع کر دیں کہ ابھی انتظار کریں۔

پھر پہلی گاڑی پہنچی جس میں سینکڑوں صاحب بغرض شرکت نماز جنازہ و تدفین حاضر ہو گئے۔ ان سے بھی معلوم ہوا کہ دوسری خاص گاڑی بھی آ رہی ہے جس میں بہت سے لوگ اور آ رہے ہیں جن کو یا تو پہلی گاڑی میں بوجہ کثرت ہجوم جگہ نہ مل سکی یا باوجود دیر میں اطلاع ہونے کے گاڑی ہی نہ مل سکی۔ کیونکہ جس گاڑی سے آدمی اطلاع کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا اس کے سہارنپور پہنچنے کے تھوڑی ہی دیر بعد ادھر آنے والی گاڑی کے چلنے کا وقت آ جاتا تھا فرستادہ کو بھی بہت عجلت کرنی پڑی تھی بہرحال پہلی گاڑی کے پہنچ جانے کے بعد بھی کافی انتظار کیا لیکن دوسری گاڑی نہ پہنچی، پھر مہتمم صاحب کی رائے ہوئی کہ عیدگاہ میں جنازہ لے چلیں وہیں کچھ اور انتظار کر لیا جائے گا اور وہیں نماز جنازہ پڑھ لی جائے گی کیونکہ اتنے بڑے ہجوم میں وہیں سہولت رہے گی، جس وقت خانقاہ سے عیدگاہ جنازہ لے چلیں ہیں تو گو ترشح بند ہو چکا تھا لیکن راستہ میں کیچڑ اور پھسلن بہت تھی اس لئے بڑے ہی انتظام اور اہتمام کی ضرورت پڑی کیونکہ اول تو ہجوم کی کوئی انتہا نہ تھی پھر راستہ اتنا خراب گو عیدگاہ بہت قریب واقع ہے لیکن جنازہ کا وہاں تک پہنچانا بھی سخت مشکل ہو گیا خود جناب مہتمم صاحب بھی جنازہ کے آگے چارپائی کے دونوں پایوں کے بیچ میں کندھا دیئے ہوئے اور دونوں پایوں کو پکڑے اور سنبھالے ہوئے اور لوگوں کے ہجوم کرنے سے تاکیداً منع فرماتے ہوئے

چلے جا رہے تھے، جا بجا پانی بھرا ہوا تھا اور نشیب و فراز بھی بہت تھے، پیروں میں جوتے بھی نہ تھے اور پائنچے بھی چڑھے ہوئے تھے اور تمام پاؤں اور پنڈلیاں کیچڑ سے سنی ہوتی تھیں۔ غرض بصد خستگی وزاری ان حضرات نے جنازہ کو عیدگاہ تک پہنچایا۔ جزاہم اللہ خیرالجزاء۔

وہاں پر بھی دوسری ریل کا کافی انتظار کیا کیونکہ ترشح بند ہو کر کچھ کچھ آفتاب چمکنے لگا تھا اس لئے دھوپ کی تکلیف بھی تھی۔ جن بعض کے پاس چھتریاں تھیں وہ چھتریاں لگائے ہوئے تھے لیکن انتظار میں بہر حال سب کو تکلیف ہو رہی تھی نیز ابر بھی پھر ہونے لگا تھا جس سے اندیشہ ہوا کہ کہیں مینہ نہ برسنے لگے، یہاں تک کہ دوسری گاڑی شاہدرہ سے آنے والی بھی آ گئی اور اسپیشل کا پھر بھی پتہ نہیں، کچھ دیر بعد معلوم ہوا کہ اسپیشل بڑے اسٹیشن پر آ لیا ہے لیکن جب یہ دوسری گاڑی وہاں پہنچ لے گی اس وقت وہاں سے چلے گی اور چونکہ اس کو مال لادنا تھا اس لئے وہ ابھی کافی دیر کے بعد یہاں کے چھوٹے اسٹیشن سے روانہ ہو سکے گی۔

ان سب امور پر نظر کرتے ہوئے اور دیر پر دیر ہوتے چلے جانے کے سبب مجبوراً بادل ناخواستہ یہی مشورہ طے پایا کہ اب مزید انتظار نہ کیا جاوے۔ چنانچہ نماز جنازہ ادا کی گئی، جناب مولانا ظفر احمد صاحب ہمشیرزادہ حضرت اقدس نے امامت کرائی۔

نماز جنازہ کے بعد دوسرے بڑا مرحلہ زیارت کا تھا کیونکہ اس پر عام طور پر لوگوں کا بے حد اصرار تھا ہجوم کے ٹوٹ پڑنے کی وجہ سے ہمت ہی نہ ہوئی تھی کہ زیارت کرائی جائے۔ یہاں تک کہ جناب مہتمم صاحب کو یہ کہنا پڑا کہ بھائی اگر یہی حال ہے تو مجھ کو مجبوراً زیارت کے قصے ہی کو موقوف کرنا پڑے گا۔ اس پر لوگ جنازہ کے قریب سے کچھ ہٹے اور دھکا پیل کم ہوئی۔ پھر جنازہ کو گھیر کر متعدد صاحبان ایک دوسرے کے ہاتھ پکڑ کر آڑ کئے ہوئے کھڑے ہو گئے تاکہ اس حلقہ سے باہر ہی باہر سب لوگ رہیں اور وہیں سے زیارت کرتے ہوئے اور گزرتے ہوئے چلے جائیں، اس کے انتظام کی بھی ضرورت پڑی تھی کہ زیادہ دیر نہ ٹھہریں، باری باری سے گزریں اور کئی کئی بار نہ آئیں تاکہ ضعیف، قوی، چھوٹے، بڑے سب کو زیارت کا موقع نصیب ہو جائے، چنانچہ جناب مہتمم صاحب کے حسن انتظام سے یہ دشوار مرحلہ بھی بحسن وخوبی طے ہو گیا۔

بعض قوی مشتاقین جو بڑے اسٹیشن پر پہنچ کر ریل کو چھوڑ کر چلے آئے تھے ان کو نماز جنازہ کی شرکت بھی نصیب ہوگئی اور زیارت بھی لیکن ایسے بہت کم تھے زیادہ تر تو صرف ریل ہی میں آئے اور وہ جب پہنچے جب دفن کا وقت تھا، بعض مٹی میں شریک ہو گئے، بعض بعد دفن پہنچے، بہرحال سب لوگ ابھی قبرستان ہی میں تھے کہ دوسری گاڑی والے بھی پہنچ گئے اور فاتحہ میں سب کو شرکت نصیب ہوگئی۔

کششے کہ عشق دارد نہ گذاردت بدینساں　　بجنازہ گر بنائی بمزار خواہی آمد

نماز جنازہ اور زیارت کی عدم شرکت سے ان کو تو سخت افسوس ہوا ہی لیکن اور سب کو بھی بہت افسوس ہوا کہ بیچارے اتنے اہتمام سے تو حاضر ہوئے اور پھر ریل والوں کی کم توجہی کی وجہ سے محروم رہے حالانکہ اگر خاص خیال رکھا جاتا تو وقت پر ریل پہنچائی جاسکتی تھی اور پہنچانی چاہیے تھی، بہرحال ان لوگوں کی بھی کچھ ضابطہ کی مجبوریاں ہوں گی تاہم سب حاضر ہونے والے کو ثواب تو مل ہی گیا اور اس حسرت و ناکامی کا ثواب مزید برآں رہا۔

اللہ تعالیٰ حضرت اقدس کے حسن خاتمہ کے طفیل میں سب شرکا تجہیز و تکفین کو حسن خاتمہ کی لازوال دولت نصیب فرمائے اور حضرت اقدسؒ کے ساتھ محبت وعقیدت کی برکت سے جنت الفردوس میں معیت دائمہ عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

عیدگاہ سے قبرستان تک جنازہ لے جانے میں بھی وہی دشواریاں پیش آئیں جو خانقاہ سے عیدگاہ تک لانے میں پیش آئی تھیں۔ احقر کی پشت پر ایک دانہ نکل آیا تھا دھکا پیل میں اس کو رگڑ لگنے سے بچنا سخت دشوار ہورہا تھا، بمشکل ایک دو بار بانس تک پہنچ کر برائے نام سا کندھا دے سکا اور بعض دفعہ تو بانس تک بمشکل پہنچ کر ہاتھ سے اس کو چھو کر ہاتھ کو چوم لینا ہی غنیمت سمجھتا تھا۔ اور مٹی دینے کے لئے تو مجھ کو بہت ہی دشواری ہوئی، ایک ہاتھ سے پشت کے زخم کو بچا رہا تھا اور ہجوم میں گھستا جارہا تھا، پھسلن سے الگ اپنے آپ کو سنبھالنا پڑ رہا تھا۔ ایک بار جوتہ پیر سے نکل گیا۔ اس کا دوبارہ پہننا مصیبت ہوگیا یہاں تک کہ میں نے جناب مہتمم صاحب کی اعانت طلب کی ایسی کشمکش میں میری دستگیری فرما کر قبر شریف تک پہنچایا اور ایک صاحب نیچے سے اُٹھا اُٹھا کر میرے ہاتھ میں مٹی دیتے جاتے تھے اور میں قبر شریف پر

ڈالتا جارہا تھا۔ ہائے اس وقت ایک مغلوب الحال غیر اہل علم کا واقعہ یاد آ گیا، انہوں نے کہا کہ میں نے تو بہت چاہا کہ میں بھی مٹی دوں مگر کسی طرح اس کی جرأت ہی نہیں ہوئی کہ حضرت اقدس پر مٹی ڈالوں اور قلب نے کسی طرح اس کو گوارا ہی نہ کیا۔"

بعد کو احقر نے ایک اہل علم سے سنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف پر مٹی ڈالتے ہوئے بعض حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو غلبہ ادب میں اسی قسم کا خیال پیدا ہوا تھا۔

غرض علوم و معارف کے اس خزینہ اشرفی کو دفنیۂ جواہرات علمیہ کی صورت میں منتقل کر کے اور ہاتھ جھاڑ کے سب فاتحہ پڑھنے کھڑے ہو گئے اور پھر ہمیشہ کے لئے خیر باد کہہ کر بعد زوال گردن جھکائے اپنے سراپا تصویر حسرت و حرماں بنائے بنائے خاموشی سے ساتھ اپنے اپنے گھر چلے آئے۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

آہ! وہ آفتاب غروب ہو گیا جس کے غروب ہونے کی خبر مخبر صادق فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں الفاظ میں ٹھیک چھ ماہ پہلے ایک صالحہ کو خواب میں سنوا دی تھی وہ خواب آ کے زیر عنوان ''بشارات منام'' شروع ہی میں ملاحظہ سے گزرے گا۔

شدہ شدہ یہ خبر وحشت اثر ملک میں پھیل گئی کسی کو خطوط سے معلوم ہوگئی، کسی کو آنے جانے والوں سے، کسی کو اخباروں سے، کیونکہ تمام ملکی جرائد نے اس کو بڑے اہتمام سے اور حضرت اقدس کے کمالات علمیہ و عملیہ و حالیہ کی بڑی بڑی تعریفیں کرتے ہوئے اور اس ناقابل تلافی خسارہ پر انتہا درجہ کا اظہار غم و افسوس کرتے ہوئے شائع کیا تھا۔ غرض خبر پاتے ہی چاروں طرف سے آمد شروع ہوگئی اور بہت دن تک آئندگان و روندگان کا تانتا بندھا رہا، چونکہ حضرت اقدسؒ کی طرف سے اس کی سخت ممانعت تھی کہ کسی کو علالت کی اطلاع دی جائے اس لئے کثرت سے لوگوں کو آخری زیارت حسرت ہی رہی لیکن باوجود اس ممانعت کے بھی آخر زمانہ میں آنے والوں کی تعداد بہت زیادہ بڑھ گئی تھی دہلی والوں کو اور اس کے طرف کے لوگوں کو اس سخت حسرت بلکہ شکایت رہی کہ ہمیں بھی فلاں صورت سے اطلاع ہو سکتی تھی، اگر ہو جاتی تو دہلی سے ہزاروں مسلمان اس شرفِ شرکت تجہیز و تکفین سے بہرہ اندوز ہونے چلے آتے، بہر حال جو ہونا تھا وہ ہو لیا۔ بقول احقر ؎

کچھ نہ پوچھو کیا ہوا کیوں کر ہوا　　جو ہوا جیسا ہوا بہتر ہوا
کیا بھلا ہو میری مرضی کے خلاف　　وہ جو حسب مرضی دلبر ہوا

اب اصل مقصود یعنی حالات وفات حسرت آیات سے تو بعون اللہ فراغت ہوئی۔ اب چار مضمون بطور ضمیمہ کے بغرض تتمیم فائدہ اور پیش کیئے جاتے ہیں جن کی سرخیاں یہ ہیں ''بشارات منام''، ''شہادات انام'' بعض خلص وخاص'' تعزیت پھر آخر میں احقر نے جو چند قطعات تاریخیہ لکھے ہیں جن کے ضمن میں مجملاً حالات وفات کا بیان آ گیا ہے۔ بعنوان'' وفات نامہ منظوم'''' از مجذوب محروم'' وہ ہدیۂ ناظرین ہوں گے اوران کے بعد دیگر حضرات نے جو اشعار تاریخیہ وحزنیہ لکھ کر بھیجے ہیں ان کا اقتباس ایک مجموعہ کی صورت میں پیش کیا جائے گا۔

بشارات منام

حضرت اقدس قدس سرہ العزیز کی رفعت وعلوشان کے ثبوت کے لیے حضرت کی خدمات دینیہ جو آفتاب نصف النہار کی طرح درخشاں اور مشہور زماں ہیں بالکل کافی ہیں کسی مزید دلیل وشاہد کی حاجت نہیں۔ بمصداق ع آفتاب آمد دلیل آفتاب۔ بالخصوص خواب جیسی ظنی چیز جس کے متعلق خود حضرت اقدس ہمیشہ فرمایا کرتے تھے۔

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم　　چو غلام آفتابم ہمہ زا آفتاب گویم

ہمارے حضرت تو ماشاء اللہ آفتاب تھے اور اس آفتاب ہی کی باتیں اکثر سناتا بھی رہا ہوں اور ان شاء اللہ سناتا رہوں گا لیکن اب ان سے فارغ ہو کر محض بطور تفریح طبع خدام بارگاہ والا جس کی اس غم میں ضرورت بھی ہے بعض صلحا کے چند خواب بھی نقل کرتا ہوں، کیونکہ باوجود حجت نہ ہونے کے حدیث شریف میں سچے خوابوں کو مبشرات فرمایا گیا ہے اور ان میں حسب ارشاد حضرت والا بالطبع اور بالخاصہ اقناعیت کی شان ضرور ہوتی ہے جس سے انکار نہیں ہوسکتا کیونکہ اثر مشاہدہ ہے۔ چنانچہ خود حضرت اقدس نے بھی بعض خاص شان کے جواب نقل کرائے ہیں اور اس سلسلہ کا نام ،صدق الرویا ہے اسی میں سے ایک خاص شان کے خواب کی نقل سے ابتدا کرتا ہوں۔

ایک خادمہ رئیسہ نے حضرت اقدس کی وفات سے چھ ماہ قبل جبکہ اس قسم کے خیال کی کوئی

وجہ بھی نہ تھی ایک خواب دیکھا جو مع جوابات حضرت والاؒ اصدق الرؤیا سے نقل کیا جاتا ہے۔

خواب:...... میں نے دو تین دن ہوئے ایک خواب دیکھا کہ میں ایک جگہ پر گئی ہوں وہاں پر کسی تقریب کے سلسلہ میں فرش فروش اور سامان وغیرہ موجود ہے مگر وہ تقریب ختم ہو چکی ہے اور سامان وغیرہ اٹھایا جا رہا ہے کوئی شخص موجود ہیں میں نے ان سے دریافت حال کیا ہے تو انہوں نے یہ کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہاں تشریف لائے تھے میں نے پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیا فرماتے تھے، کچھ فرمایا تو اس شخص نے یہ کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ مولانا اشرف علی کو غروب ہوتا ہوا آفتاب سمجھو، میں نے اس خواب کی یہ تعبیر دی کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے عمر بڑھا دے گا۔ مگر جب سے میں نے یہ خواب دیکھا ہے دل کو ایک گونہ پریشانی ہے۔

(الجواب):...... پریشانی کی کوئی بات نہیں اس میں کوئی لفظ قریب زمانہ کا نہیں اور اگر کوئی ایسا لفظ اس میں مان لیا جائے تو قرب کی کوئی حد نہیں۔ قرآن مجید میں قیامت کو قریب فرمایا ہے جس کا اب تک بھی وقوع نہیں ہوا اور ممکن ہے کہ مقصود اس عنوان سے یہ مشورہ دینا ہو کہ دین حاصل کرنے میں دیر نہ کی جائے، اس قرب کا خیال رکھا جاوے۔ یہ تو خواب کے معنی میں گفتگو تھی، ایک شبہ کا جواب باقی ہے کہ امتی کو آفتاب فرمانا اور صحابہ کو نجوم فرمانا اس سے امتی کی تفضیل کا شبہ نہ کیا جاوے، وجہ تشبیہ دونوں جگہ جدا جدا ہیں، نیز صحابہ اور نجوم میں تعدد مشترک اور اس اُمتی اور آفتاب میں توحد ہے یہ تفاوت کی وجہ سے دونوں تشبیہوں میں، ورنہ دوسری حدیث میں صحابہ کو انبیاء سے اور ملائکہ سے بھی تشبیہ دی گئی ہے جن کے سامنے آفتاب بلکہ آسمانوں کو بھی کوئی حقیقت نہیں، پھر اس شبہ کی کیا گنجائش ہے۔ ۲۰ر محرم ۶۲ھ

۲۰ر محرم کا یہ جواب اور خط میں اس رئیسہ نے لکھا کہ دو تین دن ہوئے خواب دیکھا۔ حضرت اقدس نیم روزہ جواب دے دیا کرتے تھے۔ دو دن خط کے پہنچنے میں لگے ہوں گے تو ۱۸ر کا خط ہوگا۔ اس سے دو تین دن پہلے وہی ۱۶/۱۵ محرم حساب سے تاریخ خواب کی نکلتی ہے اور ۱۶/۱۵ رجب ہی کی شب کو حضرت اقدس نے رحلت فرمائی، اس حساب سے پورے چھ مہینے پہلے کا خواب ہے اور سبحان اللہ کیا صریح خواب ہے جس میں حضرت اقدس

کو آفتاب فرمایا گیا ہے۔ اس وقت پھر اوپر والے شعر کے صرف دوسرے مصرعہ کو اس آفتاب کی تشبیہ مبارک مقرر پڑھ لینے کو جی چاہتا ہے۔

ع چو غلامِ آفتابم ہمہ زآفتاب گویم

پنجاب کی ایک مسجد کے تہجد گزار امام نے ایک ہفتہ قبل وفات خواب دیکھا کہ بہت بڑا ہجوم ہے اور جنازہ رکھا ہوا ہے، انہوں نے ماجرا پوچھا معلوم ہوا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم رحلت فرما گئے ہیں یہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کا جنازہ ہے۔ آنکھ کھلنے پر انہوں نے یہ خواب بعض اہل علم سے بیان کیا۔ انہوں نے تعبیر دی کہ معلوم ہوتا ہے کہ بڑے عالم کا انتقال ہونے والا ہے۔ چنانچہ جب ایک ہفتہ بعد انہوں نے حضرت اقدس قدس سرہ العزیز کی وفات کا حال سنا تو فوراً اس خواب اور اس کی تعبیر کا ذکر کیا اور کہا کہ اب معلوم ہوا کہ اس کی تعبیر یہ تھی۔

پنجاب کی ایک دوسری مسجد کے خطیب نے جو سید ہیں اور حضرت مولانا انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں دوراتِ قبل یا بعد وفات دیکھا کہ آسمان پر لکھا گیا، جناح پھر تھوڑی دیر بعد لفظ جناح سے کچھ قبل لفظ قَد، نمودار ہوا پھر قد کے بعد لفظ کُسِرَ ظاہر ہوا پھر سب سے آخر میں الاسلام لکھا گیا، گویا مسلسل عبارت یوں ہوگی قَد کُسر جُناحُ الاسلام۔ جس کا ترجمہ ہے کہ اسلام کا بازو ٹوٹ گیا۔ آنکھ، کھلنے پر وہ سخت پریشان تھے کہ یا اللہ یہ کیا معاملہ ہے۔ اخبار میں حضرت قبلہ! قدس سرہ العزیز کی وفات کی خبر پڑھی پڑھتے ہی انہیں خیال آیا کہ بس یہی میرے خواب کی تعبیر ہے۔

اس میں بھی کیا شک ہے کیونکہ واقعی حضرت اقدس کی ذاتِ مقدس سے اسلام کو بڑی تقویت تھی، آپ واقعی اسلام کے لیے قوتِ بازو تھے۔ ایک مجاز صحبت نے حضرت اقدس کو بعد وفات حدیث کا درس دیتے ہوئے دیکھا۔ ایک خادم خاص حدیث کی کتاب کھولے ہوئے پڑھتے جاتے تھے اور حضرت معنی سمجھاتے جاتے تھے۔ خواب دیکھنے والے صاحب کو بھی نہایت شفقت سے قریب سے بہت بٹھا لیا۔ انہوں نے حضرت کو خواب ہی میں یہ فرماتے دیکھا کہ بھائی میں جارہا ہوں تھوڑا وقت ہے سب پڑھ لو یا یوں فرمایا جو پڑھنا ہو پڑھ لو۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت قبلہ مجسم قرآن اور حدیث میں رچے ہوئے ہیں یا ساری عمر

قرآن وحدیث ہی کے پڑھانے میں گزاری ہے اور مجسم نور معلوم ہوتے ہیں۔

ایک فاضل ومجاز خاص نے جو ہفتہ عشرہ قبل حاضر ہو کر دوسرے مقام پر تشریف لے گئے تھے وہیں عین شب میں خواب دیکھا کہ مولانا شبیر علی صاحب ان سے فرمارہے ہیں کہ حضرت مولانا کو پوری صحت ہوگئی۔ سو واقعی پوری ہی صحت ہوگئی۔ ایک محبّ خاص اور مجاز صحبت کو اس عقیدت وعظمت کی بناء پر جوان کے قلب میں تھی حضرت اقدس کے لئے دعا مغفرت مانگنے میں دلی کشمکش محسوس ہوتی تھی۔ انہوں نے خواب دیکھا کہ وہ یہاں خانقاہ میں حاضر ہیں دفعۃً حضرت تشریف لے آئے اور ان سے فرمایا کہ میری صحت کے لیے دعا مانگا کرو۔ اس کے بعد ناقل صاحب تحریر فرماتے ہیں (ع) حل ایں نکتہ ہم از روئے نگار آخر شد + بہر حال ان کی کشمکش رفع ہونے کی غیب سے صورت ہوگئی۔

ایک خواب جس سے احقر کو بہت انشراح ہوا اور اب تک ہے۔ اہل برادری میں سے ایک نو تعلیم یافتہ عہدہ دار نے اپنی جائے تعیناتی پر دیکھا اور دفن ہونے کے بعد جو بعد پہلی شب آئی یعنی سہ شنبہ اور چہار شنبہ کی درمیانی شب کو دیکھا کہ حضرت اقدس بے انتہا مسرور ہیں اور ایسے مسرور ہیں کہ مارے مسرت کے چہرہ مبارک بالکل سرخ ہو رہا ہے اور اس طرح وجد کر رہے ہیں جیسے کوئی مست ہو اور والہانہ ترنم کے ساتھ ایک فارسی کا شعر پڑھ رہے ہیں جو آنکھ کھلنے پر تو انہیں یاد تھا لیکن بعد کو خیال سے اتر گیا یاد پر زیادہ زور دینے سے کچھ کچھ ان کو یہ خیال ہوتا ہے کہ عجب نہیں یہ شعر ہو۔ کشتگان خنجر تسلیم را + ہر زماں از غیب جانے دیگر ست + لیکن جزماً نہیں کہہ سکتے۔ مضمون تو اس کا بالکل چسپاں ہے۔ وہ حضرت اقدسؒ کو اس مستانہ حالت میں دیکھ کر سخت تعجب کر رہے تھے کہ حضرت کو تو ایسی باتوں سے کبھی کوئی تعلق ہی نہیں رہا۔ یہ انہیں آج ہو کیا گیا۔ آنکھ کھلتے ہی انہوں نے اپنے ساتھی سے جو پاس ہی سو رہے تھے کہا بھائی میں نے ابھی ابھی یہ خواب دیکھا ہے اس کی تعبیر تو میرے ذہن میں یہی آرہی ہے کہ حضرت کا انتقال ہو گیا ہے کیونکہ اتنی بڑی مسرت حضرت جیسے ولی اللہ کو موت ہی سے ہو سکتی ہے چنانچہ بعد کو اس کی تصدیق ہوگئی۔

احقر نے تو اس خواب کو سن کر بے ساختہ یہ قطعہ پڑھ دیا جس کو حضرت اقدس خود بھی

نہایت جوش کے ساتھ اکثر مواقع پر پڑھ دیا کرتے تھے۔

خرم آں روز کزیں منزل ویراں بروم　　راحت جان طلبم وز پئے جاناں بروم
نذر کردم کہ اگر آید بسر ایں غم روزے　　تادر میکدہ شادان و غزلخواں بروم

اور حضرت اقدس ہی کو اتنی خوشی نہ ہوئی تو کس کو ہوتی کیونکہ ایک عمر اسی اندیشہ اور فکر میں گزاری کہ دیکھئے خاتمہ کیسا ہوتا ہے۔ بس اسی پر سب دارومدار ہے اور اس کی کسی کو خبر نہیں، جب کبھی یہ ذکر آتا سراپا ہیبت وخشیت معلوم ہونے لگتی غرض ہمیشہ اسی دھڑکے میں رہے تو ایسے صاحب مقام ہیبت سے بڑھ کر کس کو اطمینان آخرت کے بعد مسرت ہوسکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے طفیل سے اعلیٰ درجہ کا حسن خاتمہ نصیب فرما کر جنت میں معیت دائمی کا شرف عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

ایک بی بی صاحبہ نے جو حضرت کی بہت قریبی عزیز ہیں حضرت کے انتقال سے صرف دو دن قبل ایک خواب دیکھا جس سے ان کو حضرت اقدس کے متعلق سخت اندیشہ ہو کر اتنی پریشانی ہوئی کہ فوراً اپنے شوہر صاحب کو جگایا، انہوں نے تسلی دی کہ خوشی کی بات ہے کہ تم کو اللہ تعالیٰ نے جنت دکھلائی ہے، گھروں میں جب وہ خواب نقل کیا گیا تو رونا شروع ہو گیا۔

وہ خواب یہ ہے کہ ایک بہت بڑا مکان ہے جس کے چاروں طرف دریا اور باغیچہ ہے، اس مکان کے اندر ہزاروں بے شمار مخلوق ہے، مرد، عورتیں، بچے، جانور اور آسمان سے بھی آدمی اُتر رہے ہیں کسی نے کہا کہ فرشتے ہیں، یہ سب کے سب سجدے کر رہے ہیں، جانور بھی سجدے کر رہے تھے، جو آتا جاتا تھا وہ سجدہ کرتا جاتا تھا، انہوں نے کہا کہ یہ کیا بات ہے یہ نماز کیسی پڑھی جارہی ہے، کسی نے کہا کہ تجھے خبر نہیں کہ یہ جنازہ جو مکان کے بیچ میں رکھا ہوا ہے اس کی نماز پڑھائی جارہی ہے۔ جناب جب دیکھا تو اس پر سیاہ رنگ کی چادر جیسی حضرت اقدس اوڑھا کرتے تھے اس پر پڑی ہوئی تھی فلاں فلاں، خاص خاص آدمی جو اکثر حضرت کی مجلس میں رہا کرتے تھے انہوں نے کہا کہ یہ ٹھیک نہیں ہے کہ عورتیں مردوں کے ساتھ ملی جلی ہیں عورتوں کو دو قناتوں کے بیچ میں کرلیا اور وہ لوگ قناتوں کو پکڑے ہوئے تھے۔ الخ۔ (چونکہ آگے کا حصہ حضرت اقدس کے متعلق نہ تھا اس لئے اس کو یہاں نقل کرنا ضروری نہیں سمجھا گیا۔ ۱۲ مؤلف)

احقر کے ذوق میں یہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مخدوم العالم ہونے کی صورت مثالی تھی واللہ اعلم بحقیقۃ الحال، نیز سیاہ رنگ کی تعبیر حضرت اقدس فنا سے کیا کرتے تھے۔ ان دونوں مقامات عالیہ پر متمکن ہونا حضرت اقدس کے مجموعی حالات سے روزِ روشن کی طرح ظاہر و باہر ہے۔ شاملی جو تھانہ بھون سے صرف دو اسٹیشن کے فاصلہ پر واقع ہے وہاں کی مسجد کے ایک امام صاحب نے جو بہت صالح ہیں حضرت جنید بغدادیؒ کو شب وفات خواب میں دیکھا فرماتے ہیں کہ کلمہ طیبہ پڑھو انہوں نے درود شریف پڑھنا شروع کر دیا فرمایا کہ نہیں یہ کلمہ طیبہ ہی پڑھنے کا وقت ہے، انہوں نے پوچھا کیوں، فرمایا اس کی وجہ صبح معلوم ہو جائے گی، چنانچہ صبح ہوتے ہی ان کو حضرت اقدس کی وفات کی خبر پہنچ گئی اور فوراً وہاں سے روانہ ہو کر نماز جنازہ اور دفن میں شریک ہو گئے۔

قریب وفات اس زمانہ میں جبکہ غنودگی بے اختیار بار بار طاری ہو چکی تھی۔ ایک دفعہ بعد ظہر خطوط کے جوابات لکھوا چکے تو حضرت اقدسؒ کو غنودگی کا جھونکا سا آ گیا، پھر چونک پڑے اور فرمایا کہ ابھی ایسا معلوم ہوا کہ اس وقت تخت پر ایک لفافہ رکھا ہوا ہے۔ جس پر عبدالعزیز لکھا ہے۔ احقر نے عرض کیا کہ ابھی حضرت نے خطوط لکھوانے ہیں وہی خیال رہا، فرمایا مگر عبدالعزیز نام کیوں دیکھا۔ اس پر احقر کو کھٹک پیدا ہوگئی کہ کہیں حضرت اقدسؒ کی عمر اور جامعیت کی طرف سے تو اشارہ نہیں ہے چنانچہ دریافت پر معلوم ہوا کہ حضرت شاہ صاحب کی عمر بھی تقریباً اتنی ہی ہوئی ہے جتنی حضرت کی تھی اور شان جامعیت میں تشابہ تو ظاہر ہے۔

ایک خاص اہل علم مجاز صحبت کا جو عین وفات کے دن بھی حاضر تھے اور غسل و دفن وغیرہ میں بھی شریک رہے خواب انہیں کے الفاظ میں ملاحظہ ہو۔ تقریباً شب برات یا دو چار یوم بعد کا واقعہ ہے کہ خواب میں ایک بہت بڑے شہر میں ایک عظیم الشان جلوس دیکھا، قریب پہنچنے پر معلوم ہوا کہ حضرت حکیم الامت قدس سرہ کا جلوس ہے جب خود سریر مبارک قریب پہنچا مجمع کا زیادہ ہجوم ہوا اور کوئی شناسا نظر نہ آیا تو دفعۃً خیال آیا کہ یہ تو فرشتوں کا مجمع ہے ایک جگہ ادب کے ساتھ دیوار سے لگ کر کھڑا ہو گیا جہاں سے راستہ گھومتا تھا اور بہت اونچی جگہ چڑھنے کے لیے زینہ شروع ہوتا تھا جب اس عالی مقام سے جہاں پہنچنا اصل مقصد معلوم ہوتا تھا اور بدیہی طور پر دل میں آتا تھا کہ حضوری خاص مقام ہے جلوس واپس آیا اس وقت حضرت والا کی نگاہ مبارک اس ناچیز پر پڑی۔ جہاں میں کھڑا تھا وہاں سے

تھوڑی دور پہلے ہی سے احقر کی طرف خاص توجہ فرمائی اور قریب پہنچنے پر ذرا جھک کر فرمایا کہ اب ہمیں کوئی ضعف نہیں محض خوشی میں تفریحاً گشت کر رہے ہیں۔ مطلب یہ تھا کہ یہ جو سریر پر بیٹھے دوسروں کے کندھوں پر چل رہے ہیں یہ بوجہ ضعف کے نہیں ہے بلکہ محض خوشی میں گشت کر رہے ہیں اول فقرہ نہایت قوی آواز سے فرمایا جس سے ایک خاص طور پر تاکید نفی کی مدنظر تھی اور دوسرا فقرہ سر جھکا کر مسکراہٹ کے ساتھ فرمایا۔

اس نفی ضعف پر حضرت اقدس قدس سرہ العزیز کا ایک ارشاد یاد آیا۔

حضرت اقدس کے ایک بہت معمر عزیز خاص کا حضرت کی وفات سے صرف تقریباً دو ماہ قبل انتقال ہوا چونکہ وہ بزرگ بہت نحیف الجثہ تھے اور علالت طویلہ نے تو ان کو بالکل ہی گھلا دیا تھا جیسا کہ خود حضرت اقدس رحمۃ اللہ کا بھی بالکل آخر میں ایسا ہی حال گیا تھا۔

احقر نے حضرت سے عرض کیا کہ سوائے پوست واستخواں کے کچھ ان میں بعد وفات رہا ہی نہ تھا اور عجیب ہیبت ہوگئی تھی تو فرمایا کہ اجی جسم میں کیا رکھا ہے، اصل چیز تو روح ہے اس میں کوئی تغیر نہیں ہوتا وہ اپنی اصلی حالت میں رہتی ہے۔ ایک مجاز بیعت نے جن کو خوابوں سے خاص مناسبت ہے۔ دو خواب یکساں متواتر دیکھے۔ جو خاص شان کے ہیں۔ ان کو انہیں کے الفاظ میں اس پرچہ سے نقل کیا جاتا ہے جس پر انہوں نے وہ دونوں خواب تحریراً حسب خواہش درخواست ایک شائق کو دے دیئے تھے جس کو وہ بغایت شوق بڑے اہتمام سے اپنے پاس محفوظ رکھے ہوئے ہیں۔

(پہلا خواب) بندہ نے ۱۶ ررجب بدھ کی رات کو (یعنی حضرت اقدس کے بروز سہ شنبہ دفن ہو جانے کے بعد جورات آئی اس میں ۱۲ مؤلف) بعد نصف شب حضرت مرشدی قدس سرہ العزیز کو خواب میں دیکھا۔ فرمایا مجھے مُردہ نہ سمجھو میں زندہ ہوں جس طرح میری حیات میں مجھ سے فیض لیتے رہتے تھے فیض لیتے رہنا فیض ہوتا رہے گا اور مجھے مقام شہداء نصیب ہوا یا فرمایا کہ مقامِ شہود نصیب ہوا۔ اس کے بعد ایک آیت تلاوت فرمائی وہ یاد نہیں رہی۔ اتنا یاد ہے کہ اس میں لفظ شہداء وصدیقین ہے۔ اس قسم کی آیت پارہ والمحصنت رکوع ۵ کے آخر میں تو ہے من یطع اللّٰہ والرسول فاولئک مع الذین انعم اللّٰہ علیھم من النبیین والصدیقین والشھداء والصلحین و حسن اولئک رفیقاً۔ پھر آنکھ کھل گئی، بندہ پھر سو گیا، پھر اسی

طرح دیکھا، پھر آنکھ کھل گئی، پھر سوگیا، پھر اسی طرح دیکھا، پھر آنکھ کھل گئی تو زبان پر تھا'' کہہ دیا جائے''۔ جس وقت حضرت نے فرمایا تھا فیض لیتے رہنا، فیض ہوتا رہے گا، اس وقت بطور علم ضروری قلب میں یہ وارد ہوا کہ مراد تصنیفات اور خاص کر ملفوظات کا مطالعہ ہے۔

(دوسرا خواب)...... وفات کے آٹھویں روز صبح صادق کے قریب پھر بندہ نے ایک خواب دیکھا کہ بندہ کسی مدرسہ میں ہے حضرت اقدس قدس سرہ العزیز تشریف لائے فرمایا تم نے اب تک وہ پیغام نہیں پہنچایا۔ انتظار رہا۔ بندہ نے عرض کیا کہ حضرت حافظہ ایسا کمزور ہے کہ بات یاد نہیں رہتی، یہ کہہ کر بندہ رونے لگا، حضرت نے فرمایا ہاتھ کے ہاتھ کام پورا کر دینا چاہیے، انضباط اوقات چاہیے، پھر حضرت ایک دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ وہاں ایک بچہ بیٹھا ہوا تھا وہ بھی رونے لگا حضرت نے اس بچہ سے فرمایا تم کیوں روتے ہو، اس نے کہا یہ روتے ہیں اور کہتے ہیں مجھے یاد نہیں رہتی اس لئے میں بھی روتا ہوں، مجھے بھی بات یاد نہیں رہتی، حضرت نے انگشت شہادت لبوں پر رکھ کر اور پھر ہلا کر اشارہ فرمایا بچہ کی طرف جس سے بندہ کو اشارہ فرمایا کہ رومت یہ بچہ بھی تم کو دیکھ کر روتا ہے۔ بندہ چپ ہوگیا وہ بھی چپ ہوگیا۔ اس کے بعد بندہ سوچنے لگا کہ پیغام تو پہنچ چکا ہے یہ کیا بات (از مؤلف انہوں نے احقر سے بیان فرما دیا تھا اور احقر نے اوروں سے ۱۲) فوراً حضرت نے فرمایا چھوٹے گھر، بندہ نے عرض کیا اب پہنچا دوں گا، تختی دھلاؤں فرمایا تختی کیا کروگے بندہ نے عرض کیا لکھ کر پہنچا دوں گا، فرمایا اچھی بات ہے، بس پھر آنکھ کھل گئی اور صبح کو پرچہ لکھ کر حضرت مخدومہ محترمہ چھوٹی پیرانی صاحبہ کی خدمت میں دونوں خواب کو پہنچا دیا گیا۔ فقط

ایک اور اہل خصوصیت ذی وجاہت مجاز صحبت نے بھی شب جمعہ پچھلے پہر ۱۹/ رجب یعنی وفات شریف سے تیسرے دن حضرت کو خواب میں دیکھا کہ ایک چارپائی پر چار زانو زندہ بیٹھے ہیں، چہرہ مبارک گول ہے اور بے ریش ہے رنگ سانولا ہی بدن اوسط درجہ کا ہے اس وقت حضرت کو گویا اس پر الجھن تھی کہ احباب کو میرے انتقال کی خبر دے دی گئی ہے حالانکہ میں زندہ ہوں، پھر ایسا معلوم ہوا جیسے کسی نے اس پر کچھ عرض کیا۔ اس پر حسب عادت فرمایا اس سے کیا ہوتا ہے پھر صاحب رویا نے عرض کیا کہ حضرت اب پھر خطوط کے ذریعہ سے مکرر اطلاع دے دی جائے گی۔ خواب ہی میں ان صاحب کو یہ دیکھ کر بے انتہاء مسرت تھی کہ الحمدللہ حضرت زندہ ہیں

انتقال نہیں فرمایا، یہ دونوں خواب سن کر احقر کو بے حد انشراح واطمینان ہوا کیونکہ میں خود وفات شریف کے بعد ہی سے نہایت جوش اور وثوق کے ساتھ بار باران اشعار کو پڑھ رہا تھا۔

ہنوز آں ابر رحمت درفشان است	خم و خمخانہ با مہر و نشان است
ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق	ثبت است برجریدۂ عالم دوام ما

اور کہہ رہا تھا کہ میں تو بفضلہٖ تعالیٰ حضرت اقدس کے برکات کو اب بھی ویسا ہی پا رہا ہوں۔ بلکہ اب تو واللہ پہلے سے بھی زیادہ محسوس کر رہا ہوں، بس یہ سمجھتا ہوں کہ اب حضرت بجائے خانقاہ کے تکیہ میں آرام فرما ہیں۔ اور ایک میں ہی کیا متعدد صاحبوں نے احقر کے اس خیال کی تائید فرمائی اور بعض نے تو اس وثوق سے کہا چاہے کوئی حلف لے ایک صاحب ذوق تو اب بھی بقسم کہہ رہے ہیں کہ مجھ کو جو نفع عظیم ہوا وہ بعد وفات ہی کے ہوا اور میں کیوں قسم نہ کھاؤں جب میں اس کو خود اپنے اندر محسوس کر رہا ہوں اور مشاہدہ کر رہا ہوں اور اس کو محض حق تعالیٰ کی طرف سے توفیق رسانی سمجھتا ہوں جو حضرت اقدس کے ساتھ تعلق کی برکت سے ہو رہی ہے۔

اس نفع عظیم بعد وفات پر جس کا احقر بھی شاہد ہے۔ احقر نے ایک قطعہ عرض کیا ہے۔

شام شب فرقت میں بھی انوار سحر ہیں	اے نورِ مجسم یہ تری یاد کا عالم
دل نور، جگر نور، سخن نور، نظر نور	یہ کیا ہے مری خاطر ناشاد کا عالم

اس پر حضرت اقدس کا ارشاد یاد آیا کہ جب میں حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے رخصت ہو کر ہندوستان واپس آنے لگا تو فرمایا کہ وہاں بھی انشاء اللہ تعالیٰ فیض پہنچتا رہے گا کیونکہ اصل فیض پہنچانے والے تو اللہ تعالیٰ ہی ہیں اور شیخ محض واسطہ اور ان کے اسم ہادی کا مظہر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے فیض کے لئے مکان وزمان کی کوئی قید نہیں۔

بہر حال ان سب وجدانیات کو ظنیات ہی سمجھا جائے غلط فہمی نہ ہونے پائے کیونکہ اس پر جو قسم کھالی گئی ہے وہ اپنے احساس کے وجود کی قسم ہے نہ اس کے مطابق واقع ہونے کی، اس کے متعلق خود حضرت اقدسؒ کی تحقیق بھی آگے آتی ہے۔

ایک مجازِ صحبت جن پر حضرت اقدس کی وفات کا اس درجہ اثر تھا کہ بار بار بیتابانہ بے اختیار کہتے تھے۔ ہائے میرے شیخ، ہائے میرے شیخ۔ ان کو اس وجہ سے اور بھی زیادہ قلق اور صدمہ تھا کہ میں تو ادھورا ہی رہ گیا ہوں۔ اب میں کس سے اپنی تکمیل کراؤں گا۔ ان کی یہ

حالت گویا ان اشعار کی مصداق تھی۔

اے ٹوٹے ہوئے دل تری فریاد کا عالم ‏ بدلا نہ کہیں عالم ایجاد کا عالم

اب تو ہے اوراس خانہ برباد کا عالم ‏ معمور تھا جادوں سے اورار مانوں سے کیا کیا

وہ خود احقر سے بیان کرتے تھے کہ میرے دل میں یہ خیال تو رہتا ہی تھا، جب مزار شریف پر حاضر ہوا تو اس وقت بھی یہی افسوس اور حسرت دل میں تھی، تھوڑی دیر بعد دل میں یہ اطمینان کے ساتھ آیا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ تکمیل ہو جائے گی۔ بس اس کے بعد فوراً قلب میں سکون کی کیفیت پیدا ہوگئی۔

ایک اور مجاز بیعت جو بڑے علماء میں سے ہیں اور جوان حضرات اہل علم میں سے ہیں جن کو حضرت اقدس کتاب دلائل القرآن علی مسائل ابی حنفیہ النعمان کی دو دو منزلیں تصنیف کرنے کے لیے سپرد فرما گئے ہیں، خود احقر سے بیان فرماتے تھے کہ ایک مقام دورانِ تصنیف میں ایسا آیا جس میں ایسے اشکال کی تقریر کرنی تھی جو کئی سال سے ان کو درپیش تھا اور جس کو وہ خود حضرت اقدس سے حضرت کی حیات میں حل کرنا چاہتے تھے لیکن چونکہ اس میں بہت سی کتابیں پیش کرنے کی ضرورت تھی اور حضرت کی صحت اس کی متحمل نہ تھی اس لئے اس اشکال کے حل کی نوبت ہی نہ آسکی۔ بہرحال جیسے تیسے انہوں نے مجبوراً کچھ تحریر لکھی لیکن وہ بالکل دل کو نہ لگی اس لئے اس کو پھاڑ دیا، دل گھبرایا اور حضرت کی وہ شان یاد آئی۔

اے لقائے تو جوابِ ہر سوال ‏ مشکل از تو حل شود بے قیل و قال

اسی حیرت و حسرت کی حالت میں حسب معمول مزار پر بغرض فاتحہ حاضر ہوئے تو اس وقت بھی یہی خیال تھا چنانچہ بعون اللہ تعالیٰ و ببرکت حضرت والا اب جو لکھنے بیٹھے تو اس انشراح و بسط کے ساتھ وہ اشکال حل ہوا کہ پھر کچھ تردد ہی باقی نہ رہا اور اس کو فوراً قلمبند فرمالیا۔ فرماتے تھے کہ چونکہ کئی سال کا اشکال تھا اس کے دفعۃً حل ہو جانے سے مجھے اس درجہ مسرت ہوئی کہ رات بھر نیند نہیں آئی۔ اور جیسے اشکال حل ہونے سے پہلے یہ حسرت تھی کہ کس سے حل کروں، اسی طرح اب یہ حسرت پیدا ہوگئی کہ کس کو دکھاؤں جو دیکھ کر خوش ہوں۔

احقر نے عرض کیا کہ اب اس کا ثواب حضرت اقدس کی رُوح پرفتوح کو پہنچا دیئے ان شاء اللہ تعالیٰ وہاں مسرور ہو جائیں گے یہ تجویز انہیں بہت پسند آئی اور فوراً ثواب بخش دیا۔

اور مزارات بزرگاں سے اس قسم کی برکات اکابر اہل حق سے منقول ہیں۔ چنانچہ یہاں خانقاہ میں بھی ایک بہت بڑے مشہور عالم قاضی محمد اعلیٰ مصنف "کشاف الظنون عن اصطلاحاتِ الفنون" کا مزار ہے۔ جس کی یہ برکت بزرگوں سے منقول اور معمول چلی آ رہی ہے کہ اگر کسی طالب علم کو سبق یاد نہ ہوتا ہو یا کسی کو کوئی اشکال علمی کسی کتاب کے متعلق حل نہ ہوتا ہو تو اس مزار کے پاس مطالعہ کرنے سے عموماً سبق یاد ہو جاتا ہے اور اشکال بھی حل ہو جاتا ہے، خود حضرت اقدس سے بھی یہ روایت سنی ہے۔ ان حضرات علما میں سے جن کے سپرد دلائل القرآن کی تصنیف ہے۔ ایک صاحب نے خواب میں دیکھا کہ حضرت اقدس اپنی سہ دری میں بیٹھے ہیں، سورۃ یٰسین کی پہلی آیت تلاوت فرمائی پھر مجھ کو اشارہ فرمایا تو میں اس کی تفسیر بیان کرنے لگا۔ چنانچہ بفضلہٖ تعالیٰ برکت حضرت والا حضرت والا کے بعد جو یہ کام بہت مشکل معلوم ہو رہا تھا اب الحمدللہ اس میں سہولت پیدا ہو گئی ہے۔ اور شرح صدر سا ہو گیا ہے، اب بحمداللہ ذہن خوب چل رہا ہے اور خوب مضامین آ رہے ہیں اللّٰھم زد فزد۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اعانت فرماتے رہیں اور اس کار مفوضہ کو باحسن وجوہ انجام کو پہنچائیں۔

اہل خانقاہ میں سے ایک بہت ہی صالح شخص نے خواب دیکھا کہ انتظامی امر کے متعلق حضرت نے ان سے جناب مہتمم صاحب یعنی مولانا شبیر علی صاحب سے مشورہ لینے کے لیے کہا۔ جب انہوں نے مشورہ لیکر ان کی رائے حضرت کے سامنے پیش کی تو فرمایا کہ ایسے امور میں تو وہ اساتذہ کا درجہ رکھتے ہیں، ان کے یہاں سب یقینیات ہی ہیں، ظنیات ہیں ہی نہیں۔ چنانچہ واقعی حسن سلیقہ اور مستعدی اور بالکل حضرت کے طرز اور مذاق کے مطابق وہ مدرسہ اور خانقاہ کے انتظام کو سنبھالے ہوئے ہیں اور بدستور قائم رکھے ہوئے ہیں اس سے بہت ہی اطمینان ہے اور توقع ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ حسب وبوصیت ومنشائے حضرت اقدس سب انتظامات بدستور قائم رہیں گے، اللہ تعالیٰ برابر اعانت فرماتے رہیں۔

بس اب اس دعا پر ختم کرتا ہوں کہ ہم سب خدام کو جو سر پرست رہ گئے ہیں حضرت اقدس کی روحانیت سے بدستور مستفیض فرماتا رہے اور ہر گمراہی اور فسادِ عقیدہ وعمل سے ببرکت حضرت اقدس ہمیشہ محفوظ رکھے اور حضرت اقدس کی تعلیمات وہدایات پر پہلے سے زیادہ توجہ اور استقامت کے ساتھ کاربند فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

شہادات انام

سن تو سہی جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا　　　کہتی ہے تجھ کو خلق خدا غائبانہ کیا

گو بفضلہ تعالیٰ حضرت والا رحمۃ اللہ تعالیٰ کے کمالات علمیہ وعملیہ حالیہ آفتاب نصف النہار کی طرح روشن اور ایسے مشہور زمانہ ہیں کہ ان کے لئے اب کسی شہادت کی حاجت نہیں، بالخصوص شہادت انام کی بمصداق ع آفتاب آمد دلیل آفتاب لیکن صحیح بخاری ومسلم کی حدیث انتم شهداء الله فی الارض جو ایسے ہی موقع پر ارشاد فرمائی گئی تھی۔ یہ ظاہر کرتی ہے کہ اگر کسی کے مرنے کے بعد عام طور سے لوگ اس کی تعریفیں کریں تو اس کی توقع ہے کہ وہ عنداللہ بھی اچھا تھا کیونکہ حسب ارشاد نبوی انتم شهداء الله فی الارض عامۃ الناس بھی زمین پر اللہ تعالیٰ کے گواہ ہوتے ہیں۔ یہی مضمون ایک روایت میں یوں آیا ہے۔ فی آخر حدیث انسؓ ان الله ملائكة تنطق على السنة بنى ادم بمافى لمرؤمن الخير و الشر (فتح الباری ج ۳ نمبر ۱۸۳) یعنی اللہ تعالیٰ نے بعض فرشتے متعین فرما رکھے ہیں کہ وہ انسان کا خیر و شر لوگوں کی زبانوں پر جاری کر دیں۔ نیز اپنے محبوب کی ہر کس و ناکس سے تعریفیں سن کر محبین کو خوشی بھی ہوتی ہے جس کی ان کو اس غم میں ضرورت بھی ہے اس لئے سینکڑوں واقعات اور تحریرات میں سے جو سننے یا دیکھنے میں آئیں صرف چند ہی بطور نمونہ پیش ہے۔

ملک کی جتنی مسلم جماعتیں ہیں جن میں وہ بھی شامل ہیں جن کو حضرت اقدس سے کچھ سیاسی یا مشربی اختلافات بھی تھا قریب قریب سب نے بالاتفاق اس خسارہ کو عظیم محسوس کیا، جگہ جگہ تعزیتی جلسے ہوئے، تقریریں ہوئیں اور تقریروں کے وقت بعض مقررین و سامعین کی ہچکیاں بندھ گئیں، ریزولیشن پاس ہوئے، فاتحہ خوانی اور قرآن خوانی ہوئی، بعض بعض جگہ مدارس بند ہوئے بلکہ دکانیں بھی ہوئیں اور بعض جگہ اس ڈر سے کہ کہیں ناجائز نہ ہو اس ارادہ پر عمل کی ہمت نہ ہوئی، حالانکہ وہ آزاد لوگ تھے لیکن حضرت اقدسؒ کی دینی شخصیت کا اتنا اثر سب پر تھا کہ خود بھی حضرت کے معاملہ میں احتیاط کے خلاف کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اکثر جگہ بہت بہت ایصال

ثواب کیا گیا۔ پانی پت سے اطلاع ملی کہ ۳۲ یا ۳۴ قرآن شریف ختم کیے گئے، وہاں حفاظ کی بہت کثرت ہے۔ متعدد جگہ تقسیم طعام کے ذریعہ بھی ایصال ثواب کیا گیا۔ غرض اپنے اپنے خیال اور اپنے مشرب کے مطابق سبھی نے اظہار غم اور ایصال ثواب کیا۔ تمام ملکی جرائد میں جن میں غیر مسلم بھی تھے اس خبر کو خاص اہمیت کے ساتھ شائع کیا بلکہ جہاں تک سننے میں آیا سب سے پہلے ایک غیر مسلم اخبار ہی نے اس خبر کو بہت اچھے عنوان کے ساتھ شائع کیا۔

احقر نے بعض اخباروں کے مضامین جو انہوں نے حضرت اقدس کے کمالات کے متعلق شائع کیے دیکھے تو حیرت ہوگئی کہ ان لوگوں کو اتنی واقفیت کیسے حاصل ہوگئی اور یہ تو ایسے مضامین لکھ رہے ہیں جیسے کوئی حضرت اقدس کے کمالات کا پورا واقف اور معتقد لکھ رہا ہو ، حالانکہ بظاہر کوئی تعلق بھی نہ تھا، بلکہ بعض تو مختلف المشرب بھی تھے کیوں نہ ہو حق تعالیٰ نے حضرت اقدس کو اپنی محبوبیت اور قبول عام سے مشرف فرمایا تھا اور حسب روایت منقولہ بالا فرشتے سب کی زبانوں سے تعریفیں جاری کرا رہے تھے اور سرتاسر حقیقت کے مطابق تھیں جیسا کہ عنقریب بعض اقتباسات سے ظاہر ہوگا بلکہ یوں کہیے کہ ان صاحبوں نے گویا ہمارا ہاتھ بٹایا اور مختصر مختصر جامع مانع عنوانات سے عنقریب سے گویا حضرت اقدس کے سوانح حیات کا خلاصہ ہمیں دے دیا جس کے ہم اس واسطے بھی ممنون اور دعا گو ہیں کہ اگر یہی کہتے تو ممکن ہے اس پر محمول ہوتا کہ پیراں نمی پرند امریداں می پرانند، غیر متعلق اصحاب پر تو اس کا بھی شبہ نہیں ہوسکتا۔ **فالحمدللّٰہ و جزاھم اللّٰہ تعالیٰ عنا و عن جمیع المسلمین احسن الجزاء فی الاخرۃ والاولیٰ۔**

حضرت اقدسؒ کی علالت کے زمانہ میں جس نے سنا دل سے دعا دی اور تمنا ظاہر کی کہ اجی وہ تو بڑے شخص ہیں خدا کرے جلد اچھے ہو جائیں یہاں تک کہ غیر مسلموں کے بھی یہی الفاظ ہوتے ہیں ایک بہت بوڑھے شخص نے جو مسلمان تھا اور جس نے کبھی حضرت اقدس کی زیارت بھی نہیں کی تھی جب وفات کی خبر سنی تو بے اختیار پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا اور کہنے لگا کہ اجی ان کی کیا بات تھی۔ اگر کسی مسئلہ کی ضرورت ہوتی تھی تو پہلے ڈھونڈتے پھرتے تھے اور کوئی مسئلہ بتانے والا نہ ملتا تھا اور اب ہمارے گھر کی لونڈیاں بھی بہشتی زیور دیکھ کر بتا دیتی ہیں۔

بعض جرائد نے یہاں تک لکھا کہ اگر مولانا اپنی تصانیف کی رجسٹری کرا لیتے اور خود اشاعت کرتے تو آج کم از کم چالیس پچاس لاکھ روپیہ چھوڑ کر جاتے۔ بعض نے اپنے الفاظ میں لکھا کہ بے نظیر ہستی تھی اور اب صدیوں ایسی ہستی دنیا نہیں پیدا کر سکتی، بعض نے لکھا کہ متعدد کتابیں تو ایسی تصنیف کی ہیں کہ جن کی نظیر سلف میں بھی نہیں پائی جاتی، بعض نے لکھا کہ مولانا نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی ان کی اولاد ان کی تصانیف کثیرہ ہیں۔

دو تین جریدے جو اس وقت اتفاق سے میرے پاس موجود ہیں ان کا بقدر ضرورت اقتباس ذیل میں درج ہے۔ چنانچہ رسالہ البرہان دہلی مورخہ اگست ۴۳ء میں اس حادثہ کا اظہار مضمون ذیل میں کیا گیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آہ حکیم الامت

انک میت و انھم میتون

یوں تو موت اس عالم آب وگل کی ہر اس چیز کے لئے ہی مقدر ہے جو زندگی کا عاریتی لباس پہن کر بساط ہستی پر نمودار ہوئی ہے۔ لیکن جس طرح زندگی زندگی میں فرق ہوتا ہے۔ اسی طرح ہر ایک کی موت بھی یکساں نہیں ہوتی، کبھی کبھی ایسی اموات بھی واقع ہوتی ہیں جو صرف افراد واشخاص کی اموات نہیں ہوتیں بلکہ ان ہزاروں لاکھوں انسانوں کی عمارت حیات بھی اس سے متزلزل ہو جاتی ہے جو مرنے والے کے دامانِ عقیدت وارادت سے وابستہ ہوتے ہیں۔ پھر اس کی موت کا ماتم آنکھوں کے چند قطرہائے اشک سے نہیں ہوتا۔ بلکہ ہزاروں دلوں کی پرسکون آبادیاں ایک مستقل غمکدۂ آمال دامانی بن کر رہ جاتی ہیں۔ امیدوں اور ولولوں کے چراغ بجھ جاتے ہیں۔ نشاط و کامرانی حیات کے آتشکدے سرد ہو جاتے ہیں اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس حادثۂ جان کاہ نے کائناتِ عالم کی ہر ہر چیز کو اُداس اور غمگین بنا دیا ہے۔ اسی قسم کی ایک موت پر عربی شاعر نے کہا تھا۔

وما کان قیس ھلکہ ھلک واحد ولکنہ بنیان قومٍ تھدما

قیس کا مرنا صرف ایک شخص کا مرنا نہیں ہے بلکہ وہ ایک قوم کی بنیاد تھا جو منہدم ہو گئی۔

گذشتہ ماہ جولائی کی تاریخ ۱۹/۲۰ کی درمیانی شب کو تقریباً دس بجے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کا جو سانحہ ارتحال پیش آیا وہ اسی قسم کا سانحہ تھا۔ حضرت مولانا جس طرح شریعت کے عالم متبحر تھے طریقت اور سلوک میں بھی مقارم رفیع کے مالک تھے۔ ان کی ذات علوم ظاہری و باطنی کا مخزن تھی۔ علم سفینہ سے زیادہ علم سینہ ان کا

اصلی جوہر اور زیور تھا۔ تحریریں علم و فضل کا معدن ہوتی تھیں اور تقریر بھی بلا کی اثر انگیز تھی وہ جس بات کو حق سمجھتے تھے اسے برملا کہتے اور کرتے تھے اور اس میں انہیں کسی لومۃ لائم کی پروا نہیں ہوتی تھی۔ خود ایک درویش گوشہ نشین تھے۔ مگر ان کا آستانہ بڑے بڑے اربابِ ثروت و دولت اور اصحابِ علم و فضل کی عقیدت گاہ تھا جو بات اور جو عمل تھا اخلاص اور دیانت کے ساتھ تھا۔ دنیوی وجاہت و شہرت اور مالی حرص و آز کا شاید دل کے آس پاس بھی کہیں گزر نہ ہوا تھا۔ اپنے اصول اور اپنے عقیدہ و خیال پر اس مضبوطی اور پختگی سے عمل پیرا ہوتے تھے کہ دنیا کی کوئی طاقت ان کو اس سے منحرف نہیں کر سکتی تھی۔ حضرت مرحوم کا آستانہ معرفت و روحانیت کا ایک ایسا چشمہ صافی تھا کہ ہزاروں تشنہ کام آتے اور سیراب ہو کر جاتے تھے وہ جن کی زندگیاں معصیت کوشی اور عصیاں آلودگی میں بسر ہوئی تھی یہاں سے پاک و صاف ہو کر اور گوہر مقصود سے دامانِ آرزو کو بھر کر واپس لوٹتے تھے۔ ان کی زندگی اتباع سنت کا ایک زندہ درس اور ان کی گفتگو اسرار و رموز طریقت کا دفتر گرانمایہ تھی۔ بعض مسائل میں علماء ہند کی ایک جماعت کو ان سے ہمیشہ اختلاف رہا لیکن تقویٰ و طہارت، تفقہ فی الدین شرعی علوم میں مہارت و بصیرت راست گفتاری اور مخلصانہ عمل کوشی، انابت الی اللہ، بے لوث خدمت دین، بے غرضانہ تلقین رشد و ہدایت حضرت مرحوم کے یہ وہ اوصاف عالیہ اور فضائل حمیدہ تھے جو ہر موافق و مخالف کے نزدیک برابر مسلم رہے۔ بعض عوارض و امقام کی بناء پر گوشہ نشین ہونے سے قبل اپنے مواعظِ حسنہ اور اپنی کثیر تصانیف کے ذریعہ حضرتِ مرحوم نے اصلاح عقائد و اعمال اور ابطال رسوم و بدعات کی جو عظیم الشان خدمت انجام دی ہے وہ غالباً تمام ہم عصروں میں ان کا واحد طغرائے امتیاز ہے۔ قوم نے ان کو ''حکیم الامت'' کا خطاب دیا تھا اور بالکل بجا دیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت مرحوم نے اپنی تحریروں اور تقریروں سے ہزاروں انسانوں کے روحانی امراض کا ایسا کامیاب علاج کیا کہ جو خزف ریزے تھے وہ گوہر آبدار بن گئے اور جو صرف پیتل تھے وہ زرِ خالص ہو گئے۔

چھوٹے بڑے رسالے اور مستقل تصانیف جو مولانا کے قلم سے شائع ہوئیں ان سب کی مجموعی تعداد تازہ ترین شمار کے مطابق آٹھ سو سے اوپر بیان کی جاتی ہے جن میں سے کثیر

تصنیفات ملک میں اتنی مقبول ہوئیں کہ اب تک ان کے درجنوں اڈیشن طبع ہو چکے ہیں۔ کہا جاتا ہے اور غالباً اس میں مبالغہ نہیں ہے کہ مولانا کی تصنیفات جو اب تک طبع ہو چکی ہیں ان کی مجموعی قیمت چالیس لاکھ روپیہ سے کم نہیں ہے۔ مولانا کی سیر چشمی اور فیاضی، خلوص اور للّٰہیت کی دلیل اس سے بڑھ کر اور کیا ہوسکتی ہے کہ تصنیفات کی اس غیر معمولی مقبولیت کے باوصف آپ نے کبھی کسی کتاب کا حق اشاعت و طبع اپنے لئے محفوظ نہیں رکھا۔ ہر شخص کو ان کے چھاپنے اور طبع کرانے کا اذن عام تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس مادی دنیا میں مولانا کا صرف یہ ایک عمل ہی ایسا ہے جو آجکل کے بڑے بڑے نامور علماء کے لئے سرمایہ عبرت اور درس موعظت ہوسکتا ہے۔ پھر یہ تصانیف کسی خاص طبقہ کے لئے مخصوص نہیں۔ علماء اور فضلاء، ارباب شریعت اور اصحاب طریقت، مرد اور عورتیں، اعلیٰ تعلیم یافتہ اور معمولی اردو خواں ہر ایک ان سے استفادہ کرسکتا اور اپنے لئے اصلاح ظاہر و باطن کا سامان بنا سکتا ہے ۔مولانا کی تحریروں میں اسرار و نکات کے علاوہ ایسا عجیب و غریب منطقی اور عقلی استدلال ہوتا ہے کہ بڑے سے بڑا حریف بھی تصدیق و تائید سے کوئی مفر نہیں دیکھتا۔ جس بات کو بیان کرتے ہیں نہایت وثوق اور یقین کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ حضرت مرحوم کی تحریریں اور ان کی گفتگو میں غیر معمولی ذکاوت و فطانت کی آئینہ دار ہوتی تھیں۔

بات سے بات پیدا کرنا اور ہر معاملہ کی اصل حقیقت کو پہچاننا ان کی ذہانت کا خاص جوہر تھا۔

خواص کے لئے تفسیر بیان القرآن اور شرح مثنوی مولانا روم، اور عورتوں کے لئے بہشتی زیور آپ کی ایسی گراں بہا اور کثیر الشیوع تصنیفات ہیں کہ جو اپنی مخصوص نوعیت کے اعتبار سے اردو کے مذہبی لٹریچر میں اپنا جواب نہیں رکھتی اور موخر الذکر کتاب تو اس قدر مقبول ہوئی کہ ہندوستان کا شاید ہی کوئی اردو خواندہ ہوگا جس نے کم از کم اس کا نام نہ سنا ہو۔

مولانا کی ولایت باسعادت ۵/ربیع الثانی ۱۲۸۰ھ کو ہوئی تھی۔ اس حساب سے آپ کی عمر تقریباً ۸۳ سال ہوتی ہے۔ آپ کی مفصل سوانح عمری اشرف السوانح کے نام سے دو ضخیم جلدوں میں آپ کی حیات میں شائع ہو گئی تھی، جس کی تصنیف کا شرف اردو زبان کے مشہور شاعر اور فاضل خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب اور مولوی عبدالحق صاحب کو حاصل ہے۔

اب اگر چہ حضرت مولانا کی وفات ہو چکی ہے لیکن وہ اپنی تصنیفات اور اپنے عملی کارناموں کے باعث آج بھی زندہ ہیں، خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو کہ آپ کے بعد ان زندہ جاوید یادگاروں سے روشنی حاصل کریں اور ان کی رہنمائی میں اسلام کے صراطِ مستقیم پر چلیں۔

حق تعالیٰ اعلیٰ علیین میں مولانا کے مدارج و مراتب بیش از بیش بڑھائے کہ وہ عمر بھر لوگوں کو اسی کی راہ کی طرف بلاتے رہے اور قیامت میں ان کا حشر صدیقین و ابرار کے ساتھ کرے کہ انہوں نے اپنی زندگی ہمیشہ ایک مومن قانت وصدیق کی ہی طرح بسر کی۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً

اسی طرح ایک اور جریدہ لکھتا ہے:-

"حکیم الامۃ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے حادثہ ارتحال کی خبر تمام ملکی جرائد میں شائع ہو چکی ہے۔ مولانا مرحوم کی دردناک رحلت ایسے زمانہ میں ہوئی جبکہ ان کی موجودگی کی سب سے زیادہ ضرورت تھی۔ زمانہ میں فسادِ عام خرابی وخستہ سامانی ہر طرف آشکار ہے۔ اخلاق ورسوم کے دائرہ میں اب بھی ہزاروں انسان اپنی اصلاح وفلاح کے لئے بے چین ہیں۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ زمانہ حاضرہ میں علمائے سلف کا نمونہ تھے۔ بیگانہ، روزگار، مصلح اخلاق واعمال تھے۔ مولانا کے ذریعہ سے عامۃ الناس کی اصلاح کا کام جس وسیع پیمانہ پر ہوا اس کی مثال زمانہ حال میں نہیں ملتی، ابتداء سے انتہا تک احتیاط وکمال کا مجموعہ دیکھئے اس نقصانِ عظیم کی تلافی کب اور کس طرح ہو قرآنی تعلیم وتبلیغ تجوید وترتیل سے عشق رہا۔ حضرت مرحوم کا علمی فیضان عام تھا اس سے علماء بھی مستفیض ہوئے اور صلحاء بھی، عورتیں بھی اور بچے بھی، عوام بھی، خواص بھی، امیر بھی، غریب بھی، ہزاروں کتابیں دل سے لکھیں ذاتی طور پر کبھی نفع کا خیال نہیں فرمایا، ہر شئے کو اُمت کے لئے وقف کر دیا جو آج تک وقف ہے۔ حق تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ حضرت مرحوم رحمت الٰہی کے سایہ میں ابدی زندگی کی نعمت سے فیضیاب ہوں اور آپ کے فیوض وبرکات سے آنے والے بھی محروم نہ رہیں۔ ہم حضرت مرحوم کے جملہ پسماندگان و مریدین کے لئے صبر وسکون کی دعاء کرتے ہیں، حق تعالیٰ تمام متوسلین کے قلوب کو صبر کی ہمت عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

ایک اور جریدہ بھی دیکھئے کیا لکھتا ہے:-

''ہندوستان کے مسلمانوں کے حلقہ میں اس خبر سے ایک ماتم بپا ہے کہ ۱۹ر جولائی کی شب کو حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی جو صحابہ کرام کا زندہ نمونہ تھے اپنے وطن تھانہ بھون میں رحلت فرما گئے۔ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی ہندوستان کے ان علمائے باعمل میں سے تھے جو صدیوں کے بعد پیدا ہوتے ہیں اور جن کے نقصان کی تلافی کسی طرح بھی ممکن نہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ شاید آئندہ پانسو سال میں بھی ہندوستان اس نقصان کو پورا نہ کر سکے گا۔ مولانا اشرف علی تھانوی جو ایک بہت بڑے عالم ہونے کے ساتھ ساتھ زبردست روحانی پیشوا بھی تھے۔ آپ کی ساری عمر اسلام اور مسلمانوں کی خدمت میں گزری ہے۔ آپ کا ہندوستان کے مسلمانوں پر یہ احسان عظیم ہے کہ آپ نے قرآن پاک کا بامحاورہ ترجمہ فرما کر اور بیان القرآن جیسی آسان تفسیر تحریر کر کے کلام اللہ کے نکات کو ان ہندوستانیوں پر بھی منکشف کر دیا جو عربی زبان سے بالکل ناآشنا تھے، اس کے علاوہ آپ نے چالیس پچاس کے قریب وہ مستند دینی کتب تصنیف فرمائی ہیں جن کا جواب اس وقت اسلامی لٹریچر میں موجود نہیں ہے۔ مولانا کے ترجمہ قرآن پاک اور کتب کی مقبولیت اور ہر دلعزیزی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ آج ہندوستانی مسلمانوں کا ایک گھر بھی ایسا نہیں ہے جس میں مولانا مرحوم کا مترجم قرآن مجید اور دینی کتب موجود نہ ہوں۔ مولانا اس دنیا میں سے چلے گئے ہیں لیکن اپنے پیچھے مسلمان قوم کے لئے ایک ایسا زبردست علمی اور مذہبی سرمایہ چھوڑ گئے ہیں جو قیامت تک مسلمانان ہند کی رہنمائی کرے گا۔ مولانا مرحوم کی رحلت نہ صرف اسلامی ہند بلکہ دنیائے اسلام کا ناقابل تلافی نقصان ہے، ہم کو اس زبردست حادثہ میں مولانا مرحوم کے اعزاء، معتقدین اور مریدین سے دلی ہمدردی ہے۔''

اور ایک سیاسی جریدہ رقم طراز ہے:-

حضرت مولانا اشرف علی مرحوم کی وفات

۱۹ر اور ۲۰ر جولائی کی درمیانی شب میں مولانا اشرف علی رحمۃ اللہ علیہ ۸۲ برس کی عمر میں اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ مدرسہ فیض دام کانپور میں معلّمی کے بعد اپنے وطن تھانہ بھون (ضلع

مظفر نگر) میں آپ قیام پذیر رہے جو آپ ہی کی وجہ سے پورے ہندوستان کے لئے رشد و ہدایت کا ایک مرکز بن گیا۔ مولانا کی حکمت، تقویٰ اور ذہانت نے مسلمانوں کے ہر طبقہ کو متاثر کیا۔ تصنیفات کے اعتبار سے مولانا کو غیر معمولی شہرت حاصل ہے، معاشرت اسلامی پر آپ کی مبسوط کتاب ''بہشتی زیور'' بہت معروف ہے۔ اس کتاب سے لاکھوں عورتوں کو اسلامی زندگی سے واقفیت حاصل ہوئی اور عام طور پر طبقہ نسواں کی تعلیم میں اضافہ ہوا۔ خواص کے لئے شرح مثنوی مولانا روم اور بیان القرآن کی جید تصانیف ہمیشہ آپ کی یادگار رہیں گی۔ عام رسائل اور کتابیں اس درجہ مقبول و مطبوع ہوئیں کہ بقول مولانا فلاں ان کتابوں کی مجموعی قیمت چالیس لاکھ روپیہ سے کسی صورت میں کم نہیں ہے۔ اس عام مقبولیت کے باوجود کسی ایک کتاب کا حق بھی مولانا نے اپنے لئے محفوظ نہیں رکھا۔ طبع واشاعت کی عام اجازت رہی، اس سے مولانا کے اخلاص اور سیر چشمی کا اندازہ ہوتا ہے، تازہ ترین شمار کے مطابق مولانا مرحوم کی کل تصانیف کی تعداد آٹھ سو تین (۸۰۳) ہے۔ عملی سیاسیات سے اگرچہ مولانا موصوف ہمیشہ کنارہ کش رہے لیکن سیاسیات میں بصیرت تامہ رکھتے تھے، آپ اس کے کبھی مؤید نہیں رہے کہ مسلمان کانگریس میں شریک ہوں اس بناء پر کہ مسلم لیگ بہر حال مسلمانوں کی جماعت ہے۔ مسلمانوں کی جداگانہ تنظیم کی حامی ہے اسلامی طریقہ پر مسلمانوں کی اصلاح و ترقی کی دعویدار ہے آپ اس کے مؤید تھے کہ سیاسی جماعت کے طور پر مسلمانوں کو اسی میں شامل ہونا چاہیے۔ مولانا واعظ کی حیثیت سے بھی ہندوستان میں بہت مشہور تھے۔ ہندوستان میں وسعت کے ساتھ آپ نے دورے کئے، آپ کے وعظوں میں ہزار ہا مسلمانوں کا مجمع ہوتا تھا اور وہ متاثر ہو کر جاتے تھے، آپ کے مریدین کی تعداد بہت کثیر ہے، تحریر و تقریر اور ذاتی مثال کے ذریعہ چودھویں صدی کے نصف اول میں آپ نے وسعت کے ساتھ اسلامیت کی تبلیغ فرمائی، کہن سالی اور ضعف کے باوجود آپ آخر وقت تک مسلمانوں کی خدمت میں مصروف رہے، ذاتی حیثیت سے تقویٰ اور عمل کے معاملہ میں آپ کا خاص مرتبہ تھا اس کے باوجود کہ مولانا نے پوری عمر پائی لیکن پھر بھی افسوس ہے کہ یہ شمع علم و ہدایت بجھ گئی اور مسلمانوں کی محفل سونی ہوگئی۔ خدا مولانا مرحوم کی مغفرت فرمائے اور مقامات بلند کرے۔''

ایک اور جریدہ میں طویل مضمون ہے۔ جس کی صرف تمہید اور چند آخری فقرے ہدیہ ناظرین ہیں
"محفل دوشیں کا وہ چراغ سحر جو کئی سال سے ضعف و مرض کے جھونکوں سے بجھ بجھ کر سنبھل جاتا تھا بالآخر بیاسی (۸۲) سال تین ماہ دس روز جل کر ۱۵؍رجب ۱۳۶۲ھ کی شب کو ہمیشہ کیلئے بجھ گیا۔

داغ فراقِ صحبت شب کی جلی ہوئی اک شمع رہ گئی تھی سووہ بھی خموش ہے

یعنی حکیم الامۃ مجدد طریقت شیخ الکل حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مرض ضعف واسہال میں کئی ماہ علیل رہ کر ۱۹؍اور ۲۰؍جولائی کی درمیانی شب کو ۱۰؍بجے نماز عشاء کے وقت اس دارِ فانی کو الوداع کہا۔ اور اپنے لاکھوں معتقدوں اور مریدوں اور مستفیدوں کو غمگین ومہجور چھوڑا۔ انا اللّٰہ و انا الیہ راجعون۔ اب اس دور کا بالکلیہ خاتمہ ہو گیا جو حضرت شاہ امداد اللہ صاحب مہاجر مکی مولانا یعقوب صاحب نانوتوی، مولانا قاسم صاحب نانوتوی، مولانا شیخ محمد صاحب تھانوی کی یادگار تھا۔ اور جس کی ذات میں حضرات چشت اور حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت سید احمد بریلوی کی نسبتیں یکجا تھیں۔ جس کا سینہ چشتی ذوق وعشق اور مجددی سکون ومحبت کا مجمع البحرین تھا، جس کی زبان شریعت وطریقت کی وحدت کی ترجمان تھی جس کے قلم نے فقہ وتصوف کو ایک مدت کی ہنگامہ آرائی کے بعد باہم ہم آغوش کیا تھا اور جس کے فیض نے تقریباً نصف صدی تک اللہ تعالیٰ کے فضل وتوفیق سے اپنی تعلیم وتربیت اور تزکیہ وہدایت سے ایک عالم کو مستفید بنا رکھا تھا اور جس نے اپنی تحریر وتقریر سے حقائق ایمانی، دقائق فقہی اسرارِ رحمانی اور رموزِ حکمتِ ربانی کو برملا فاش کیا تھا اور اسی لئے دنیا نے اس کو حکیم الامۃ کہہ کر پکارا اور حقیقت یہ ہے کہ اس اشرف زمانہ کے لئے یہ خطاب عین حقیقت تھا۔ الخ

تصنیفات میں بلکہ ہر تحریر میں اہل نظر کو یہ معلوم ہوگا کہ گویا مصنف کے سامنے سارے مسائل ومواد یکجا ہیں اور وہ سب کو اپنی اپنی جگہ احتیاط سے رکھتا جاتا ہے، عام طور سے یہ ہوتا ہے کہ مصنف جس موضوع پر قلم اٹھاتا ہے اس کو اس میں ایسا غلو ہو جاتا ہے کہ دوسرے گوشوں سے اس کو ذہول ہو جاتا ہے۔ حضرت کی تصانیف کی خاص بات یہ ہے کہ قلم ہر ایک کی احتیاط اور

رعایت کر کے اور غلو سے بچ کر اس طرح نکلتا ہے کہ جاننے والوں پر حیرت چھا جاتی ہے۔ الخ۔

حضرت کی تجدید طریقت کا بڑا کمال یہ ہے کہ طریقت کو جو ایک زمانہ سے صرف چند رسوم کا مجموعہ ہو کر رہ گئی تھی زوائد وحواشی سے صاف کر کے قدما اور سلف صالحین کے رنگ پر لے آئے۔ الخ

اس ضعف واضمحلال کی حالت میں بھی مجلس کا وقار، نظم ونسق اور اصول وقواعد کی پابندی بدستور جاری تھی اور آخری لمحۂ حیات تک اس میں فرق نہیں آیا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ایک کامل زندگی کو جو کمال زہد وورع، کمال اتباعِ شریعت، کمال اتباعِ سنت کے ساتھ تھی اس زمانہ میں نمونہ کے لئے پیدا کیا وہ آئی اور ساٹھ برس کے مجاہدہ کا نمونہ دکھا کر واپس گئی۔ **رحمہ اللّٰہ تعالیٰ و ادخلہ اعلیٰ علیین وصلی اللّٰہ تعالیٰ علی النبی الامین و اٰلہ واصحابہ اجمعین واٰخر دعوانا ان الحمدللّٰہ رب العلمین۔**

اخبار مدینہ بجنور مورخہ یکم اگست ۴۴ء میں درج ہے:-

(حضرت) مولانا اشرف علیؒ

''حکیم الامۃ مولانا اشرف علی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ایک ایسا سانحہ ہے جو اگر چہ اس کارگاہِ ہست وبود میں بالکل فطری ہے لیکن جس پر ماتم کرنے والی آنکھ کبھی خشک نہیں ہوسکتی۔ حکیم ثنائیؒ کے قول کے بموجب ایک مرد کامل کو پیدا ہونے میں صدیاں نہیں صدیوں سے بھی کچھ زیادہ ہی زمانہ درکار ہوتا ہے، پھر جب ایسا گوہر نایاب دنیا کو خوش قسمتی سے ہاتھ لگا جاتا ہے تو اس کی جدائی، جتنی بھی شاق گزرے کم ہے۔ خدا کے فضل سے مولانا تھانویؒ کی عمر بہت کافی ہوئی۔ اسی اور نوے سال کے بیچ میں عمر کے عدد کا پہنچ جانا آجکل کے پُر از آلام وامراض زمانہ میں بہت بڑی بات ہے، پھر قدرت کی عنایت سے آپ کی صحت بھی اتنی اچھی رہی کہ سینکڑوں ہی کتابیں لکھ ڈالیں لیکن پھر بھی آپ کی جدائی کا تصور آنکھوں کو اشکبار ہونے سے باز نہیں رکھتا۔

دل کے جانیکا شہیدی حادثہ ایسا نہیں　　　کچھ نہ روئے آہ گر ہم عمر بھر رویا کئے

مولانا کی سیاسی رائے سے ہمیں کبھی اتفاق نہ ہوا۔ الخ۔ لیکن بایں ہمہ مولانا تھانویؒ کی علمی برتری اور ان کے طہارت وتقویٰ کی بلندی کے آگے ہمارا سر نیاز ہمیشہ جھکا رہا۔

مولانا ایک بے مثال فقیہ تھے ایک عدیم النظیر مفسر تھے، بے مثال متکلم اور بلند پایہ محدث تھے، پھر خوش قسمتی سے علم وفضل کے اس نعمت کے ساتھ ساتھ تصوف وطریقت کے میدان کے بھی شہسوار تھے، آپ کی خانقاہ اس ضلالت وگمراہی کے دور میں طالبان حق کے لئے روشنی کا مینارہ تھی، آپ کی ایک سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ آپ کا دل دشمن سے بھی انتقام لینے کا روادار نہ تھا چنانچہ آپ اپنے مخالفوں کے خلاف شاذ ونادر ہی کبھی کوئی لفظ زبان سے نکالتے تھے، آپ کی زندگی بہت باقاعدہ تھی، کھانے پینے، سونے، جاگنے اور اٹھنے بیٹھنے کے تمام اوقات مقرر تھے جن پر سختی سے عمل فرماتے تھے، یہی وجہ ہے کہ آپ کی صحت آخر وقت تک قابل رشک طور پر اچھی رہی، ان تمام خصوصیات کے پیش نظر دعویٰ سے کہا جا سکتا ہے کہ ایسی جامع شخصیت اب دنیا بہ مشکل ہی پیدا کر سکے گی۔ غرض مولاناؒ کی شخصیت ایک بہت بلند وممتاز حیثیت کی مالک تھی، آپ کے ارادت مندوں کی تعداد ملک میں کافی ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ اس تعداد میں اچھے اچھے علماء وفضلاء اور بڑے بڑے اہل علم وبصیرت لوگ شامل ہیں۔ الخ۔ خدا مولاناؒ کو جوار رحمت میں جگہ دے اور ہمیں صبر جمیل کے ساتھ ساتھ ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق بلند ارزانی فرمائے۔ آمین۔ فقط۔"

تاریخ وفات بہ سانحہ ارتحال

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

از نتیجہ فکر مولانا سوز ناروی، منقول از اخبار مدینہ ص امجریہ یکم اگست ۴۳ء

بروفات ایں چنیں عالم نہ گرید چوں جہاں	کو دریں ایام علم و زاہد را حاصل بُدے
مصرعہ تاریخ رحلت گفت سوز ناروی	مولوی اشرف علی تھانوی کامل مُدے

اب بعض خطوط کے بھی اقتباسات ملاحظہ ہوں، ایک مختلف المشرب جماعت اہل علم کے خاص رُکن کس بے تعصبی اور دلسوزی اور اخلاص سے تحریر فرماتے ہیں:-

"وفقکم اللہ صبراً جمیلاً" ابھی اشرف العلماء رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کی خبر معلوم ہوئی۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کن الفاظ میں آپ لوگوں کو نہیں خود اپنے کو بلکہ ملتِ

7 اسلامیہ کو تلقین صبر کروں۔ اتنا بڑا نقصان، یہ خسارۂ کبریٰ اور فاجعہ عظمیٰ! کیا الحاد و زندقہ کی اقبال مندی میں قدرت کو اضافہ منظور ہے کہ ایسے فرد فرید کو ہم سے جدا کر لیا گیا ہے جس کی بزم دینی میں چند منٹ حاضر رہنا ہی قلب و دماغ کو حقائق اسلامی سے متاثر کرنے کے لئے کافی تھا۔ اس رب کی قسم جو آں مغفور کی قبر کو گوشہ جنت بنا چکا ہوگا اب یہاں سے وہاں تک سناٹا نظر آتا ہے، قرآن کو جاننے والے بھی چند ہیں، محدث بھی ہیں، صوفی بھی ہیں، عالم بھی ہیں اور ادیب و خطیب بھی مگر ایسی ہستی اب کہاں جو ان صفات کی مع کمالات دیگر جامع ہو، دینداری رو رہی ہے، روحانیت ماتم گسار ہے اور علم کی محفلیں خاموش، یقین کرنے کی بات نہیں مگر میرے ایسے کتنے ہوں گے جو یہ دعا پہلے نہ کرتے ہوں کہ خدایا ہماری عمروں میں کمی کر کے اس خادم دین محمدی اور محافظ ناموس شریعت کی عمر میں اضافہ کر دے۔ (از مؤلف واقعی ایسے بہت تھے چنانچہ ایک ایسا ہی خط دیگر خطوط کے ساتھ اپنی جگہ نقل بھی کیا جا چکا ہے) مگر یہ دعا قبول نہیں ہوئی اور ہائے کہ قلم ان کے نوحے میں اور دل ان کے استغفار میں مصروف ہے۔ فغفرله الله مولانا المغفور کا کوئی جانشین تو نہیں ہو سکتا (بحالتِ موجودہ) مگر آپ لوگوں نے جن بزرگ کو ان کی خلافت کا سب سے زیادہ اہل سمجھا ہو ان کی خدمت میں میری طرف سے بھی بعد سلام مسنون کلمات تعزیت عرض کر دیجئے اور اپنے پیر بھائیوں سے (از مؤلف حضرت اقدس کے یہاں رسم جانشینی کہاں، حضرت نے تو اس رسم کے خلاف ایک رسالہ بھی لکھا ہے جس کا نام سجادہ نشینی ہے اور ویسے بھی ایسی نادر ہستیوں کی جانشینی کیسے ممکن ہے جو صدیوں کے بعد پیدا کی جاتی ہوں اور اس کے لئے جگہ جگہ کی تخصیص بھی ضروری نہیں۔ بقول احقر ؎

جہاں ہوگی برکت وہ ہوگی یہیں کی	ضرورت ہی کیا ہے کسی جانشیں کی
یہاں رہتے تھے قطب الارشاد عالم	یہ تھی تربیت گاہ روئے زمیں کی

خواجہ صاحب یاد کیجئے آپ کے ساتھ آج وہ بہت سے دل بھی رو رہے ہیں جو کل آں مبرور سے جزوی اختلافات کا اثر رکھتے تھے مگر یہ سانحہ ایسا ہے جس نے ہم ہی کو اس خسارہ کا احساس کرا دیا ہے جو شاید برسوں دفع نہ ہو سکے گا۔ خواجہ صاحب روئیے نہیں! خوش ہو جائیے کہ آپ کے

پیرو مرشد نے شاندار شاندار خدمت دینی کرلی، اور فخر کیجئے کہ آپ کی آنکھوں نے ایسے باکمال کو برسوں دیکھا اور ناز کیجئے کہ آپ برسوں ان سے مستفید ہوئے **فاللّٰہ ولی التوفیق**۔ والسلام۔

ایک مشہور اہل قلم فاضل کی تحریر ملاحظہ ہو۔

''کرم گستر! السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ کیا عرض کیا جائے، کن الفاظ میں عرض کیا جائے کہ سانحہ عظمٰی کی خبر سن کر دل پر کیا گزر کر رہی! دل پر تنہا میرے ہی نہیں، میرے گھر بھر کے، بیوی کے، لڑکیوں کے، لڑکوں کے، سب کے! تعزیت کروں تو کس سے کہ میں خود ہی مستحق تعزیت ہوں۔ **انا للّٰہ و انا الیہ راجعون**۔

عالم اسلامی کے لیے اس سے بڑھ کر قیامت خیز حادثہ اس وقت اور کیا ہوسکتا ہے، دنیائے اسلام میں سناٹا ہوگیا وقت کا سب سے بڑا عالم، سب سے بڑا عارف، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی فوج کا سب سے بڑا کارگزار اور وفادار جنرل رفیق اعلیٰ سے جاملا، ہم بد بخت ایسی نعمت کے اہل ہی کب تھے! حیرت اس پر نہیں کہ یہ نعمتِ عظمٰی اپنے وقت پر واپس لے لی گئی۔ حیرت اس پر ہے کہ اتنے دنوں ہم میں رہی کیسے (ع) تو بہارِ عالم دیگری زکجا بہ ایں چمن آمدی + مصرعہ سنا بار ہا تھا عملی مصداق اس ذات اقدس میں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔

بڑے گھر اور چھوٹے گھر دونوں جگہ براہ کرم اس تباہ کار کا مخلصانہ پیام تعزیت پہنچا دیجئے۔ دونوں کی تو سلطنت ہی لٹ گئی۔ گو اس سلطنت فانی کے مقابلہ میں سلطنت باقی پر حق بھی قائم ہوگیا۔ سب صاحب یقین فرمائیں کہ دل وجگر محض ان ہی کے دکھے ہوئے نہیں، اُمت کے بے شمار افراد انہیں کی طرح مرغ بسمل ہو رہے ہیں، اللہ ہم کو صبر عطا فرمائے تا آنکہ ہم سب اپنے مالک و مولیٰ کے حضور میں اپنے امی محبوب سردار اس کے امی مقبول بندہ کے واسطہ سے پہنچ جائیں۔ والسلام۔

ایک اور فاضل محقق و مدقق ارقام فرماتے ہیں:۔

'السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آخری دنیا کی رفاقت ادنی سے گزر کر حضرت رحمۃ اللہ'' رفیق اعلیٰ'' سے جاملے! کل خبر وصال اخبار سے ملی **انا للّٰہ و انا الیہ راجعون**۔ کون کس کی تسلی و تعزیت کرے، ساری امۃ محمدیہ کا حادثہ ہے۔ حضرت اقدس صدی کے مجدد تھے، ساری امت

محمد یہ محتاجِ تعزیت ہے اور سب سے بڑھ کر اس امت کو بدنام کرنے والا یہ ناکارہ جو قدم بقدم پر حضرت کی دستگیری کا طلب گار رہتا تھا، اب بھی کتنے سوالات اور کتنی باتیں جمع تھیں، جن کے پیش کرنے کے لئے حضرت کی صحت کا انتظار تھا، کتابوں اور کتب خانوں میں نہ ملتا تھا جو حضرت کے ایک دو فقروں میں مل جاتا تھا اور میری تسکین و تشفی کا سارا سرمایہ تو بس یہی تھا۔

کتابوں اور کتاب والوں کے پاس معلومات کی کمی نہیں لیکن طالب کے خاص حالات و مصالح کی حکیمانہ رعایت اور حکیمانہ شفقت تو حضرت حکیم الامۃ جیسے شیخ کامل ہی کا کام تھا فجزاہم اللہ عنا وعن ہذہ الامۃ۔

حدیث شریف میں ہے کہ "موت انسان کا عمل منقطع کر دیتی ہے، صرف تین چیزیں رہ جاتی ہیں، صدقہ جاریہ، اور علم جس سے انتفاع ہو اور اولاد صالح جو اس کے حق میں دعا کرے" حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے صدقہ جاریہ غالباً خود بھی جاری فرما دیا تھا اور علوم سے تو ان شاء اللہ تعالیٰ قیامت تک انتفاع ہوتا رہے گا۔ باقی معنوی اولاد صالح آپ حضرات سے بڑھ کر کون ہے۔ جو حضرت کی مغفرت و رفع درجات کے لئے دست بدعا رہنا خود اپنی سعادت جانے۔ **اللّٰھم اغفرلہ و ارفع درجتہ فی المھدیین و عقبنا منہ عقبی حسنۃ و افسع لہ فی قبرلہ و نور لہ فیہ. اٰمین یا رب العٰلمین۔**

سب سے آخر میں ایک دردنامہ غمناک بھی نقل کیا جاتا ہے جو گویا ترجمانی کر رہا ہے سب خدام کے قلوب کی۔ حضرت اقدسؒ کے ایک عزیز قریب کو ایک دردمند خادم ان الفاظ میں اپنا اظہار غم فرماتے ہیں اور قریب قریب سب خدام کی یہی حالت ہے۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، ماہ گذشتہ میں حادثہ جانکاہ کی خبر سن کر ایسا بدحواس ہو گیا تھا کہ جناب کی خدمت میں کوئی عریضہ ارسال نہ کر سکا اور لکھتا تو بھی تو کیا لکھتا۔ کئی مرتبہ لکھنے بیٹھا، یہ سوچ کر کیا لکھوں اور کس کو لکھوں۔ وہ الفاظ کہاں سے لاؤں جو کبھی کم نہ ہونے والے غم کا اظہار کر سکیں جو نہ اس سے پہلے کبھی ہوا تھا، نہ آئندہ کبھی ہوگا۔ کچھ میں اکیلا اس غم میں نہیں مبتلا ہوں بلکہ ہر مسلمان کا دل رو رہا ہے، آنسو امنڈ آتے اور قلم ہاتھ سے چھوٹ جاتا، اب بھی یہی حالت ہے، حیران ہوں لکھوں تو کیا لکھوں، ہر شخص روتا ہوا نظر آتا ہے، بارش ہوتی ہے تو

معلوم ہوتا ہے آسمان رو رہا ہے، الٰہی یہ کیا ماجرا ہے کہ ساری دنیا ماتم کدہ بن گئی پہلے سوچا کرتا تھا کہ خدانخواستہ یہ سایۂ رحمت ہم گناہگاروں کے سروں سے اگر اُٹھ گیا تو کیا ہوگا۔ اب کے یہ خیال حقیقت سے بدل گیا ہے سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم ایسے گنہگار کس کے زیر سایہ پناہ لیں گے۔ ابھی چند قریبی عزیز داروں کے داغہائے مفارقت مٹنے نہ پائے تھے کہ دنیا کا یہ سب سے بڑا اندوہ ناک واقعہ پیش آ گیا، جس نے اور سب غموں کو بھلا دیا، ماں باپ نے انتقال کیا، ماموں نے انتقال کیا اور بہت سے عزیز رخصت ہوئے مگر اتنا بڑا المناک واقعہ نہ پہلے کبھی پیش آیا تھا نہ آئندہ پیش آئے گا۔ اب اپنی اور باقی ماندہ رشتہ داروں بیوی بچوں کی زندگیاں ہیچ معلوم ہوتی ہیں، زمانہ موجودہ کی سب سے بڑی ہستی انسانیت کا سب سے بڑا مکمل نمونہ جب آنکھوں سے ہمیشہ کے لئے اوجھل ہو جائے، وہ آفتاب جس کے علم وفضل کے نور سے ساری دنیا منور ہو رہی ہو، جب غروب ہو جائے تو پھر ٹمٹماتے ہوئے چراغوں سے کب تک کام نکل سکتا ہے، بس اب دنیا اندھیر معلوم ہوتی ہے، ایک سہارا تھا، ایک جائے پناہ تھی، ایک مرجع تھا ہر گنہگار سب طرف سے مایوس ہو کر ادھر کا رخ کرتا تو وہاں سے یہی شفقت آمیز جواب ملتا کہ خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہو، توبہ کرلو، توبہ ٹوٹ جائے تو پھر توبہ کرلو اور ہر بار مصمم ارادہ کرو میں دعا کرتا ہوں تم بھی دعا کرو ان شاء اللہ تعالیٰ مغفرت ہو جائے گی۔

افضل الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے وارث اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے سچے جانشین سے یہ شفقت آمیز کلام سن کر بڑے سے بڑے گنہگار کی ڈھارس بندھ جاتی۔ تائب ہو جاتا، اور ایمان کی دولت کاملہ سے مالا مال ہو جاتا۔ اب یہ دولت کہاں ملے گی، قرآن وحدیث وفقہ کے خزانے زر وجواہر سے معمور ہیں اور رہیں گے مگر افسوس کہ ان کا لٹانے والا اور گھر گھر تقسیم کرنے والا رخصت ہو گیا، کسی خاندان کا بزرگ رخصت ہو جاتا ہے تو لوگ تعزیت کے خطوط بھیج کر پسماندگان کے غم کو ہلکا کر دیتے ہیں، لیکن جب وہ اعظم المعظم ہستی دارِ فانی سے دارِ بقا کی طرف رحلت فرما جائے جس کے روحانی فرزند ہر خاندان میں کثیر تعداد میں موجود ہوں، جس عالم کی موت سے حقیقت میں عالم کی موت ہو، ہر مسلمان اپنے کو یتیم سمجھنے لگے اور گھر گھر اس کا ماتم ہونے لگے تو کس کس کے پاس تعزیتی

خطوط بھیجے جائیں اور بھیجے کون، پس یہی مناسب ہے کہ سب مل کر چپکے چپکے روئیں اور تلاوت قرآن مجید اور خیر خیرات کے ذریعہ ان کی روح پاک کو ایصال ثواب کر کے فیض حاصل کریں اور دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مرتے دم تک ہم سب کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی ہدایات وتعلیمات پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

چند نقول نمونہ از خروارے بفضلہٖ تعالیٰ ختم ہوئیں۔ناظرین نے مذکورہ بالا بیانات سے بخوبی اندازہ فرمالیا ہوگا کہ حضرت اقدس قدس سرہ کا کتنا گہرا اثر مسلمانوں کے ہر طبقہ پر تھا۔اوراس حادثۂ عظیمہ کا غم کتنا عام ہے سبھی متاثر ہیں، کیا اپنے کیا بیگانے، کیا موافق، کیا مخالف، بات یہ ہے کہ حضرت اقدس نے بھی جس سے موافقت کی خدا کے لئے کی اور جس سے اختلاف کیا وہ بھی خدا کے لئے کیا۔

محبت ہو کسی سے یا عداوت مزا دے جائے گی جو دل سے ہوگی

بڑے بڑے مخالفین کے اقوال وافعال کی تاویل بارہا کرتے سنا۔اوراکثر یہ فرمایا کرتے تھے کہ اہل علم چاہے اپنے مخالف ہی ہوں ان کی بھی ذلت سے دل دکھتا ہے کیونکہ اس میں بھی دین کی ذلت ہے، مناظرین میں اگر کوئی مخالف ہار جائے تو اس کا بھی افسوس ہوتا تھا کیونکہ اس میں بھی اپنی ہی ذلت ہے کہ عوام کہیں گے کہ مولوی بھی آپس میں لڑتے ہیں۔بعض جید اور مشہور علماء نے برسر منبر فرمایا کہ عوام کے لیے یہ حادثہ اتنا اندوہ ناک نہیں ہے جتنا علماء کے لیے کیونکہ عوام تو ہم جیسوں سے بھی اپنی مشکلات حل کر سکتے ہیں لیکن اب علماء کی مشکلات کا حل کرنے والا کوئی نہ رہا، وہ کہاں جائیں، سب سے بڑا خسارہ تو علماء کا ہے۔بعض نے فرمایا کہ صرف مریدین ہی نہیں بلکہ علماء یتیم ہوگئے۔

اس پر ایک مشہور فاضل جید کا مضمون خط مع حضرت کے جواب کے جو حسن اتفاق سے اسی وقت نظر سے گزرا ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے جس سے اندازہ فرمالیا جائے کہ علماء وفضلاء کی مشکلات حضرت اقدس کے ذریعہ کس طور سے حل ہوتی تھیں۔حضرت کو تحریر فرمایا ’’الحمدللہ حضرت جو کچھ ارشاد تجویز فرماتے ہیں اس میں کوئی وسوسہ وتردد بالکل نہیں رہتا۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کتاب وسنت کی کوئی صریح نص مل گئی۔عمل میں کوتاہی ہوتی ہے، لیکن عقل وطبیعت دونوں کے اطمینان وانشراح کے لئے حضرت کا بس فرمادینا بالکل کافی ہوجاتا ہے۔‘‘

اس پر حضرت اقدس نے عربی کی عبارت میں یہ جواب ارقام فرمایا: **هذا احق لصحة رائی ان شاء الله تعالیٰ و انا ادعو لکم ان یزید کم نوراً و هدًی۔**

اسی قسم کا ایک مضمون ایک صاحب نے ایک جریدہ میں تحریر فرمایا تھا جس کا خلاصہ یاد رہ گیا کہ مولانا کی تصانیف میں یہ خاصیت دیکھی کہ بس یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ حضرت فرماتے جاتے ہیں دل ودماغ دونوں ساتھ ساتھ اس کو قبول کرتے چلے جاتے ہیں، کچھ دن ہوئے اردو کانفرنس کے خطبہ صدارت میں حضرت نے جو احسان اردو زبان پر فرمایا ہے اس کا خاص طور سے ذکر کیا گیا تھا، لکھا تھا کہ حضرت اقدس نے اردو زبان پر بہت احسان کیا ہے بڑے بڑے علوم ومعارف کا ذخیرہ اردو میں جمع فرمادیا ہے جو اس سے پہلے نہیں تھا۔

علی گڑھ کالج کے ایم ایم۔اے، ایل۔ایل۔بی ہندوستان کے ایک دورافتادہ مقام سے ایک جریدہ میں اپنے مضمون کے آخر میں لکھتے ہیں۔کہ بے شک مولانا کا ماتم عالمگیر ہے۔سوگواروں میں صرف جبہ وعمامہ والے ہی نظر نہیں آتے بلکہ بہت سے ہیٹ وسوٹ والے بھی ہیں۔

حضرت مولانا اصغر حسین صاحب دیو بندی جو مشہور بزرگ اور یادگار سلف اور نمونۂ اکابر ہیں جب تعزیت کو تشریف لائے تو خانقاہ میں داخل ہوتے ہی اینٹوں کے فرش ہی پر بے اختیار بیٹھ گئے اور سر نیچا کئے دیر تک روتے رہے اور اظہار غم فرماتے رہے۔حاضرین خانقاہ بھی وہیں آ آ کر بیٹھ گئے اور یہ منظر بحسرت دیکھتے تھے۔حضرت میاں صاحب کا یہ ارشاد بھی احقر تک پہنچا ہے کہ خاتم الاولیاء انتقال فرما گئے۔

غرض چاروں طرف سے حضرتؒ کے مآثر ومعارف پر صدائے تحسین وآفریں اور اس کے فقدان پر صدائے آہ زاری ہی بلند ہو رہی ہے۔

میں بھی اس پر مرمٹا ناصح تو کیا بیجا کیا　　　اک مجھے سودا تھا دنیا بھر تو سودائی نہ تھی

کیا موافق کیا مخالف، سبھی یہ محسوس کر رہے ہیں کہ اب ایسی جامع کمالات ہستی کہاں ، یہ قبول عام بمصداق بضع له القبول فی الارض ۔مقبولیت عند اللہ سے ناشی ہے اسی کو کسی نے یوں کہا ہے۔

بجا کہے جسے عالم اسے بجا سمجھو　　　زبانِ خلق کو نقارۂ خدا سمجھو

اور کیوں نہ ہو حضرت اقدس کو بھی تو خلق خدا سے انتہا درجہ کی شفقت و دلسوزی کا تعلق تھا جیسا کہ اوپر لکھا گیا کہ ایک زمانہ میں جانوروں تک کے لئے دعا مانگا کرتے تھے، جب زلزلوں یا اور حوادثِ زمانہ کا ذکر سنتے تو قلب پگھل کر پانی پانی ہو جاتا بہت ہی کڑھتے، مسلمانوں کے ساتھ تو شفقت کا یہ عالم تھا کہ اپنی اتنی طویل زندگی ان کی خدمت کے لئے وقف فرما دی، ان کی تباہ حالی کا حضرت اقدس کے لبریز شفقت و رحمت قلب پر اس درجہ اثر تھا کہ ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ اللہ کو خبر ہے میری یہ حالت ہے کہ جب مجھے مسلمانوں کی دینی دنیوی تباہی کا خیال آ جاتا ہے جس میں زیادہ حصہ خود مسلمانوں کی ناعاقبت اندیشی کا ہے تو رگ رگ میں غمِ عظیم پھیل جاتا ہے اور اگر کھانا کھانے میں خیال آ جاتا ہے تو کھانا تلخ ہو جاتا ہے۔ اھ۔ ترکوں کی شکست کے زمانہ میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو ہمیشہ راحت ہی راحت میں رکھا ہے۔ اس لئے میں نے کبھی یہ نہ جانا کہ غم کیسا ہوتا ہے لیکن اب معلوم ہوا کہ غم اس کو کہتے ہیں کیونکہ ترکوں کی شکست اور مسلمانوں کی ذلت و خواری کا قلب پر اتنا شدید صدمہ ہے کہ کھانا پینا بھی تلخ ہو گیا ہے۔ اھ

کیا ٹھکانا ہے اس گہری شفقت و دلسوزی کا اور محض زبانی ہی نہیں بلکہ عملی توجہ بھی اتنی ہے کہ ہر سیاسی موقعہ پر مسلمانوں کی صحیح رہبری مختلف رسالے شائع فرما فرما کر برابر کرتے رہے، ان سے فائدہ اٹھانا نہ اٹھانا یہ دوسروں کا کام تھا، وفات سے صرف تین ماہ قبل بھی جبکہ ضعف و مرض کی کافی شدت تھی مسلم لیگ کی پوری پوری رہبری فرما گئے اور بالکل اسلامی نظریہ کے مطابق اس کی صورت یہ ہوئی کہ آل انڈیا مسلم لیگ کا گذشتہ سالانہ اجلاس جو ۲۳/ اپریل تا ۲۶/ اپریل ۱۹۴۳ء بمقام دہلی نہایت اعلیٰ پیمانہ پر منعقد ہوا تھا اس کی اطلاع دیگر ارکان مسلم لیگ نے بایں الفاظ دعوت شرکت دی تھی کہ آپ سے استدعا ہے کہ آپ اس موقع پر خود دہلی میں تشریف لا کر اپنے ارشادات سے مجلس کو ہدایت دیں تو بہت بہتر ہو۔ لیکن اگر حضور تشریف نہ لا سکیں تو اپنے نمائندہ کو بھیج کر مشکور فرمائیں اور دعا فرمائیں کہ اللہ پاک اس اجتماع کے رعب سے غیر مسلموں کے دلوں کو مسحور کر دے اور ہمارا مطالبہ پاکستان منوا دے۔ تاکہ سلطنت اسلامی قائم ہو سکے۔ الخ۔ اس کے جواب میں حضرت اقدس نے بطور پیغام کے ذیل کا ہدیت نامہ ارقام فرمایا۔

مسلم لیگ کے دعوتی خط کا جواب

از ناکارہ، آوارہ، ننگ انام اشرف برائے نام بخدمت ارکان مسلم لیگ نصرہم اللہ ونصر ہم اللہ السلام علیکم لیگ کے عزائم معلوم کر کے اس آیت پر عمل کی توفیق ہوئی۔ قل بفضل اللّٰہ و برحمۃ فبذلک فلیفرحوا۔ لیکن اگر اس کے ساتھ ہی عذر نہ ہوتا تو اس آیت پر بھی عمل ہوتا۔ انفروا خفافا و ثقالا لیکن عذر کے سبب اس رخصت پر عمل کی اجازت مل گئی۔ لیس علی الضعفاء ولا علی المرضیٰ ولا علی الذین لایجدون ماینفقون حرج اذا نصحوا للّٰہ ورسولہ۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اس آیت کا شرف حاصل ہو گیا کہ اپنی دو کتابوں کا پتہ دیتا ہوں جو ان شاء اللہ تعالیٰ قیامت تک آنے والی نسلوں کے لیے پیام عمل ہے۔ ایک حیات المسلمین شخصی اصلاح کے لیے، دوسری صیانۃ المسلمین جمہوری نظام کے لئے۔ ان کے مضامین اپنے موضوع میں گو رنگین نہیں مگر سنگین ہیں جس میں وہی فرق ہے جو ذوق و غالب کے اشعار میں اور حکیم محمود خان، حکیم محمد صادق خاں کے نسخوں میں اور نمائندہ وہ کام نہ کر سکتا جو یہ کتابیں کر سکتی ہیں مگر عمل شرط ہے۔ جیسے اعلیٰ درجہ کا ماء اللحم بوتلوں میں بھرا ہوا قیمتی ہے مگر نتیجہ خیز نہیں یہ نفع اس کا اس وقت ظاہر ہوگا جب حلق سے اترے گا، ورنہ بدوں عمل یہ سب کوشش اس کا مصداق ہوں گی۔ شستند و گفتند و برخاستند، باقی دعا ہر حال میں خصوص ان تاریخوں میں زیادہ اہتمام سے جاری رکھوں گا بقول کسی شاعر کے۔

لا خیل عندک تھدیھا و لا مال   فلیسعد النطق ان لم یسعد الحال

(نوٹ) میں دونوں کتابیں اگر یہاں مل گئیں تو ۲۲/اپریل کو ڈاک سے ہدیۃً روانہ کروں گا ورنہ دہلی میں کسی کتب خانہ تجارتی سے تلاش کی جائیں۔ والسلام

بعد تحقیق معلوم ہوا کہ حیوۃ المسلمین بلا قیمت جا سکتی ہے سو اس کا نسخہ روانہ کر رہا ہوں، نیز یہ معلوم ہوا کہ صیانۃ المسلمین یہاں نہیں ہے، لہٰذا وہاں تلاش کرالی جائے۔ اھ

ناظرین نے دیکھا کہ کس عنوان سے اور کس اہتمام سے اور کس دلسوزی سے پیغام

حق پہنچا دیا۔عمل کرنا نہ کرنا دوسروں کا کام ہے۔اللہ تعالیٰ توفیق دے۔غرض اپنی ساری عمر اسی طرح اسلام کی خدمت اور مسلمانوں کی فکر وسعی ، بہبود دارین ہی میں گزار دی۔ جزاہ اللہ عن جمیع المسلمین احسن الجزاء۔

یہ تو سیاسی خدمت تھی جس کو اسی حد تک انجام دیا جو تحت قدرت تھی۔اور اہل تبلیغ کے شایان شان تھی اور خدمت دینی میں تو اپنی ساری زندگی ہی گزاری جیسا کہ حالات وفات کے ضمن میں بہ تفصیل عرض کیا گیا۔افادہ وافاضہ دینی کا تو اتنا شوق تھا کہ کسی حال میں بغیر اس کے چین ہی نہ آتا تھا جیسا کہ بعض حالات متذکرہ بالا سے ناظرین نے اندازہ فرمالیا ہوگا۔اس کے متعلق اتفاق سے میری سابقہ مکتوبات حسن العزیز کی کاپی میں جو اس وقت میرے سامنے ہے اہل علم وفضل کے دو مختصر سے خواب مع حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی دی ہوئی تعبیروں کی نظر سے گزرے جن کا اس مقام پر نقل کر دینا چسپاں معلوم ہوا اور بیساختہ جی چاہا کہ محض تائیداً وتقویۃً وتفریحاً بدیہ ناظرین کردوں۔

(پہلا خواب) دیکھتا ہوں کہ آپ کا سینۂ مبارک دودھ سے بہت بھر گیا جس سے آپ کو تکلیف ہوتی ہے اس تکلیف کو کم کرنے کے لئے میں نے بائیں جانب پر منہ لگایا اور دودھ نکالتا ہوں کچھ نگلتا ہوں اور کچھ کچھ گراتا بھی جاتا ہوں۔

(تعبیر) مجھ کو تعبیر سے کوئی خاص مناسبت نہیں لیکن غالباً آپ اس عذر کو تکلیف سمجھیں گے اس لئے ؎ زصاف دورد پیش آرانچہ داری + پرعمل کرتا ہوں ، خواب کے رائی کوئی خورد ومرئی لہ، کوئی بزرگ ہوتے تو میں درجہ ظن میں یہ تعبیر دینا تجویز کرتا کہ مرئی لہ کو اللہ تعالیٰ نے ایسے نافع علوم عطا فرمائے ہیں جن کے افادہ کا ان پر تقاضا ہے اور عدم استفادہ سے ناگواری ہے، رائی نے ان کو اخذ کیا (حالاً یا استقبالاً) کچھ گرنا اس طرف اشارہ ہے ع اگر شراب خوری جرعہ فشاں برخاک الخ۔

(دوسرا خواب) تابعدار نے ایک خواب دیکھا ہے کہ میں حضور کے ہمراہ سفر میں ہوں۔حضور نے ارشاد فرمایا کہ میں نے ایک چارپائی بنی ہے۔

(تعبیر) شاید سلاسل اربعہ مراد ہوں کہ میں نے جو طریق کی خدمت کی ہے اس سے

سب سلاسل کی اصلاح ہوگئی۔آخر وقت تک ضرورت میں سخت سخت تعب برداشت کر کے بھی خدمت دینی بجالاتے رہے چنانچہ ایک طالب کو تحریر فرمایا "جو حالات و معمولات کی تفصیل لکھی ہے ضعف واضمحلال کی حالت میں گو اس کا پڑھنا موجب تعب ہوا مگر پھر بھی احتیاطاً پڑھا معلوم ہوا کہ ضروری اور غیر ضروری اور اختیاری اور غیر اختیاری مضامین میں خلط ہو گیا ہے۔اس لئے کوئی منضبط جواب کلی ذہن میں نہ آسکا اور ہر جزو کا جواب دینے کی ہمت نہ ہوئی کیونکہ ہر جزء کا بقیہ دوسرے جزء میں مخلوط تھا۔لہٰذا آپ کی رعایت سے تطویل مضمون کو تو منع نہیں کرتا کیونکہ طبائع کو بدوں اس کے تسلی نہیں ہوتی لیکن اس کی ترتیب اور ہئیت عرض کرتا ہوں کہ اگر متعدد مضامین لکھنا ہوں تو ہر جزء پر نمبر ڈالا جائے اور ختم پر اس میں جو میرے کرنے کا کام ہو اس کی تصریح فرمائی جائے اس میں یہ فائدہ ہوگا کہ کئی جلسوں میں جواب لکھا جاسکے گا اور ایک جزء کے جواب لکھنے میں دوسرے جزء کا استحضار ضروری نہ ہوگا جیسا خلط میں ہوا، یہ معیار پیش نظر رہے تو پھر تطویل اور اختصار کا اختیار ہے۔اھ

سبحان اللہ کیا کیا رعایتیں ہیں، کیا کیا تدبیریں ہیں اور کیا کیا سہولتیں ہیں تا کہ دوسرے کو اس حالت غایت ضعف واضمحلال میں بھی نفع دینی پہنچ سکے **فجزاھم اللہ احسن الجزاء**۔حضرت اقدس نے ہمیشہ اپنے کو سارے مسلمانوں کو یکساں خادم فرمایا اور خدمت دین کرنے میں کبھی مرید اور غیر مرید میں فرق نہیں سمجھا اور عملاً بھی کر کے دکھلا دیا غرض جس نے اپنی ساری عمر اسی طرح خدمت خلق میں گزار دی اور گویا اپنی جان کھپا دی اور تج دی۔اس کے لئے اگر آج دنیا ماتم کر رہی ہے، کیا موافق، کیا مخالف تو کیا تعجب کی بات ہے، اس پر حضرت اقدس کا ارشاد یاد آتا ہے کہ اب تو لوگ قدر نہیں کرتے بلکہ بعضے مخالف ہیں لیکن بعد کو سب سر پکڑ کر روئیں گے۔اس وقت قدر ہوگی۔اھ۔سو واقعی یہی ہوا ع یاد آئے گی انہیں میری وفا میرے بعد + اللہ تعالیٰ سب کو توفیق دے کہ حضرت اقدس کی تصانیف کو باقاعدہ مطالعہ اور عمل میں رکھیں کیونکہ انہیں دین اپنی اصلی اور مکمل صورت میں ان شاء اللہ تعالیٰ انہیں تصانیف کے اندر نظر آئے گا، خدا کرے اہل خیر کو اس طرف خاص توجہ ہو جائے اور جا بجا کتب خانہائے اشرفی سب کے مطالعہ کے لئے کھل جائیں، جو

صاحب حضرت کی تصانیف کا باقاعدہ مطالعہ فرمائیں گے وہ ان شاء اللہ تعالیٰ کھلی آنکھوں دیکھیں گے کہ علوم ومعارف کے کیسے کیسے نادر اور بے بہا جواہرات ان میں بھرے پڑے ہیں بلکہ میں تو اس مطالعہ کو ہر مسلمان کے لیے ضروری سمجھتا ہوں جو پڑھے لکھے نہیں ہیں ان کو پڑھے لکھے صاحبان سہل سہل کتابیں یا مشکل مقامات کو سہل کر کر کے بوقت فراغ سنا دیا کریں تو خود بھی فائدہ اٹھائیں اور دوسروں کو بھی متنفع فرمائیں۔ نیز جو حضرات اہل علم ہیں وہ خود تصانیف کی اس طرح خدمت بجالائیں کہ کوئی تصوف کے مضامین کا انتخاب کر رہا ہے ، کوئی نکات قرآن وحدیث کو جمع کر رہا ہے کوئی مواعظ کا خلاصہ یا تسہیل کر رہا ہے، کوئی مختلف زبانوں میں ترجمہ کر رہا ہے، کوئی منتخب مضامین کی تشریح بطرز جدید کر رہا ہے، کوئی نو تعلیم یافتوں کے اشکالات کے جوابات کو یکجا کر کے ان کی بطریق نو تقریر کر رہا ہے، کوئی مضامین دقیقہ کی توضیح کر رہا ہے، کوئی فتاویٰ کی تبویب کر رہا ہے، وغیرہ وغیرہ جو صورت جس کے ذہن میں اشاعت عام اور نفع تام کی آئے۔ واللہ الموفق۔

بعض خاص خاص وصایا

(منتخب از اشرف السوانح)

حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے کسی معاملہ کو ایسا نہیں چھوڑا کہ جس میں بعد کو کوئی شرعی اشکال پیش آئے اپنے کل ترکہ کے بارہ میں عرصہ ہوا مفصل وصایا لکھ کر شائع فرما چکے ہیں جن کو دیکھ دیکھ کر جناب مولانا شبیر علی صاحب نہایت اہتمام اور احتیاط تمام کے ساتھ ترکہ کو تقسیم فرما رہے ہیں، دو علاتی بھائی اور دونوں پیرانی صاحبہ۔ بس یہ چار وارث ہیں ان میں سے دونوں بھائیوں نے جن کو ماشاء اللہ تعالیٰ نے سب کچھ دے رکھا ہے۔ صرف ایک ایک دو دو مستعمل چیزیں محض تبرکاً لے لے کر اپنا اپنا بقیہ حصہ دونوں پیرانی صاحبوں کے حق میں واگذاشت فرما دیا ہے۔ فجزاہم اللہ تعالیٰ فی الدارین خیر الجزاء علی ہذہ العطاء۔ بعض ایسی وصایا جو عام نفع کی ہیں اور سب کے لیے ہیں ملخصاً بقدر ضرورت ذیل میں نقل کی جاتی ہیں اور اگر بالتفصیل دیکھنے کا شوق ہو تو اشرف السوانح حصہ سوم میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) میں اپنے سب دوستوں سے استدعا کرتا ہوں کہ میرے معاصی صغیرہ وکبیرہ، عمدو

خطا کے لئے استغفار فرمائیں۔

(۲) میرے بعض اخلاق سیئہ کے سبب بعض بندگانِ خدا کو حاضرانہ وغائبانہ میری زبان و ہاتھ سے کچھ کلفتیں پہنچی ہیں اور کچھ حقوق ضائع ہوئے ہیں، خواہ اہل حقوق کو اس کی اطلاع ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو میں نہایت عاجزی سے سب چھوٹے بڑوں سے استدعا کرتا ہوں کہ للہ دل سے ان کو معاف فرمادیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی تقصیرات سے درگذر فرمائیں گے۔ میں بھی ان کے لئے یہ دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کو دارین میں عفو وعافیت عطا فرمائیں، معذرت کرنے والے کی تقصیر سے درگذر کرنے کی بڑی فضیلت آئی ہے۔الخ

(۳) اس قبیل کی کوتاہیاں جو دوسروں سے میرے حق میں ہوگئی ہوں بطیب خاطر گذشتہ اور آئندہ کے لئے محض خدا تعالیٰ کے راضی کرنے کو اور اپنی خطاؤں کی معافی کی توقع پر وہ سب معاف کرتا ہوں۔

(۴) میں اپنے سب دوستوں کو خصوصاً اور سب مسلمانوں کو عموماً بہت تاکید کے ساتھ کہتا ہوں کہ علم دین کا خود سیکھنا اور اولاد کو تعلیم کرانا ہر شخص پر فرض عین ہے، خواہ بذریعہ کتاب، یا بذریعہ صحبت، بجز اس کے کوئی صورت نہیں کہ فتن دینیہ سے حفاظت ہو سکے۔ جن کی آج کل بے حد کثرت ہے۔ اس میں ہرگز غفلت یا کوتاہی نہ کریں۔

(۵) طالب علموں کو وصیت کرتا ہوں کہ نرے درس وتدریس پر مغرور نہ ہوں اس کا کار آمد ہونا موقوف ہے۔ اہل اللہ کی خدمت وصحبت ونظر عنایت پر۔ اس کا التزام نہایت اہتمام سے رکھیں۔

بے عنایات حق و خاصانِ حق　　　گر ملک باشد سیہ ہستش ورق

(۶) جو مدرسہ دینیہ فی الحال یہاں میرے تعلق میں جاری ہے وہ ایک خاص شان کا مدرسہ ہے۔ الخ۔ میرا دل یوں چاہتا ہے کہ میرے بعد بھی اس کے بقاء کی طرف توجہ رکھی جاوے اور خدا تعالیٰ اس مدرسہ کی خدمت کی جس کو توفیق دے تو وہ اس کے طرز کو جس کا ایک مہتم بالشان جزو تربیت اخلاق واصلاح نفس ہے نہ بدلے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ اس میں بہت خیر و برکت کی امید ہے۔

(۷) دینی یا دنیوی مضرتوں پر نظر کرکے ان امور سے خصوصیت کے ساتھ احتیاط رکھنے کا مشورہ دیتا ہوں۔ (۱) شہوت وغضب کے مقتضاء پر عمل نہ کریں (۲) تعجیل نہایت بری چیز

ہے (۳) بے مشورہ کوئی کام نہ کریں۔ (۴) غیبت قطعاً چھوڑ دیں۔ (۵) کثرت کلام اگر چہ مباح کے ساتھ ہو اور کثرت اختلاط خلق بلا ضرورت شدیدہ و بلا مصلحت مطلوبہ اور خصوصاً جبکہ دوستی کے درجہ تک پہنچ جاویں۔ پھر خصوص جبکہ ہر کس و ناکس کو راز دار بھی بنالیا جاوے نہایت مضر چیز ہے (۶) بدوں پوری رغبت کے کھانا ہرگز نہ کھائیں (۷) بدوں سخت تقاضہ کے ہمبستر نہ ہوں (۸) بدوں سخت حاجت کے قرض نہ لیں۔ (۹) فضول خرچی کے پاس نہ جائیں (۱۰) غیر ضروری سامان جمع نہ کریں۔ (۱۱) سخت مزاجی و تندخوئی کی عادت نہ کریں، رفق اور ضبط اور تحمل کو اپنا شعار بناویں۔ (۱۲) ریا و تکلف سے بہت بچیں، اقوال و افعال میں طعام ولباس میں بھی۔ (۱۳) مقتدا کو چاہیے کہ امراء سے نہ بد خلقی کرے اور نہ زیادہ اختلاط کرے اور نہ ان کو حتی الامکان مقصود بناوے، بالخصوص دنیوی نفع حاصل کرنے کیلئے۔ (۱۴) معاملات کی صفائی کو دیانات سے بھی زیادہ مہتم بالشان سمجھیں (۱۵) روایات و حکایات میں بے انتہا احتیاط کریں، اس میں بڑے بڑے دیندار اور فہیم لوگ بے احتیاط کرتے ہیں، خواہ سمجھنے میں یا نقل کرنے میں، (۱۶) بلا ضرورت بالکلیہ اور ضرورت میں بلا اجازت و تجویز طبیب حاذق شفیق کے کسی قسم کی دوا ہرگز استعمال نہ کریں۔ (۱۷) زبان کی غایت درجہ ہر قسم کی معصیت سے ولایعنی سے احتیاط رکھیں۔ (۱۸) حق پرست رہیں اپنے قول پر جمود نہ کریں۔ (۱۹) تعلقات نہ بڑھائیں۔ (۲۰) کسی کے دنیوی معاملہ میں دخل نہ دیں۔

(۸) میں اپنے تمام منتسبین سے درخواست کرتا ہوں کہ ہر شخص اپنی عمر بھر یاد کر کے ہر روز سورۃ یٰسین شریف یا تین بار قل ہو اللہ شریف پڑھ کر مجھ کو بخش دیا کرے مگر اور کوئی امر خلاف سنت بدعات عوام و خواص میں سے نہ کریں۔

(۹) حتی الامکان دنیا و مافیاء سے جی نہ لگاویں اور کسی وقت فکر آخرت سے غافل نہ ہوں۔ ہمیشہ ایسی حالت میں رہیں کہ اگر اسی وقت پیام اجل آجائے تو کوئی فکر اس تمنا کا مقتضی نہ ہو **لولا اخرتنی الی اجل قریب فاصدق واکن من الصلحین** اور ہر وقت یہ سمجھے ع شاید ہمیں نفس، نفسِ واپسیں بود + اور علی الدوام دن کے گناہوں سے قبل رات کے اور رات کے گناہوں سے قبل دن کے استغفار کرتے رہیں۔ اور حتی الوسع حقوق العباد سے سبکدوش رہیں۔

(۱۰) خاتمہ بالخیر ہونے کو تمام نعمتوں سے افضل و اکمل اعتقاد رکھیں اور ہمیشہ خصوصاً پانچوں نمازوں کے بعد نہایت لجاجت وتضرع سے اس کی دعا کیا کریں اور ایمان حاصل پر شکر کیا کریں کہ حسب وعدہ لئن شکر تم لا زیدنکم یہ بھی اعظم اسباب ختم بالخیر سے ہے۔الخ۔

(۱۱) میرے ایصالِ ثواب کے لئے بھی جمع نہ ہوں، نہ اہتمام سے نہ بلا اہتمام، اگر کسی دوسرے اتفاق سے بھی جمع ہو جاویں تو تلاوت وغیرہ کے وقت قصداً متفرق ہو جاویں اور ہر شخص منفرداً بطور خود جس کا دل چاہے دُعا وصدقہ وعبادات نافلہ سے نفع پہنچا دیں۔ نیز میری مستعمل چیزوں کے ساتھ متعارف طریق سے تبرکات سا معاملہ نہ کریں۔ البتہ اگر کوئی محبت سے شرعی طریق سے اس کا مالک بن کر مخفی طور پر اپنے پاس رکھے مضائقہ نہیں اس کا اعلان اور دوسروں کو دکھلانے کا اہتمام نہ کیا جائے۔

بس یہ گیارہ وصایا ہیں جن کو اَحَدَ عَشَرَ کو کباً سے بلحاظ عدد تشابہ ہے ہدایت اور عمل کے لئے ان شاء اللہ تعالیٰ کافی ووافی ہیں۔ اللہ تعالیٰ توفیق خیر بخشیں۔ امین ثم آمین۔

اللہ تعالیٰ حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی اس تمنا کو بھی جو اپنے مدرسہ کے ابقاء کے لئے وصیت مذکورہ ۲۷ میں ظاہر فرمائی ہے بعینہٖ پورا فرمائے جس کی ان شاء اللہ تعالیٰ قوی امید ہے۔ حق تعالیٰ ببرکت حضرت والا جناب مہتمم صاحب کی جو سب وصایا کے وصی ہیں اور نہایت مستعدی اور سلیقہ سے اور بالکل حضرت اقدسؒ ہی کے طرز اور مذاق کے مطابق ساری وصایا کو جس میں مدرسہ کی وصیت بھی خاص طور سے شامل ہے پورا فرمارہے ہیں ہمیشہ اعانت فرماتے رہیں اور جو مختلف نہایت مفید اور اہم خدمات دینیہ اور اس مدرسہ سے ہوتی رہی ہیں ان کو حسن وخوبی کے ساتھ جاری رکھیں، بالخصوص تصنیف وتالیف، افتاء اور دعوۃ الحق یعنی تبلیغ کے کام کے لئے غیب سے سامان فرمادیں اور فرماتے رہیں۔ آمین ثم آمین۔

تعزیت

اکثر صاحبوں نے یہی کہا ہے اور بالکل سچ کہا ہے کہ کون کس کی تسلی وتعزیت کرے ساری امت احمدیہ (علی صاحبها الصلوٰة والتحیه) کا حادثہ ہے۔ ساری امت محمدیہ ہی محتاج تعزیت ہے۔ گویا ہر ایک دوسرے سے بزبان حال یہی کہہ رہا ہے ؎ نالہ بلبل اگر

بامنت سر یاری ست + کہ ما دو عاشق زاریم و کار ما زاری ست اور ؎

کوئی مزا مزا نہیں، کوئی خوشی خوشی نہیں تیرے بغیر زندگی موت ہے زندگی نہیں

ایسے موقع پر سب سے زیادہ تسلی بخش یہ امر ہے کہ جب ہمارے سرکار محبوب پروردگار، سارے نبیوں کے سردار حضرت احمد مختار صلی اللہ علیہ وآلہ الاطہار ہی دنیا میں نہ رہے تو پھر اور کون رہ سکتا ہے۔ بقول احقر ؎

نہ کوئی رہا ہے نہ کوئی رہے گا رہے گا تو ذکرِ نکوئی رہے گا

لیکن اطمینان یہ ہے کہ الحمدللہ جس کام کے لئے حق تعالیٰ نے حضرت اقدس کو اس دنیا میں بھیجا تھا یعنی تجدید وتوضیح دین اس کو بعون اللہ تعالیٰ حضرت پوری طرح انجام دے کر تشریف لے گئے ہیں اور ہمارے لئے راہ نجات کو بالکل بے غبار اور ہموار فرما کر ہم سے جدا ہوئے ہیں، میرے نزدیک اب حضرت کا ادائے حق یہی ہے کہ حضرت اقدس کی تعلیمات و ہدایات پر ہم پہلے سے بھی زیادہ عمل پیرا ہوں تا کہ صدقہ جاریہ کے طور پر حضرت اقدس کو برابر ثواب پہنچا رہے کیونکہ اس سے بڑھ کر حضرت کے لئے ایصال ثواب کی بھی اور کونسی صورت ہو سکتی ہے۔ نیز ان شاء اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے ہم اپنی اپنی حیثیت کے موافق کسی درجہ میں حضرت اقدس کی معیت دائمہ فی الجنہ کے بھی اہل ہو سکیں گے اور اس طرح بیک کرشمہ دو کار کے مصداق ہو جائیں گے۔

آج ہی حضرت اقدس کے ایک خدمت گزار خادم نے اپنا خواب بیان کیا کہ حضرت اقدس مع حضرت حاجی صاحب مہاجر مکی، حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس اللہ اسرار ہم تشریف فرما ہیں، ان کے استفسار پر حضرت اقدسؒ نے ان سب حضرات کا تعارف کرایا اور فرمایا کہ تم یہاں بھی میرے پاس ہی رہو گے، میری غلامی میں رہو گے۔ اھ

اللہ تعالیٰ یہ دولت ان کو بھی اور ہم سب خدام کو بھی نصیب فرمائے جس کی سب سے زیادہ مؤثر صورت وہی ہے جو اوپر عرض کی گئی یعنی اتباع اللہ تعالیٰ توفیق نیک بخشے۔ آمین

باقی رہا صبر سو یہ بتدریج خود ہی اللہ تعالیٰ میسر فرما دیتے ہیں۔ جیسا کہ ایک صاحب

نے اپنے صاحبزادہ کے فوت ہونے پر حضرت اقدس کو لکھا کہ حق تعالیٰ کے حاکم اور حکیم ہونے کا یقین ہے لیکن دل کا قرار اٹھ گیا ہے کوئی علاج ارشاد فرمائیں جس سے دل کو قرار ہو۔ حضرت اقدس نے تحریر فرمایا کہ قرار طبعی کی کوئی تدبیر نہیں تدریجاً وہ خود ہی ہو جاتا ہے اور قرار عقلی کا علاج وہی حاکم اور حکیم ہونے کا مراقبہ ہے اھ۔ یہ تو حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کا تحریر فرمایا ہوا مجمل تعزیت نامہ تھا۔ اب ایک مفصل تعزیت نامہ ملاحظہ ہو۔

احقر اس حادثہ جان کاہ کے واقع ہونے پر احباب سے یہ عرض کیا کرتا تھا کہ اس موقعہ پر بھی ہماری تسلی کے لئے حضرت اقدس ہی کی ضرورت تھی جیسا حضرت اقدس کا عنوان تسلی موجب تسلی ہوتا وہ اور کسی کا تھوڑا ہی ہوسکتا ہے۔ لیکن وہ اب کہاں میسر حسن اتفاق دیکھئے کہ خود حضرت اقدس کے دست مبارک کا لکھا ہوا ایک مفصل اور نہایت تسلی بخش تعزیت نامہ گیارہ برس پہلے کا لکھا ہوا ایک صاحب نے بھیج دیا جو حضرت اقدسؒ کے مجاز صحبت بھی ہیں اور اہل برادری میں سے بھی ہیں وہ اس زمانہ میں لندن میں تعلیم پارہے تھے کہ ان کے والد ماجد کا یہاں وطن میں انتقال ہوگیا۔ یہ گویا غیب سے اللہ تعالیٰ نے خود حضرت اقدسؒ کا مضمون تعزیت ہم غم زدہ خدام کی تسلی کے لئے بھجوا دیا جس کو گھر گھر پڑھا گیا متعدد نقلیں لی گئیں اور باہر بھیجی گئیں۔ اتنی مقبولیت دیکھ کر مکتوب الیہ صاحب کو اس کی ضرورت محسوس ہوئی کہ مزید تسلی واطمینان کے لئے اس کا عکس لے کر بلاک تیار کرالیا جائے، چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے۔ اس تعزیت نامہ کی نقل اور منجانب مکتوب الیہ صاحب اس کا عکس بھی ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے امید ہے کہ اس کا مضمون نہایت سبق آموز اور تسلی بخش ہوگا۔ نیز خود حضرت اقدسؒ نے جس بے تعلقی اور بے رغبتی سے اس سرائے فانی میں زندگی بسر فرمائی اسکو بھی ظاہر کردے گا۔ علاوہ بریں حضرت اقدسؒ کے حکیم الامت ہونے کی شان بھی نمایاں ہو جائے گی کہ کس حسن ولطافت سے اور کس موقع ومحل کی ضرورت کے موافق تعزیت فرمائی۔ ورنہ اتنی دور پردیس میں نہ معلوم ان پر اس صدمہ کا کتنا اثر ہوتا اور وہ کہیں گھبرا کر وہاں سے قبل از فراغ ہی نہ چلے آتے یا اتنا لمبا سفر آمدورفت کا بصرف زر کثیر نہ کر بیٹھتے۔ اب پہلے نقل ملاحظہ ہو پھر عکس کے کتاب کے ختم پر از اشرف علی عفی عنہ۔

8

عزیزم سلمہ السلام علیکم کئی روز ہوئے میں مدرسہ کو آرہا تھا، راستہ میں حافظ اعجاز کا چھوٹا بچہ مل گیا میں نے چھیڑ کے طور پر اس کو کچھ کہہ دیا، وہ بولا اللہ کرے بڑے ابا مر جاویں، اس وقت میں نے غور کیا کہ اس کلمہ کا مجھ پر کیا اثر ہوا سو الحمدللہ یہ محسوس ہوا کہ جیسے کوئی مسافر گھر کا عیش و آرام چھوڑ کر کسی ضرورت سے سفر میں ہو جہاں اس کو ہر طرح کی کلفت کا ہر وقت سامنا ہو اور کوئی شخص اس کو کہے خدا کرے تو اپنے گھر پہنچ جاوے۔ یہ کہنے والا خواہ کسی نیت سے کہے۔ لیکن اس سننے والے پر اس کا کیا اثر ہوگا۔ ظاہر ہے کہ خوش ہوگا کہ اس نے مجھ کو بہت اچھی دعا دی اور اگر اس نے بددعا کے قصد سے کہا ہوگا تو اس خوشی کے ساتھ اس کو تعجب بھی ہوگا کہ عجیب بے وقوف ہے کہ دعا کو بددعا سمجھ رہا ہے۔ بس بحمدللہ تعالیٰ وہی اثر اس وقت مجھ پر ہوا اور میں ہنسا کہ اس نے تو اپنے نزدیک انتہاء درجہ کی بددعا تجویز کی ہوگی مگر وہ واقع میں دعا ہے۔ تو یہ اثر جو مجھ پر ہوا یہ نتیجہ کس چیز کا تھا۔ صرف بزرگوں کی صحبت سے جو عقل و دین عطا ہوا تھا صرف اس کا اثر تھا۔ ورنہ طبعاً تو ایسی دعا سب ہی کو ناگوار اور گراں ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے دولتِ عقل و دین اس لئے عطا فرمائی ہے کہ ایسے مواقع میں ان دونوں کو طبیعت پر غالب رکھے۔ خدا تعالیٰ کا فضل ہے کہ آنعزیز کو اللہ تعالیٰ نے دین بھی دیا، عقل بھی دی اور اہل اللہ کی صحبت بھی میسر آئی جس سے ان دونوں حالتوں میں کافی قوت اور اضافہ ہوگیا۔ تو اگر کوئی ایسا موقع ہو تو ضرور اپنے دین اور عقل کو طبیعت پر غالب رکھو گے۔ اب ایسے موقع کی اطلاع دیتا ہوں۔

آنعزیز کے والد ماجد جو طویل مدت سے علیل تھے اور جن کی علالت کی اطلاع گھر سے آنعزیز کو ملتی رہی۔ پس اس دارالمشقۃ مسافر خانہ بلکہ برخار دشت کو چھوڑ کر اپنے آرامگاہ وطن اصلی آخرۃ کو روانہ ہوگئے۔ جس سے طبعاً آنعزیز متاثر ہوں گے اور یہ تاثر نہ عقلاً مذموم ہے نہ شرعاً۔ بلکہ علامت ہے محبت و تراحم کی جو کہ ہر مسلمان کے لئے ہر مسلمان پر حق ہے، خصوص جس سے زیادہ تعلقات ہوں۔ خصوص سرپرست اور مربی کے لئے۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی مطلوب ہے کہ عقل و دین کو طبیعت پر غالب رکھ کر راضی برضا اور مفوض بالقضا ہوں، نہ جزع فزع کریں نہ حدود سے متجاوز ہوں، دل پر قابو حاصل کر کے مرحوم کے

ایصال ثواب سے مدد پہنچاویں۔ خواہ عبادت بدنیہ نوافل وتلاوتِ قرآن سے خواہ صدقہ مالیہ سے، جس قدر اور جس طریق سے سہل ہو۔ ممکن ہے کہ واقعہ قلب پر زیادہ اثر نہ کرے مگر ان کی فکر نجات طبیعت کو مشوش کرے۔ سو اس کے متعلق یہ بھی واقعہ ہے کہ مرحوم اگرچہ اعمال میں آزاد تھے لیکن عقائد و جذبات و ملکات اور سب کو نفع رسانی خصوص اہل دین کی عظمت واحترام کی رعایت اور ترحم و ہمدردی وغیرہ وغیرہ۔ یہ ایسے امور ان میں تھے جو حق تعالیٰ کی رحمت کو متوجہ کرنے والے ہیں۔ پھر خود بیماری کی تکالیف بھی بروئے حدیث گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے اور اس سب سے قطع نظر اب ثواب بخشنے سے وہی نفع ہو سکتا ہے جو اعمال سے ہوتا۔ سو یہ زندوں کے ہاتھ میں ہے۔

غرض صبر جمیل سے کام لیں اور صبر ہی کا تتمہ یہ بھی ہے کہ محض اس واقعہ سے متاثر ہو کر اپنا نظام عمل نہ بدلیں کہ اپنا نقصان کرنے سے ان کو یا کسی کو نفع نہیں پہنچ سکتا تو ایسے فعل عبث سے کیا فائدہ۔ بس اپنا کام پورا کر کے وہاں سے آویں جیسا پہلے سے تجویز کر رکھا ہے اب دعا پر ختم کرتا ہوں۔

از تھانہ بھون ۶ ربیع الاول ۱۳۵۱ھ

نوٹ: اس والا نامہ کا عکس سامنے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں

نقل والا نامہ عکسی حکیم الامت حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ

[illegible]

خاتمۃ الخاتمہ یعنی التماس اخیر

یہ افسانہ گو بے ربط سہی لیکن بمصداق ع درد جس پہلو سے اُلٹو درد ہے + اظہار واقعات وحالات وفات حسرت آیات کے لئے کافی ووافی ہی نہیں بلکہ ان شاء اللہ تعالیٰ شافی بھی ہے۔ رہی بے ربطی سواس کو بھی اہل شوق ان شاء اللہ تعالیٰ اس کا مصداق پائیں گے۔

قباوا کردۂ وکاکل پریشاں کردہ می آید　　　ببیں ایں بے سروساماں چہ ساماں کردہ مے آید

اور کہیں گے ع بگڑنے میں بھی زلف اس کی بنا کی + اور جو اعلیٰ ذوق رکھنے والے ہیں ان کے لئے بھی اس میں مواد کافی موجود ہے اس کو وہ اپنے طور پر مرتب فرما کر باقاعدہ تصنیف کی صورت میں لے آئیں تاکہ خواص کے لئے بھی کارآمد چیز تیار ہو جائے یہی اشرف السوانح میں بھی عرض کیا گیا تھا۔ باقی میں تو مجذوب ہوں مصنف نہیں، جذبات تو رکھتا ہوں ان کو موزوں صورت میں پیش کرنے کا سلیقہ نہیں۔ بقول خود۔

جذبات تو رکھتا ہوں مگر لحن نہیں ہے　　　رولیتا ہوں، ہنس لیتا ہوں، گایا نہیں جاتا
کیا کہوں دل کا کسی سے قصہ آوارگی　　　کوئی بھی بے ربط ہوتی ہے کہانی اس قدر

مگر ہیں سب باتیں وہی جو حضرت اقدس سے سنی ہیں کیونکہ

ع رہا ہوں میں شریک حلقہ پیر مغاں برسوں

وہی باتیں تو مجذوب اپنی بزم میں بھی سناتا ہے　　　ذرا سنبھلے ہوئے لفظوں میں جو تو نی کہیں ساقی

اس الجھی ہوئی داستان غم سے جو پیش نظر ہے ناظرین نے یہ بھی دیکھ لیا ہوگا کہ حضرت اقدسؒ کی حیات و ممات دونوں کس شان کی تھیں یہ گویا ہم سب کے لئے نمونہ حق تعالیٰ نے دکھلا دیا کہ حیات ہو تو ایسی ہو اور ممات ہو تو ایسی۔ اللہ تعالیٰ ایسی حیات اور ایسی ممات سب کو نصیب فرمائے۔ حسن اتفاق سے احقر نے اسی کا ایک مصرعہ بنایا ع نصیب سب کو ہو یا الٰہی حیات ایسی ممات ایسی + تو اس میں تھوڑے سے تغیر سے تاریخ وفات نکل آئی۔ وہ مصرعہ تاریخی مصرعہ کی صورت میں آ کر یہ ہو گا ع نصیب ہو سب کو اب الٰہی حیات ایسی، ممات ایسی + بجائے یا الٰہی کے اب الٰہی کرنا پڑا۔ ”اب“ اس واسطے بھی موزوں ہے کہ حضرت نمونہ پیش کر ہی چکے ہیں۔ اب سب کو ایسی حیات اور ایسی ممات نصیب ہو سکتی ہے۔ اس مصرعہ تاریخیہ پر جو اشعار لکھے ہیں وہ وفات نامہ منظوم میں آگے آتے ہیں۔ جب حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی مجموعی حالت پر نظر کرتا ہوں اور جو کچھ لکھا گیا ہے اس کو دیکھتا ہوں تو اپنا یہ شعر صادق آتا ہے۔

زباں بے دل ہے اور دل بے زباں ہے ہائے مجبوری　　　بیاں میں کس طرح وہ آئے جو دل پر گزرتی ہے

اور بوجہ طبیعت میں شعریت ہونے کے یہ اشعار ذہن میں آنے لگتے ہیں۔

ہزاروں حسرتیں ایسی کہ ہر حسرت پہ دَم نکلے — بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

دامان نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار — گلچین بہار تو زداماں گلہ دارد

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی راسخن پایاں — بمیر و تشنہ مستقی و دریا ہمچناں باقی

خوبی ہمی کرشمہ و ناز و خرام نیست — بسیار شیوہاست بتاں را کہ نام نیست

تیری صورت سے نہیں ملتی کسی کی صورت — ہم جہاں میں تری تصویر لئے پھرتے ہیں

ڈھلا سارا بدن سانچے میں گویا — نہیں اُترا ہوا ظالم کہیں سے

زفرق تابقدم ہرکجا کہ مے نگرم — کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا اینجاست

کب کوئی ثانی ہے تیرا لاجواب ایسا تو ہو — چن لیا لاکھوں میں تجھ کو انتخاب ایسا تو ہو

جس طرح چاند سارے ستاروں میں ایک ہے — ویسے ہی میرا شیخ ہزاروں میں ایک ہے

کہیں نہ دیکھا کہیں نہ پایا جمال ایسا کمال ایسا — دکھائے کوئی اگر ہو دعویٰ جمال ایسا کمال ایسا

ع جو بات کی خدا کی قسم لاجواب کی

ع تسلی داد ہر یک را برنگے

محفل میں تیری سب کے ارمان نکل رہے ہیں

سالک اُبل رہے ہیں، مجذوب اُچھل رہے ہیں

اور واقعی عجیب و غریب ہمہ گیر اور جامع ذات تھی، جو ہزاروں مختلف الحال اور مختلف الخیال لوگوں کو ایک رسی میں جکڑے ہوئے تھی۔ بفحوائے **واعتصموا بحبل اللّٰہ جمیعاً ولا تفرقوا**۔ ہر طبقہ کے بڑے سے لے کر چھوٹے تک یکساں گرویدہ تھے۔ سب حاضر ہوتے اور بے حد متاثر ہو کر جاتے۔ بڑے بڑے لیڈر بھی باوجود سیاسی اختلاف کے حاضر ہوئے اور بہت متاثر ہو کر گئے۔ بڑے رؤسا، ذی وجاہت نواب و انگریزی داں عہدیدار نہایت نیاز مندی سے شرف دست بوسی حاصل کرنے آتے اور نہایت مطمئن و مسرور جاتے۔ حضرت خود فرماتے تھے کہ جب کسی سے میں دو چار باتیں کر لیتا ہوں تو ایسا اثر ہوتا ہے جیسے اس کا دل میری مٹھی میں آ گیا ہو یہ بھی فرمایا کہ جب کوئی طالب آتا ہے تو دو چار باتوں میں اس کا مرض اور اس کا علاج سب بفضلہٖ تعالیٰ ذہن میں آ جاتا ہے۔ زندہ دل اور متین دونوں اپنے اپنے رنگ پر

حضرت اقدس کو سمجھتے۔ حالانکہ حضرت کا رنگ سب سے الگ تھا۔

ہر سکے از ظن خود شد یارِ من — وز درونِ من بجست اسرارِ من

ہر ایک کے ساتھ اس کے مذاق کے مطابق اور اس کے رنگ طبیعت کے مناسب برتاؤ فرماتے تھے۔ خود فرماتے تھے کہ میں سب کو ایک لکڑی نہیں ہانکتا۔ اھ۔ یکساں حالت میں بھی حضرت اقدسؒ کے مختلف برتاؤ اسی بناء پر تھے کہ خصوصیت مزاج پر حضرت کی بہت نظر تھی۔ عموماً شیخ کے خط میں اشعار لکھنے کی ممانعت تھی کیونکہ یہ سُوءِ ادب ہے لیکن بعض اہل ذوق شوق نے یہ بھی کیا اور ان کے جذبات کی رعایت سے اس کو گوارا فرمالیا چنانچہ جناب قاضی محمد مکرم صاحب جو اہل برادری میں سے ہیں اور شاعر بھی ہیں۔ عرصہ سے درخواست بیعت کر رہے تھے لیکن چونکہ عزیزوں کو حضرت عموماً بیعت کرنے میں اس لئے ذرا تامل فرماتے تھے کہ عزیزوں سے جو برتاؤ ہوتا ہے اس میں پورا احتساب کیا جاوے تو تعلق قرابت کے خلاف ہوتا ہے اور نہ کیا جاوے تو خیانت ہوتی ہے اس لئے ٹالتے رہے لیکن ایک مرتبہ قاضی صاحب اپنی جائے ملازمت سے محض اسی غرض سے حاضر ہوئے اور راستہ میں اشعار لکھے جو بوجہ اچھے ہونے کے ہدیہ ناظرین ہیں۔

مُرَبَّع

(از قاضی محمد مکرم صاحب تھانوی پینشنر تحصیلدار ریاست بھوپال)

تصویرِ اشتیاق بنا جا رہا ہوں میں — یوں جا رہا ہوں جیسے کھنچا جا رہا ہوں میں
مدہوش ہر قدم پہ ہوا جا رہا ہوں میں — آج ان کی بزمِ ناز میں کیا جا رہا ہوں میں

وہ تیر جستہ ہوں جسے پھیرا نہ جا سکے — وہ عمر رفتہ ہوں جسے کوئی نہ پا سکے
وہ لمحہ حیات ہوں جو پھر نہ آ سکے — وقت عزیز ہوں کہ چلا جا رہا ہوں میں

تھم تھم کہ ہو رہا ہے جو یوں ہر طرف حجاب — مقصود ہے کہ ہو مرا نظارہ کامیاب
رہ رہ کر اُٹھ رہا ہے جو وہ گوشۂ نقاب — مانوسِ تابِ دید کیا جا رہا ہوں میں

چتون میں شوخیاں ہیں، ادائیں شریر ہیں — آنکھوں میں بجلیاں ہیں نگاہوں میں تیر ہیں

ان کی نوازشیں تو ترقی پذیر ہیں — یہ اور بات ہے کہ مٹا جارہاہوں میں
اک کامیاب شعبدہ ایک غمزدۂ حریف — ہاں اک کرشمہ ایک نگاہِ ستم ظریف
اک گردشِ خفیف بس ایک جنبشِ لطیف — ای چشم سحرکار بچا جارہا ہوں میں
خودداریاں گھٹاؤں جہاں تک گھٹا سکوں — افتادگی بڑھاؤں جہاں تک بڑھا سکوں
شاید تری نگاہ میں یوں کچھ سما سکوں — اپنی نظر سے آپ گرا جارہا ہوں میں
بحرِ فنا ہے اور مری کشتی حیات — بربادیوں کا نام جہاں ساحل نجات
اے ناخدائے وقت یہ دنیائے حادثات — اک سیل ہے کہ جس میں بہاجارہاہوں میں

اب کی بار بجائے زبانی درخواست بیعت کرنے کے یہی اشعار لکھ کر حضرت اقدس کی خدمت مبارک میں پیش کر دیئے۔ حضرت کے نکتہ رس نظر نے فوراً اس حسن طلب کو معلوم کرلیا حالانکہ ان میں کہیں بیعت کی صراحت نہیں اور فرمایا کہ آپ تو بہت ہی اصرار کرتے ہیں اچھا بعد عصر مکان پر آجایئے گا وہاں بیعت کرلوں گا۔ گھر پر اس لئے بلایا کہ کسی اور عزیز کو معلوم نہ ہو کیونکہ عموماً عزیزوں سے انکار فرمادیا کرتے تھے۔

غرض بفحوائے طوق الوصول الیٰ اللّٰہ بعدد انفاس الخلائق۔ یعنی اللہ تک پہنچنے کے راستے خلائق کی سانسوں کی تعداد کے برابر ہیں۔ حضرت اقدس کا بھی معاملہ ہر طالب کے ساتھ جدا تھا لیکن اتنا دلپذیر تھا کہ باوجود اکثر احوال میں اصلاحی تنبیہ وتہدید اور زجر وتوبیخ ہوتے رہنے کے ہر خادم آخر وقت تک دل وجان سے نثار رہا اور اب بھی روتے روتے گویا جان دے دیتا ہے۔

حضرت اقدسؒ کی شانِ سیاست پر گویا نکتہ چینی کرتے ہوئے نرمی برتنے کی تائید میں یہ آیت پڑھی۔ ولو کنت فظاً غلیظ القلب لا نفضوا من حولک۔ فوراً فرمایا کہ یہ تو میرے موافق ہے۔ یہاں بفضلہٖ تعالیٰ انفضاض نہیں ہے باوجود میرے سیاست کے برتاؤ کے پھر بھی لوگ مجھ سے لپٹے رہتے ہیں اس سے بروئے آیۃ یہ معلوم ہوا کہ میں غلیظ القلب نہیں ہوں ورنہ انفضاض بھی ہوتا اس کے انفکاک سے غلظتِ قلب کا بھی انفکاک لازم آگیا۔ واقعی حضرت اقدسؒ جس پر ناراض ہوتے یا نکالتے برابر اس کو یاد فرمافرماکر اس

کا تذکرہ فرماتے رہتے اور اظہار افسوس بھی کرتے رہتے بقول احقر ۔

کوئی جا کر کہے غم کس لئے مہجور کرتے ہیں
وہ دل سے پاس رکھتے ہیں نظر سے دور کرتے ہیں

محض تنبیہاً سیاست جاری فرماتے ورنہ دل سے ہمیشہ متوجہ رہتے بلکہ بعد کو پہلے سے زیادہ شفقت بڑھ جاتی جس کو احقر نے یوں لکھا تھا ۔ منبع صد کرم ترا لطف بھرا عتاب تھا۔ سارے تعلقات کا وہ ہی تو فتح باب تھا +

زبان سے وہ کچھ ہی کہے جائیں مجھ کو نگہ دے رہی ہے پیام محبت

عین عتاب کے وقت اور اس کے بعد حضرت اقدسؒ معتوب کو اس طرح دیکھتے جاتے اور قلب کی طرف بھی متوجہ ہوتے جاتے جیسے اس حالت میں بھی اس کو برابر فیض پہنچا رہے ہیں جس کا اہل حس کو نمایاں اثر محسوس بھی ہوتا تھا۔

غرض ہر ایک کو یہی کہتے ہوئے سنا اور یہی محسوس کرتے ہوئے دیکھا کہ حضرت اقدس کو مجھ سے زیادہ شاید کسی اور پر شفقت ہو، کیوں نہ ہو خود حضرت اقدس فرماتے تھے کہ مجھے اپنے سب احباب سے عشق ہے لیکن انہی کی مصلحت کی بناء پر ظاہر نہیں ہونے دیتا۔ یہ اسی کا اثر ہے بعض ادنیٰ ادنیٰ خادموں کی کسی خاص مسرت پر مسرور ہوتے ہوئے دیکھے گئے کہ جیسے خاص اپنا ہی معاملہ ہو یا اپنے کسی خاص محبوب عزیز قریب کا، بعض خادموں کا، بعض خاص الخاص اعزہ سے برسوں غلط فہمیوں کی بناء پر اختلاف رہا لیکن کبھی ذرہ برابر قلب پر میل نہ آنے دیا۔ اور ہمیشہ نہایت بشاشت اور ہمدردی کے ساتھ پیش آتے رہے یہاں تک کہ غلط فہمیاں دور ہو گئیں۔ غرض اخلاقاً بھی حضرت اقدس ایک مکمل انسان کا نمونہ تھے۔ علماء وفضلاء کی بے حد عزت واحترام فرماتے تھے۔ ایک فاضل کے ہدیہ کو آخری دنوں میں آنکھوں سے لگایا، مہمان اپنا ہی رکھا، فرمایا جب چاہے اور جس وقت چاہے میرے پاس آ جایا کیجئے آپ کے لئے کوئی قید نہیں، کھانے کے بارہ میں فرمایا کہ مذاق کے موافق نہ ہو تو معاف فرمایئے گا میں معافی کا خواستگار نہیں مستحق ہوں۔ اس ضعف ونقاہت میں بھی اتنا خیال اکرام کا حق ادا فرما دیا۔

چونکہ ہر طالب کی تربیت اس کے مذاق کے موافق فرماتے تھے اسی وجہ سے بے حد نفع

ہوتا تھا اور بہت جلد نفع ہوتا تھا۔ خود احقر سے ایک بار فرمایا کہ جو نفع اوروں کے یہاں برسوں کے مجاہدوں میں حاصل ہوتا ہے وہ بوجہ مقبولیت سلسلہ حضرت حاجی صاحب کے یہاں ہفتوں میں حاصل ہو جاتا ہے۔

اپنی ہر نعمت کو ہمیشہ حضرت حاجی صاحب ہی کی جوتیوں کی برکت فرماتے رہے۔ اپنی طرف کبھی منسوب نہ فرمایا، یہاں تک کہ وفات سے ایک دن قبل بھی یہی فرماتے رہے، یہ بھی بارہا فرمایا کہ جب حضرت حاجی صاحب کا ذرا سا بھی ذکر آ جاتا ہے تو میں اپنے حواس میں نہیں رہتا مجھ پر تو گزرتی ہے گو دوسروں کو اس کی خبر نہ ہو۔ احقر عرض کرتا ہے کہ جس شوق وذوق سے دیر دیر تک حضرت اقدسؒ حضرت حاجی صاحبؒ کا ذکر فرماتے رہتے تھے اس سے دوسروں کو بھی ایک حد تک اس کیفیت کا احساس ہو ہی جاتا تھا۔

غرض حبِ شیخ کا وہ درجہ حضرت کو حاصل تھا کہ فنا فی الشیخ کہتے ہیں جس کو حضرت کلید سعادت فرمایا کرتے تھے جبھی تو یہ دولتیں نصیب ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی یہ درجہ اب بطفیل حضرت اقدس نصیب فرماوے۔ آمین یا رب العالمین۔

حضرت فرمایا کرتے تھے کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ جس کے اندر دو چیزیں ہیں اتباع سنت اور حُبِ شیخ اس کو سب کچھ حاصل ہے۔ ان دونوں چیزوں کے ہوتے ہوئے اگر ظلمات بھی اس کو نظر آتے ہوں تو وہ بھی سب انوار ہیں اور ان میں سے کسی میں کمی ہے تو پھر اگر انوار بھی نظر آتے ہوں تو وہ بھی سب ظلمات ہیں، اللہ تعالیٰ یہ دونوں دولتیں علی وجہ الکمال ہم سب خدام کو حضرت اقدسؒ کی تعلیمات وہدایات کی برکت سے عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین یا رب العلمین۔

مشورہ نیک

حضرت اقدس کے خدام عموماً سخت حیران وپریشان دیکھے گئے کہ اب کیا کریں، کہاں جائیں، ان کی یہ حیرانی وپریشانی بالکل بجا ہے کیونکہ ان کی آنکھوں نے تو ایک ایسے شیخ اکمل الکاملین کو دیکھا ہے جو کہیں صدیوں کے بعد پیدا کیا جاتا ہے، وہ اب کہاں نصیب، ایسی حالت میں بھلا کوئی دوسرا اس کی نظر میں بچ سکتا ہے اور کیونکہ بچ سکتا ہے بمصداق

ے ہمہ شہر پُر خوباں من وخیال وما ہے　　چکنم کہ چشم یک بیں نہ کند بکس نگاہے

چونکہ ابھی ابھی آفتاب غروب ہوا ہے اس لئے ٹمٹماتے ہوئے چراغ ایسے نظر آرہے ہیں جیسے جل ہی نہیں رہے ہیں لیکن کچھ عرصہ کے بعد ان شاء اللہ تعالیٰ یہی چمک اُٹھیں گے۔ جیسے خود حضرت اقدس اسی قسم کے تذکرہ پر فرمایا کرتے تھے کہ اس وقت بڑوں کے سامنے چھوٹے چھوٹے نظر آرہے ہیں لیکن بعد کو یہی چمکیں گے اور بڑے نظر آنے لگیں گے اور انہی سے حق تعالیٰ دین کا کام لیں گے۔ ہمیشہ سے عادت اللہ یہی جاری ہے گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے۔

ایک خلیفہ خاص کے تذکرہ پر جوش میں آکر یہاں تک فرمایا کہ جب بفضلہٖ تعالیٰ میں نے ایسے ایسے لوگ چھوڑے ہیں تو اب مجھے مرنے کا بھی غم نہیں۔ بہر حال اب وہ بات تو کہاں کیونکہ ع چراغ مُردہ کجا شمع آفتاب کجا + لیکن ے

چونکہ شد خورشید و مارا کرد داغ　　چارہ نبود درمقامش جز چراغ

غرض اب تو سوائے اس کے کوئی صورت نہیں کہ ان ٹمٹماتے ہوئے چراغوں ہی سے اپنا کام نکالا جائے اور اگر طالبین میں استعداد کامل ہوں گی تو وہ فیض بھی کامل حاصل کرسکیں گے اور ان ٹمٹماتے ہوئے چراغوں ہی سے مشعلیں بھی روشن کی جاسکیں گی۔ اور حضرت اقدس نے تو بہت پہلے سے اس کا بڑا اہتمام فرمایا ہے کہ میرے نہ رہنے سے دفعتہً دین کے کام نہ رکیں برابر چلتے رہیں۔ چنانچہ طالبین کو تربیت کے لئے خلفاء سے رجوع کرنے کی ہدایت فرمادیا کرتے تھے، فتوؤں کو دیوبند اور سہارنپور بھیجنے کے لئے تحریر فرمادیتے تھے کہ وہاں سے پوچھو اور اس کی یہی وجہ بیان فرماتے تھے کہ دین کا کام ایک شخص پر منحصر نہ ہونا چاہیے تاکہ اس کے نہ رہنے پر دین کا کام ایک ساتھ نہ رک جائے بلکہ بدستور جاری رہے، چنانچہ طالبین کی آمد وشد بھی بہ نسبت سابق کے بہت کم ہوگئی تھی۔

غرض حضرت اقدس بحمداللہ تعالیٰ دین کے معاملہ میں کوئی حالت منتظرہ ہم لوگوں کے لئے کہیں چھوڑ گئے مکمل ہدایات ہر قسم کی ہر امر دین کے متعلق بفضلہٖ تعالیٰ حضرت اقدس کی تصانیف میں موجود ہیں۔ چنانچہ اس خفی کیدِ نفس پر بھی مطلع فرما گئے ہیں کہ بعض طالبین کو مجازین سے رجوع کرنا اس لئے گوارا نہیں ہوتا کہ ہم چھوٹوں سے کیوں رجوع کریں۔ حالانکہ چھوٹا اگر

بالفرض زیادہ کامل نہ بھی ہوا تو اگر سلسلہ صحیح ہے تو اس کو کہیں نہ کہیں سے فیض ضرور پہنچے گا اور اس کا کام بن جائے گا، اگر وہ خود کامل نہیں اس سے اوپر والا تو کامل ہوگا، اگر وہ بھی نہیں تو اس سے اوپر والا علیٰ ہذا۔ اور یہاں تو بفضلہٖ تعالیٰ ایک ہی کے بعد دوسرا کامل بلکہ راس الکاملین موجود ہے یہاں تو قریب ہی سے کام نکل جائے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ بہر حال مایوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں، طالبین جس سے مناسبت دیکھیں رجوع کریں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ محروم نہ رہیں گے اور عدم واقفیت کی صورت میں بھی خود حضرت اقدسؒ یہ تدبیر ارشاد فرما گئے ہیں کہ چند خلفاء کو اپنے حالات لکھیں جس کے جواب سے زیادہ تسلی ہو ان سے توکلاً علی اللہ رجوع کرلیں۔

احقر عرض کرتا ہے کہ اگر ایک بار میں تسلی نہ ہو تو چند بار چند صاحبوں کو مختلف حالات لکھتے رہیں کچھ عرصہ میں ان شاء اللہ تعالیٰ مناسبت کا پتہ چل جائے گا اور مناسب ٹھکانا متعین ہو جائے گا۔ پھر بس اسی سے اپنی اصلاح کراتے رہیں۔ لیکن بہر حال حضرت اقدس کی تصانیف کا مطالعہ مثل وظیفہ کے اپنے اوپر لازم کرلیں۔ کیونکہ حضرت اقدس فرمایا کرتے تھے کہ چاہے دو ورق ہی ہوں لیکن مثل وظیفہ کے روزانہ مطالعہ ہونا چاہیے اس سے بہت نفع ہوتا ہے اور تجدید ہوتی رہتی ہے۔ بالخصوص اب حضرت اقدسؒ کے بعد تو حضرت کے فیوض و برکات اور تعلیمات و ہدایات تو تصانیف ہی سے حاصل کی جاسکتی ہیں۔

چونکہ گل رفت و گلستان شد خراب — بوئے گل را از کہ جوئیم از گلاب

معاصی سے اجتناب کی اور مباحات میں سے کثرت کلام اور کثرت اختلاط مع الانام سے احتراز کی حضرت بہت تاکید فرماتے رہتے تھے یہاں تک کہ وصایا میں بھی ان الفاظ کو داخل فرما دیا ہے۔ حضرت اقدسؒ تو اپنی بعض کتابوں مثلاً اشرف السوانح کے متعلق یہ فرماتے تھے کہ کسی کو اپنا مصلح بنالے اور یہ کتابیں مطالعہ اور عمل میں رکھے بس ان شاء اللہ تعالیٰ وصول الی اللہ کے لئے بالکل کافی ہے، کاملین کی صحبت میسر نہ ہونے کی صورت میں ان کے کلام کے مطالعہ کی ضرورت پر حضرت یہ شعر پڑھ دیا کرتے تھے۔

دریں زمانہ رفیقے کہ خالی از خلل است — صراحی می ناب و سفینہ غزل است

بس اب یہی ہم لوگ کریں کہ حضرت اقدسؒ کی سب کتابوں کو التزاماً مطالعہ و عمل میں

رکھیں ان میں سب کچھ موجود ہے حضرت کوئی کسر نہیں چھوڑ گئے ، دین کے راستہ کو بالکل صاف و بے غبار و سہل فرما گئے ہیں۔ بقول احقر۔

اتنا کیا ہے آپ نے آساں طریق کو	کہہ سکتے ہیں کہ راہ کو منزل بنا دیا

چنانچہ ایک صالح نے حضرت اقدسؒ کو خواب میں یہ فرماتے سنا کہ میں نے سب کو سب کچھ دے دیا ہے کچھ چھوڑا نہیں ہے بالخصوص فلاں خلیفہ خاص کو۔ اھ۔ مگر ہاں عمل کے لئے ہمت بہر حال شرط ہے۔ چنانچہ ایک ملفوظ ہے۔ بتاکید فرمایا کہ سارے طریق کا خلاصہ بس دو چیزیں ہیں خلوص اور ہمت اور ان میں بھی ہمت اصل ہے کیونکہ خلوص کے لئے بھی ہمت ہی کی ضرورت ہوگی تو گویا ہمت ہی سارے طریق کا خلاصہ ٹھہرا۔ اللہ تعالیٰ بس اس کی توفیق دے تو پھر راستہ بالکل سیدھا اور صاف ہے، قدم اٹھاتے چلے جایئے اور بڑھتے چلے جایئے۔ اسی ملفوظ کو احقر نے یوں نظم کیا ہے۔

تجھ کو جو چلنا طریق عشق میں دشوار ہے	تو ہی ہمت ہار ہے، ہاں تو ہی ہمت ہار ہے

ہر قدم پر تو جو رہ روکھا رہا ہے ٹھوکریں	لنگ خود تجھ میں ہے ورنہ راستہ ہموار ہے

سختی رہ سے نہ ڈر ہاں اک ذرا ہمت تو کر	گامزن ہونا ہے مشکل راستہ مشکل نہیں

کام کو خود کام پہنچا دیتا ہے انجام تک	ابتداء کرنا ہے مشکل انتہا مشکل نہیں

اصلاح میں اپنی کر نہ سستی	ہمت پہ ہے منحصر درستی

فرما گئے ہیں حکیم الامت	سستی کا علاج بس ہے چستی

حسب ارشاد حضرت اقدسؒ امور غیر اختیاریہ کے پیچھے نہ پڑے، اختیاری میں کوتاہی نہ کرے، اگر کوتاہی ہو جائے فوراً توبہ سے اس کا تدارک کر کے پھر کام میں مشغول ہو جائے بس اسی طرح زندگی بھر کرتا رہے۔

اندریں رہ می تراش و می خراش	تادمِ آخر دمے فارغ مباش

حسب ارشاد حضرت اقدسؒ اوراد و اذکار سے زیادہ اہم اپنے عیوب کی اصلاح کو سمجھے جس کی ترکیب یہ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ تبلیغ دین اور بہشتی زیور کے ساتویں حصہ میں جو عیوب درج ہیں ان کو دیکھ کر یا اپنے تجربہ سے جو عیوب اپنے اندر نظر آئیں ان سب کو ایک

کاغذ پر لکھ لیا جائے اور جو جو یاد آتے رہیں ان کا اس میں اضافہ کرتا رہے اور جب مصلح کو خط لکھنے بیٹھیں ایک ایک عیب کو مع اس کی چند مثالوں کے لکھتے رہیں اور اس کے بتائے ہوئے علاج پر عمل کرتے رہیں۔ جب ایک عیب کے علاج میں رسوخ ہو جائے یعنی اس علاج کے یاد آجانے میں اور اس پر عمل کرنے میں زیادہ مشقت نہ ہو تو پھر اسی طرح دوسرے عیب کا علاج کرائیں۔ یہاں تک کہ سب عیوب کی اصلاح ہو جائے۔ اھ۔
طالبین کے لئے بس کلیہ کے طور پر یہی مختصر مضمون کافی ہے۔ تفصیل کے لئے تو دفتر کے دفتر بھی کافی نہیں۔ بمصداق ع حسن ایں قصۂ عشق است در دفتر نمی گنجد۔ اور تفصیلات کا لکھنا مفید عام بھی نہیں کیونکہ ہر طالب کی جدا حالت ہے اور حالیں بھی مختلف اوقات میں مختلف پیش آتی ہیں، جن کا فیصلہ مصلح ہی کر سکتا ہے۔ بس اب طالبین سے یہ کہہ کر رخصت ہوتا ہوں۔ کامیابی تو کام سے ہوگی۔ نہ کہ حسن کلام سے ہوگی، فکر اور اہتمام سے ہوگی، ذکر کے التزام سے ہوگی، کار کن کار بگذر از گفتار، اندریں راہ کار باید کار۔

دعائیں تو بہر حال کرتے رہیں کہ بلا توفیق خداوندی کے کچھ کسی سے نہیں ہو سکتا بالخصوص یہ دعائیں۔ **ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمہ انک انت الوھاب۔ ربنا اتمم لنا نورناواغفرلنا انک علی کل شیءٍ قدیر۔ اللّٰھم مصرف القلوب صرف قلوبنا علی طاعتک اللّٰھم افتح اقفال قلوبنا بذکرک وتمم علینا نعمتک واسبغ علینا من فضلک واجعلنا من عبادک الصلحین۔**

لیکن نری دعاء بھی کافی نہیں بلکہ دعا کا اثر بھی جو ظاہر ہوگا تو وہ بھی اس عالم اسباب میں بمصداق حدیث **اذا اراد اللّٰہ شیئا ھیأ اسبابہ**۔ یعنی جب اللہ تعالیٰ کسی شے کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کے اسباب مہیا فرما دیتے ہیں اسی صورت سے تو ہوگا کہ ہمت اور استعمال اختیار کی توفیق ہونے لگے۔ بہر حال بندہ پر واجب ہے کہ وہ ہمت کر کے حقوق بندگی ادا کرتا رہے اور ساتھ ہی اپنے عجز کا بھی اقرار کرتا رہے اور ڈرتا رہے۔

ایں ہمہ گفتیم لیک اندر بسیچ　　　بے عنایات خدا ہیچیم وہیچ
بے عنایات حق وخاصان حق　　　گر ملک باشد سیہ ہستش ورق

یہ تو عام طالبین کے لئے مشورہ پیش کیا گیا اب حضرات مجازین بیعت اور مجازین صحبت کی خدمت میں بھی بصد ادب واحترام یہ گزارش ہے کہ اب ان کی ذمہ داری ایک معنی کر پہلے سے بھی زیادہ بڑھ گئی ہے کیونکہ اب سب کی نگاہیں انہیں حضرات پر لگی ہوئی ہیں اب ان سب حضرات کو اپنی اپنی جگہ تربیت طالبین کی طرف خاص توجہ فرمانی چاہیے تاکہ یہ متفقہ توجہات مل کر اس فوت شدہ مرکزیت رشد و ہدایت کی کسی درجہ میں تو بدل ہو سکیں۔ لیکن ساتھ ہی ان حدود و قیود کی بے انتہا پابندی اور پوری پوری رعایت و حفاظت رکھی جائے جو حضرت اقدس کے طریق تربیت کی خصوصیات اور طغرائے امتیاز تھیں۔ مثلاً طالب کو مطلوب نہ بنایا جائے ہاں جواز خود رجوع کرے۔ اس کی دل و جان سے اور پوری توجہ اور شفقت سے خدمت کرے۔

اب جملہ ناظرین سے یہ کہہ کر رخصت ہوتا ہوں کہ الحمدللہ جس طرح بھی اس عامی محض، غیر مصنف، ناقل بے ربط سے ہو سکا بعون اللہ تعالیٰ و ببرکت حضرت والا اس خاتمۃ السوانح کو اس وقت بعد زوال ۲۲ ر رمضان المبارک ۱۳۶۲ھ یوم پنجشنبہ بحالت اعتکاف مسجد خانقاہ اشرفیہ میں پورا کیا اور اسی وقت رشد و ہدایت کا وہ آفتاب عالم تاب زیر لحد روپوش ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس ناچیز کی اس آخری حقیر خدمت کو مقبول و نافع فرمائے اور جو لغزشیں ظاہری و باطنی اس کے لکھنے میں اس ناکارہ و آوارہ سے سرزد ہوئی ہوں ان کو اپنے فضل و کرم سے معاف فرمائے اور ان کے وبال سے دونوں جہان میں محفوظ و مامون رکھے۔

امین یا رب العٰلمین بحرمۃ سید المرسلین

وخاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ اٰلہ و اصحابہ اجمعین

واٰخر دعوانا انِ الحمدللہ رب العٰلمین۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اشرف الملفوظات

فی

مرض الوفات

(جمع کردہ جناب مفتی محمد شفیع دیوبندے)

تمہید

ناکارہ خلائق کمترین خدامِ بارگاہِ اشرفی بندہ محمد شفیع دیوبندی عرض گزار ہے کہ یوں تو حضرت والا نوراللہ مرقدہ کی پوری عمر اور عمر کے تقریباً پورے اوقات ہی افاضہ وافادہ کے لئے وقف تھے۔ حضرت کے جملہ کاروبار کو دیکھ کر بے ساختہ یہ آیت زبان پر آتی تھی[1]۔

انا اخلصنا هم بخالصةٍ ذكرىٰ الدار۔ اور معلوم ہوتا تھا کہ حضرت کی ذات گرامی انہیں مخصوص بندگانِ الٰہی میں سے ہے جن کو قدرت کے انتخاب نے اپنے ہی لئے چن لیا تھا۔ لیکن اس افاضہ وافادہ کا رنگ آخر عمر میں اوائل سے زیادہ ممتاز طریق پر محسوس ہوتا تھا۔ وفات سے ایک دو سال پہلے مجلس میں فرمایا بھی تھا کہ اب جو لوگ مجھ سے خدمت لیتے ہیں وہ پکے ہوئے پھل کھاتے ہیں اور اس سے پہلے گدرے یا کچے پھل کھانے کی مثال تھی جس پر مجلس میں کسی نے عرض کیا کہ بڑے فائدہ میں وہ لوگ ہیں جنہوں نے تینوں موسموں کے پھل کھائے ہیں۔

۱۶ر جمادی الاولیٰ ۱۳۶۱ھ کو احقر حاضر آستانہ عالی ہوا تو مولانا عبدالباری ندوی اور مولانا مسعود علی صاحب ندوی منجملہ اور بہت سے حضرات کے وہاں مقیم تھے۔ ان حضرات کی

---

[1] ہم نے ان کو ایک مخصوص کام کے لئے خاص کر دیا ہے اور وہ کام آخرت کی یاد ہے۔ ۱۲۔ (منہ)

مدتِ قیام چونکہ مختصر تھی اس لئے باوجود شدتِ مرض و بے انتہا ضعف کے دن رات میں چار چار مرتبہ طویل طویل وقت مجالست کے لئے عطا فرماتے تھے جن میں احقر بھی شریک رہتا تھا یوں محسوس ہوتا تھا کہ حضرت چاہتے تھے کہ سب کو گھول کر پلا دیں، بات بات میں ایسے اصول تلقین فرماتے جو عمروں میں بھی حاصل ہونا دشوار ہیں۔

ادھر چونکہ سفر آخرت کا وقت قریب تھا مدت سے تصنیف و تالیف کے پھیلے ہوئے کاموں کو سمیٹنے کی فکر تھی جو کام خود شروع کئے ہوئے تھے وہ بحمد اللہ سب مکمل فرما چکے تھے۔ بعض کام ایسے بھی تھے کہ طویل الذیل ہونے کی وجہ سے خود ان کی تکمیل کش مشقت برداشت نہ ہوسکتی تھی۔ مگر کام کا ادھورا چھوڑنا بھی حضرت کی طبیعت کے لئے اس کام کی مشقت سے کم نہ تھا، مگر حق تعالیٰ نے حضرت اقدس کو مشکل سے مشکل چیز میں آسان سے آسان راستہ نکال لینے کا ایک خاص کمال عطا فرمایا تھا۔ ایسے کاموں میں ایک عجیب صورت اختیار فرمائی جس سے ضرورت کی تکمیل بھی ہوگئی اور طویل کام کی مشقت سے فراغت ہوئی۔ اس سلسلے کے تین کام اس وقت مجھے یاد ہیں ایک تو رسالہ کثرۃ الازواج لصاحب المعراج جس میں حضرت والا نے یہ ارادہ فرمایا تھا کہ تمام ازواج مطہرات سے جس قدر روایات حدیث امت کو پہنچی ہیں ان سب کو یکجا جمع فرمادیں لیکن یہ کام بہت دقت اور بہت تفتیش و محنت کا تھا اس کی صرف ایک قسط جو سب سے بڑی قسط ہے یعنی ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایات ان کو خود جمع فرما کر اسی پر اکتفاء کر کے شائع فرما دیا اور باقی کے متعلق احقر سے فرمایا کہ اب محنت نہیں ہوتی میں نے اس رسالہ سے ضرورت کا احساس بھی کرادیا اور اس کا ایک خاص طرز بھی بتلا دیا۔ آگے کوئی اور اللہ کا بندہ پورا کرے گا۔ چنانچہ یہ رسالہ اتنا ہی شائع ہو کر مفید خواص و عوام ہو رہا ہے۔ ناتمام اور غیر مفید حالت میں نہیں رہا۔

جس وقت حضرت والا نے یہ کلمات فرمائے کہ اور کوئی اللہ کا بندہ پورا کرے گا احقر کا خیال ہوا کہ میں اس کام کو کرلوں اور حضرت سے عرض کرنے کا بھی ارادہ ہوا۔ لیکن مجھے یاد آیا کہ اس سے پہلے حضرت نے میرے سپرد کوئی کام فرمایا تھا اور ابھی تک اس کی تکمیل نہ ہوئی تھی اس لئے عرض کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اور عجب اتفاق ہے کہ اس کے بعد سے پھر

کبھی اس کا خیال بھی نہ آیا۔ آج جب ان ملفوظات کی تمہید لکھنے بیٹھا تو واقعہ یاد آیا۔ اور عجب پر عجب یہ ہے کہ اس وقت بھی میں ایسے ہی حال میں ہوں جیسا اس وقت تھا کہ حضرت ہی کے ایک سپرد فرمائے ہوئے کام (احکام القرآن کی تصنیف) میں مشغول ہوں، شاید حق تعالیٰ نے یہ کسی مقبول بندہ کا حصہ رکھا ہو جو مجھ سے بہتر اس کام کو انجام دیں ورنہ احقر ناکارہ کا بھی ارادہ ہے کہ اگر فرصت ملی تو حسب استطاعت اس کی تکمیل میں کوشش کرے ورنہ

فکم حسراتٍ فی بطون المقابر

دوسرا کام جو خود حضرت والا نے شروع فرمایا وہ ابن منصور کے حالاتِ صحیحہ کا جمع کرنا اور ان کے بارہ میں قول فیصل لکھنا تھا۔ اور تیسرا کام خود اپنے قلم سے شروع فرمایا تھا وہ حافظ ابن قیم کی طرف منسوب ایک رسالہ کا جواب تھا جس میں جمہورِ اُمت کے خلاف فنا جہنم کا دعویٰ کیا گیا ہے۔

ان دونوں رسالوں میں یہ صورت اختیار فرمائی کہ پہلے رسالہ میں مختصر حالات کے حوالے اور غامض و دقیق مقالات کی شرح اور ابن منصور کے متعلق قول فیصل جو سب سے زیادہ اہم کام تھا اور صرف حضرت ہی کے کرنے کا تھا وہ خود اپنے قلم سے لکھ دیا اور رسالہ کا نام بھی القول المنصور فی ابن المنصور تجویز فرما دیا۔ اسی طرح دوسرے رسالہ میں بھی حافظ ابن قیم کے قابل غور استدلالات کا جواب اور مشکل مواقع کا حل خود فرما کر ان دونوں رسالوں کے مسودے کتب خانہ امداد العلوم تھانہ بھون میں محفوظ کرا دیئے اور ایک وصیت ان کے متعلق شائع فرما دی۔ اہل علم کو عموماً اور حضرت مولانا ظفر احمد صاحب اور اس ناکارہ کو خصوصاً خطاب فرمایا گیا تھا کہ ان رسالوں کی تکمیل کر دیں مگر حق سبحانہ وتعالیٰ کا معاملہ حضرت کے ساتھ ہمیشہ سے یہ تھا کہ

تو چنیں خواہی خدا خواہد چنیں — می دہد یزداں مرادِ متقیں

چنانچہ اول الذکر رسالہ کی تکمیل باتم تفصیل حضرت مولانا ظفر احمد صاحب مدظلہم نے کر دی اور وہ سب حضرت کے ملاحظہ سے گزری اور پسندیدگی کے بعد حضرت کے سامنے ہی یہ کتاب شائع ہوگئی۔ اور آخر الذکر رسالہ کی تکمیل مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی مدرس دار العلوم دیوبند نے کر کے حضرت کے ملاحظہ سے گزارا جس کو حضرت والا نے پسند فرما کر اپنی تحریر بھی اس پر

ثبت فرمادی جس کی احقر نے بھی زیارت کی ہے لیکن غالباً یہ رسالہ ہنوز طبع نہیں ہوا۔

الغرض یہ چند کام جو خود شروع فرمائے تھے اور پوری تکمیل کی مشقت کا اب تحمل نہ تھا ان کی تکمیل اس طرح اپنی آنکھوں سے دیکھ لی۔

بوادر النوادر کی تکمیل تصنیف ہو چکی تھی مگر طباعت کا انتظام نہ ہوا تھا تو قلب مبارک کو اس طرف توجہ تھی جناب شیخ عبدالکریم صاحب سیشن جج کراچی نے اس کی طباعت کے لئے ایک ہزار روپیہ بھیج دیا جو اس وقت اس کی ایک ہزار جلدوں کی طباعت کرنے کے لئے کافی تھا مگر کتابت میں دیر لگی، ادھر جنگ کی وجہ سے کاغذ کی قیمت کہیں سے کہیں پہنچ گئی تو فرمایا صرف اڑھائی سو نسخے چھاپ لئے جاویں اور اس میں بھی اگر ایک ہزار روپیہ سے زائد کچھ خرچ ہو تو موصوف کو اس کی اطلاع نہ کی جاوے بلکہ زائد رقم میں خود اپنے پاس سے دے دوں گا اور اس کے مقابلہ میں جتنے نسخے آویں گے وہ میں لے لوں گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، کئی سو روپیہ خود حضرت والا نے اپنی ذات سے دیا جس کے کچھ نسخے حضرت کے حصے میں آئے ،عین مرض کی شدت میں یہ کتاب تیار ہوئی تو روزانہ اس کے پہنچنے کا انتظار رہتا تھا، جب پہنچی تو خاص مسرت کے آثار حضرت والا پر تھے، اپنے حصہ میں آئے ہوئے نسخوں کو خود اپنے ہاتھ سے خدام میں تقسیم فرمادیا اور باقی نسخے جج صاحب کے سپرد کرنے کے لئے فرمادیا کہ ان کے پاس بھیج دیئے جاویں وہ جو چاہیں کریں۔

الغرض اول تو ہمیشہ ہی سے حضرت والا کی طبیعت یہ تھی کہ کوئی کام تعویق میں نہ پڑا رہے پھر اس وقت کہ عمر کے طبعی ضعف کے ساتھ امراض کا ہجوم عرصہ سے تھا جو آنے والے دن کی خبر دے رہا تھا اس کے پیش نظر ان چیزوں کا اہتمام اور بھی زیادہ ہو گیا تھا۔

اسی سلسلہ کی ایک چیز احکام القرآن کی تصنیف تھی، جس کی طرف ابتدائی توجہ ۱۳۵۱ھ میں دارالعلوم دیوبند میں دورہ تفسیر کے آغاز اور اس کے لئے فروع حنفیہ پر استدلالات قرآنیہ اور مواضع خلاف میں دوسرے ائمہ کا جواب ایک مستقل کتاب میں ہونے کی بناء پر ہوئی اور اسی بناء کے اعتبار سے اس کا نام دلائل القرآن علی مسائل النعمان۔ تجویز فرما کر یہ خدمت اس ناکارہ کے سپرد ہوئی یہ کام نہ آسان تھا، نہ مختصر، احقر نے اپنی فرصت کے موافق کرنا شروع کردیا

اسی عرصہ میں حضرت مولانا ظفر احمد صاحب مدظلہ، اعلاء السنن کی تصنیف کو مکمل کر کے فارغ ہو گئے تو حضرت والا نے یہ کام ان کے سپرد فرما دیا۔ لیکن اتفاقاً تھوڑے ہی عرصہ کے بعد مولانا موصوف بھی ڈھاکہ میں ملازم ہو کر تشریف لے گئے اور یہ کام تعویق میں پڑ گیا۔

۱۳۶۱ھ میں حضرت والا کو اس کام کی طرف زیادہ توجہ ہوئی اور چاہا کہ کوئی عالم فارغ ہو کر صرف اسی کام میں لگ جائے تا کہ تکمیل جلد ہو سکے، مگر اس کی صورت نہ ہوئی تو چند حضرات پر تقسیم کر دینے کا فیصلہ فرمایا اور دو منزلیں قرآن کریم کی اس تقسیم سے احقر ناکارہ کے حصہ میں آئیں۔

ربیع الثانی ۱۳۶۲ھ میں بعض حوادث کی بناء پر احقر نے دار العلوم دیوبند کے رسمی تعلق سے استعفاء دے دیا اور ۲۱ ر جمادی الثانیہ کو فارغ ہو کر حاضر آستانہ عالیہ ہوا تو مشورہ کے بعد یہ تجویز فرمایا کہ احقر اس فراغت میں احکام القرآن کی خدمت انجام دے۔

یہ وہ وقت تھا کہ مرض کا شباب اور ضعف کی انتہا تھی نقل و حرکت کی دشواری کے علاوہ زیادہ دیر تک کلام فرمانے کا بھی تحمل نہ تھا لیکن دینی خدمات اور افادات کا قدرتی داعیہ اور شغف جو قلب مبارک میں ودیعت رکھا گیا تھا اس نے ہر مشقت کو لذیذ بنا رکھا تھا۔ ع از محبت تلخہا شیریں شود + اسی حالت میں یہ التزام فرمایا کہ میں جو سورت لکھنا شروع کرتا اس کو بار بار خود تلاوت فرماتے اور اس میں جس مقام سے کوئی حکم شرعی مستنبط ہوتا نظر آتا اس کی تقریر احقر سے فرماتے اور ہدایت فرما دیتے کہ اس کو کتب تفسیر وغیرہ میں تلاش کر لو اگر کہیں مل جاوے تو اس کے حوالے سے لکھ دو۔ ورنہ خود بھی غور کرو اگر دل کو لگے تو جس سے تم نے سنا ہے (یعنی خود حضرت اقدسؒ سے) اس کے حوالے سے لکھ دو۔

اسی طرح اواخر جمادی الثانیہ میں احقر سورۂ نمل کے ختم پر پہنچا جس کے آخر میں مسئلہ علم غیب پر تفصیلی کلام کرنا پڑا اس میں دیر لگی تو ایک روز دریافت فرمایا کہ نمل ختم ہو گئی۔ احقر نے عرض کیا کہ مسئلہ علم غیب پر مفصل تحریر لکھنے کی وجہ سے دیر لگ رہی ہے، پھر دو روز کے بعد دریافت فرمایا اس وقت بھی اس بحث سے فراغت نہ ہوئی تھی، مجھے ندامت ہوئی کہ حضرت کو اس کے ختم کا انتظار ہے اور میں ابھی تک ختم نہیں کر سکا۔ خدام کی آسانی اور بے فکری کی رعایت حضرت والا کو انتہا درجہ کی تھی۔ اسی لئے اس کے بعد کئی روز تک دریافت نہیں فرمایا

اور حضرت کے انتہائی ضعف کی وجہ سے از خود کوئی علمی بحث ذکر کرنیکی جرأت نہ ہوئی تھی پھر کئی روز بعد خود ہی دریافت فرمایا کہ ابھی تو مسئلہ علم غیب پورا نہیں ہوا ہوگا۔ میں نے عرض کیا کہ بحمد اللہ پورا ہو چکا ہے اور سورۂ نمل بھی مکمل ہو چکی ہے۔ سورۂ قصص کی چند آیات بھی لکھ چکا ہوں۔ اس پر مسرت کا اظہار فرمایا اور سورۂ قصص کی آیت جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قبطی کو قتل کر دینے اور پھر جناب باری میں اس پر استغفار کرنے اور حق تعالیٰ کی طرف سے مغفرت فرمانے کا تذکرہ ہے اس کے متعلق فرمایا کہ اس میں ایک سوال ہے وہ یہ کہ قبطی کافر تھا اور کافر بھی حربی جس کا خون حسب قواعد شرعیہ مباح ہے پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سے استغفار کیوں کیا اور حق تعالیٰ کی طرف سے بھی مغفرت کا ذکر فرما کر اس کی تقریر کر دی گئی کہ یہ قتل مناسب نہ تھا۔ تو سوال یہ ہے کہ حربی کافر کے قتل کو ناجائز یا نامناسب قرار دینے کا سبب کیا ہے۔ پھر فرمایا کہ مدت سے میرا ایک خیال ہے وہ یہ کہ کفار سے جیسے باقاعدہ زبانی یا تحریری عہد ہو جاتا ہے تو اس کی پابندی مسلمانوں پر لازم ہو جاتی ہے اسی طرح بعض اوقات عملی عہد ہو جاتا ہے کہ باہمی طرز معاشرت اور تعامل سے فریقین ایک دوسرے سے مامون و بے خطر ہوں باہمی معاملات اور لین دین وغیرہ جاری ہو یہ بھی ایک نوع عہد عملی کی ہے اس کی بھی رعایت کرنا ضروری ہے کہ اگر کسی وقت ایسے لوگوں پر حملہ کرنا ہے تو پہلے ان کو نبذ عہد کے طور پر متنبہ کر دیا جائے کہ اب ہم سے مامون نہ رہیں، پھر طرفین کو اپنے اپنے فعل کا اختیار ہے اور بغیر اس نبذ عہد کے ایک قسم کا عذر ہے جو شریعت اسلامیہ میں کسی حال کسی کافر سے جائز نہیں، قبطی کا واقعہ بھی اسی قبیل سے تھا کیونکہ موسیٰ علیہ السلام مع اپنے متعلقین بنی اسرائیل کے اور قبطی کفار دونوں فرعونی سلطنت کے باشندے تھے اور ایک دوسرے سے باہم مامون تھے۔ اسی حالت میں قبطی کا اچانک قتل کر دینا عہد عملی کے خلاف تھا اس لئے اس پر عتاب ہوا اور استغفار و مغفرت کی نوبت آئی۔ رہا یہ سوال کہ جب یہ قتل بحکم غدر اور معصیت تھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام جو اولوالعزم رسول اور معصوم ہیں ان سے کیسے صادر ہوا۔ اس کا جواب ظاہر ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے قصداً قتل نہیں کیا معمولی ضرب اس کو ہٹانے کے لئے لگائی تھی اتفاقاً مر گیا اس لئے معصیت کا صدور ان سے

نہیں ہوا۔ تاہم صورت معصیت کی تھی اس لئے پیغمبر خدا نے اس کو بھی اپنے حق میں معصیت ہی کے برابر سمجھ کر استغفار کیا۔

پھر ارشاد فرمایا کہ یہ میرا خیال ہے اگر اس کا ثبوت کتاب وسنت میں یا علماء اہل حق کے کلام میں مل جائے تو اس کے حوالے سے لکھا جائے ورنہ جس سے آپ نے سنا ہے اس کے حوالہ سے لکھ سکتے ہیں کیونکہ بظاہر قواعد اور اصول مسلمہ کے اس میں کوئی بات خلاف نہیں معلوم ہوتی۔

احقر نے اس کو تلاش کر کے پیش کرنے کے لئے عرض کیا۔ یہ ارشاد یکم رجب ۱۳۶۲ھ کی مجلس میں فرمایا تھا جس کے پندرہ روز بعد دنیا سے سفر ہونے والا تھا۔ میں نے اسی روز تحقیق کی تو بحمداللہ صحیح بخاری کی ایک حدیث بروایت مغیرہ ابن شعبہ میں اس کا ثبوت اور قسطلانی شرح بخاری میں اس کی تصریح نکل آئی۔ ارادہ کیا کہ حضرت کی خدمت میں پیش کروں لیکن ان دنوں اکثر وقت حضرت اقدس پر ایک قسم کی غنودگی یا ربودگی کی کیفیت رہتی تھی۔ عرض کرنے کا موقع نہ پایا۔

۳ر رجب کو احقر اپنے بعض اعزاء کی شدید بیماری کی وجہ سے دیوبند آ گیا اور یہ حسرت دل کی دل ہی میں رہ گئی۔ اس آیت کی پوری تقریر بھی وفات کے بہت بعد جب کچھ دل و دماغ سنبھلنے لگے اس وقت لکھنے کی نوبت آئی جبکہ نہ اپنی غلطی پر کوئی متنبہ کرنے والا رہا اور نہ کوئی مفید بات دیکھ کر خوش ہونے والا بقول اکبر مرحوم۔

کس زمیں پر دلِ پُر جوش کی بدلی برسے　　اب کہاں نشو ونما پائے نہال معنی

اب حالت یہ ہے کہ جب کوئی اشکال پیش آتا ہے تب تو۔

اے لقائے تو جوابِ ہر سوال　　مشکل از تو حل شود بے قیل وقال

کی مجلس روح افزا کی یاد پر یہ حال ہونا ضروری ہی ہے کہ ؎ دو داغ دے گئے ہمیں دو دن بہار کے۔

لیکن اگر کسی وقت حضرت ہی کی جوتیوں کے طفیل میں کوئی اشکال حل ہو جاتا ہے اور اپنے نزدیک کوئی اچھی چیز لکھی جاتی ہے تو یہ رونا ہوتا ہے کہ اب یہ کس کو دکھلاؤں جو اس کو دیکھ کر خوش ہوں اور دعاؤں سے اس کی داد دیں۔

کل کی بات ہے کہ علامہ تقی الدین سبکی شافعی کی مشہور کتاب جمع الجوامع دیکھ رہا تھا جو اصول

فقہ میں لکھی گئی ہے اور اس کا آخری باب تصوف میں منعقد کیا گیا ہے۔ اس میں حضرت والا کا وہ زریں اصول جو تنہا نصف سلوک ہے یعنی مسئلہ اختیاری و غیر اختیاری جس کی شرح حضرت کے کل خدام جانتے ہیں اس کتاب میں اصول کے طور پر اسی مسئلہ کو لیا گیا ہے اور مشکلات سالکین کو اس سے حل کیا گیا ہے یہ دیکھ کر ایک دفعہ تو یہ حالت ہوئی کہ جی میں آیا کہ ابھی کتاب اٹھا کر چلوں اور نقاد معانی کی خدمت میں پیش کروں مگر حواس درست ہوئے تو دل پکڑ کر رہ گیا کہ۔

نہ قاصدے، نہ سفیرے، نہ مرغِ نامہ برے ۔۔۔ کہ پیش حضرت اقدس بردز من خبرے

انا للّٰہ و انا الیہ راجعون ، انا للّٰہ و انا الیہ راجعون ، انا للّٰہ و انا الیہ راجعون.

احکام القرآن کی تصنیف کے بارہ میں حضرت والا نے احقر کو چند نصیحتیں فرمائی تھیں جو اسی وقت احقر نے ضبط کر لی تھیں ۔ یہ نصائح کیا ہیں عجیب و غریب اصول ہیں جو ہر تصنیف بلکہ ہر دین و دنیا کے کام میں مشعل راہ ہیں۔ اس لئے مناسب سمجھا کہ ان کو اس جگہ نقل کر دوں۔ اگرچہ یہ نصائح مختلف اوقات کے ارشادات ہیں، ایک مجلس کی تقریر نہیں۔

علمی اور عملی معمولات کے متعلق چند زریں اصول

(۱) ارشاد فرمایا کہ جس قدر وقت اس کام کے لئے مقرر کیا ہے اس میں کام پابندی کے ساتھ کرنے کا التزام کیا جائے اگر کسی روز طبیعت نہ لگے تو اگر یہ صورت کام شروع کرنے سے پہلے واقع ہو تو پروا نہ کی جائے، طبیعت پر جبر کر کے کام کیا جاوے اور اگر وسط میں پیش آوے تو طبیعت کو زیادہ مقید نہ کیا جاوے بلکہ کام اس روز چھوڑ دینا چاہیے کیونکہ عملی کاموں میں مقصود اصلی اجر ہے اور وہ ہر حال میں حاصل ہے خواہ دل لگے یا نہ لگے اور علمی کاموں میں اصل مقصود یہ ہے کہ کام مفید اور نافع صورت میں ہو جائے اور یہ بغیر دلچسپی کے حاصل نہیں ہو سکتی، لیکن کام کے اوائل میں دلچسپی نہ ہونے کو عذر سمجھ لیا جاوے گا تو کام بھی نہ ہوگا۔

(۲) فرمایا کہ جو مضمون ضمناً واستطراداً آئے اس کو لکھا جائے تو نہایت مختصر لکھیں، بے محل تفصیل سے فائدہ نہیں ہوتا۔

(۳) جس مسئلہ فقہیہ پر بحث ۔ ہم اس کا حوالہ کتب فقہیہ سے ضرور ہونا چاہیے یہ ضروری نہیں کہ خود امام ہی کا قول ہو بلکہ مشائخ مذہب کے اقوال بھی کافی ہیں۔

(۴) جس روز کسی ضرورت سے کام نہ کرنا ہو اس روز بھی تھوڑی دیر کام ضرور کر لیا جائے خواہ ایک ہی سطر لکھی جاوے تاکہ ناغہ کی بے برکتی سے نجات ہو۔ اور فرمایا کہ استاذ الکل حضرت مولانا مملوک العلی صاحب کا درس میں یہی معمول تھا کہ اگر کسی دن سبق پڑھانا نہیں ہوتا تھا تو سب جماعتوں کے طلبہ کو ایک ہی وقت میں جمع کر کے ہر سبق کی ایک ایک سطر پڑھا دیا کرتے تھے۔ اس میں بڑی برکت ہے۔

احقر جامع عرض کرتا ہے کہ خود حضرت اقدس نور اللہ مرقدہ کا طرز عمل بھی ہمیشہ یہی رہا ہے جس کی برکت حضرت کے کاموں میں مشاہد ہے۔

رمضان المبارک ۷۵۳۱ھ کا ایک واقعہ جو میرے پاس قلمبند ہے یاد آیا کہ اطباء نے حضرت کو کچھ چلنے کا مشورہ دیا، چنانچہ بعد عصر جنگل تشریف لے جایا کرتے تھے احقر بھی ہمراہ ہوتا تھا اور وصل صاحب مرحوم اور بعض دوسرے حضرات بھی معمول یہ تھا کہ تھانہ بھون میں ریلوے لائن کا پل جو نالہ پر ہے اس سے غربی جانب میں دوسرا پل جو بیل گاڑیوں کا ہے وہاں تک روزانہ تشریف لے جایا کرتے تھے۔ میں خیال کرتا تھا کہ کسی دن اس میں ایک قدم کم نہیں کیا۔ ایک روز ریلوے پل پر پہنچے تو راستہ گائے بیلوں سے گھرا ہوا تھا آگے نہ جا سکے تو واپس ہوئے مگر واپسی کا روزانہ کا راستہ چھوڑ کر ریلوے اسٹیشن کی طرف چلے ہم سب ساتھ ہوئے مگر خلاف عادت اسٹیشن کی طرف چلنے کی مصلحت معلوم نہ ہوئی پھر خود ارشاد فرمایا کہ میں نے وہ مسافت جو کم رہ گئی تھی اس طرف چل کر پوری کی ہے۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ بعض زوائد کاموں میں پابندی کا یہ حال ہو تو مقاصد میں کس قدر پابندی ہو گی۔

ایک روز اسی سیر کے دوران میں فرمایا کہ جن معمولات کا تعلق کسی دوسرے سے ہوئیں ان کی بہت زیادہ پابندی کرتا ہوں لیکن جن معمولات کا تعلق میرے نفس سے ہو ان میں بہت آزاد ہوں چنانچہ دوپہر کا آرام کبھی کرتا ہوں، کبھی نہیں۔

(۵) ۱۳ار رمضان المبارک ۱۳۵۴ھ کا ایک ملفوظ اسی سلسلے کا میرے پاس لکھا ہوا ہے وہ بھی تصنیف وغیرہ علمی خدمات میں ایک بہترین فائدہ ہے اس لئے ذکر کرتا ہوں۔ حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ اشرف السوانح کی تصنیف میں مشغول تھے طویل رخصت اس کام کے

لئے رکھی تھی مجلس میں ذکر آیا کہ رخصت ختم کے قریب ہے اور کام بہت باقی ہے تو فرمایا کہ:
میں ہمیشہ کہتا تھا کہ مختصر مختصر جو سامنے آوے اس کو لکھ ڈالو، پھر جو یاد آتا رہے گا اضافے ساری عمر کرتے رہنا۔ کام اسی طرح ہوتا ہے مگر کوئی بڈھوں کی بات مانتا نہیں۔ اپنی جوانی کے جوش میں جب کام لے کر بیٹھتے ہیں تو یہ خیال کرتے ہیں کہ سب ہی کچھ لکھ ڈالیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کچھ بھی نہیں لکھا جاتا۔

نصیحت گوش کن جاناں کہ از جاں دوست تر دارند　　　جوانان سعادت مند پند پیر دانا را

اب اس کے بعد وہ ملفوظات تاریخ وار لکھے جاتے ہیں جو مرض وفات میں احقر نے خود حضرت کی مجلس میں ضبط کر لئے تھے۔

(تنبیہ) حضرت والا کا معمول تھا کہ بدوں اپنی نظر ثانی کے ملفوظات چھاپنے کی اجازت نہ دیتے تھے اور ایک شرط کے ساتھ اجازت بھی تھی۔ احقر نے اس شرط کی رعایت تابمقدور کر لی ہے۔ اس کے باوجود اس میں کوئی کوتاہی رہی ہو تو وہ ناکارہ کی طرف منسوب سمجھی جاوے۔ **وما ارید الا الا صلاح مااستطعت وما توفیقی الا باللہ العلیٰ العظیم۔** محمد شفیع دیوبندی عفا اللہ عنہ

۱۸/ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۲ھ

(۱) بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ اپنی بات کو غالب رکھنا چاہتے ہیں اس کی غلطی بھی واضح ہو جائے تو بھی اس کو نہیں چھوڑتے۔ سمجھتے ہیں کہ اس میں عزت ہوگی۔ اور حقیقت یہ ہے کہ مخاطب اگر کسی وجہ سے خموش بھی ہو جائے تو اس کی حقارت اور جہالت قلب میں بیٹھ جاتی ہے۔ علاوہ ازیں یہ مخاطب کے لئے ایذا کا سبب ہے اور گناہ بھی ہے۔

(۲) فرمایا کہ بزرگوں کی صحبت میں رہنے سے اصل مطلوب ان کا مذاق حاصل کرنا ہے جو محض موہبت سے عطا ہوتا ہے باقی رہے افعال تو وہ اختیاری ہیں ایک دم میں بدل سکتے ہیں مگر مذاق صحیح بعض اوقات پچاس برس میں بھی حاصل نہیں ہوتا۔

۱۹/ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۲ھ

(۳) فرمایا کہ مولوی عبید اللہ سندھی کا ایک مقولہ مجھے بہت پسند ہے گو وہ اس محل میں

درست نہ ہو جس کے لئے انہوں نے فرمایا تھا۔ وہ یہ کہ مولوی صاحب نے مثنوی کی شرح لکھنے کی مجھ سے فرمائش کی میں نے عذر کیا کہ اب تو مجھے اصطلاحات بھی یاد نہیں رہی انہوں نے فرمایا کہ علم کا تو وہی وقت ہے جب اصطلاحات سے ذہول ہو جائے، فرمایا کہ ذہین آدمی ہیں یہ مضمون بالکل صحیح ہے کیونکہ جب تک اصطلاحات یاد ہیں الفاظ کا غلبہ رہتا ہے جب اصطلاحات محو ہو جاویں تو معانی کا غلبہ ہو جاتا ہے۔

(۴) حدیث میں ہے کہ اُمت کے تہتر فرقے ہوں گے، بہتر ناری ایک جنتی۔ اس میں یہ اشکال ہے کہ اگر ناری ہونے سے خلود نار مراد ہے تو ان سب فرقوں کی تکفیر لازم آتی ہے جو اہل سنت کے مسلک کے خلاف ہیں اور اگر خلود فی النار مراد نہیں تو فرقہ ناجیہ اور ان بہتر فرقوں میں کوئی فرق نہیں رہتا کیونکہ فرقۂ ناجیہ کے بدعمل لوگ بھی تا چندے جہنم میں رہیں گے۔ حضرت نے فرمایا کہ اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ بہتر فرقوں کا معذب بالنار ہونا غلطی عقائد کی وجہ سے ہوگا اور بہترویں فرقے کو اگر عذاب ہوگا تو عقائد کی بناء پر نہیں بلکہ اعمال کی بناء پر اور خلود فی النار سے یہ سب فرق اسلامیہ محفوظ ہیں جن کی تکفیر اہل سنت نے نہیں کی۔

(۵) احقر نے سوال کیا کہ قرآن مجید میں **والشعراء یتبعھم الغاوٗن** میں تبعین کی غوایت کو متبوعین کی غوایت کا کنایہ بنایا گیا ہے۔ تو کیا اس سے یہ قاعدہ مستنبط ہوتا ہے کہ جس شخص کے اتباع کو گمراہ پایا جاوے اس کو بھی گمراہ سمجھا جاوے۔ فرمایا ہاں بشرطیکہ اس کے اتباع کو دخل ہو گمراہی میں۔ نہ یہ کہ اتباع کسی اور چیز میں ہو اور گمراہی کے دوسرے اسباب ہوں۔

(۶) فرمایا میرے ذوق میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دلائل نبوی میں سب سے بڑی دلیل بیساختگی ہے۔ یہ بغیر صدقِ کامل کے ممکن نہیں ہوتی کہ کسی چیز میں تکلف نہیں۔ ہر چیز بے کم وکاست ظاہر کر دی جاتی ہے۔

(۷) فرمایا کہ میں دیوبند گیا تو پندرہ برس کی عمر تھی، بچوں میں شمار تھا مگر شوق تھا بزرگوں کی مجلس میں حاضر ہونے کا۔ ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا فرمایا کہ بھائی پڑھنے سے گننے کی فکر کرنا اور فرمایا کہ ان دونوں میں فرق ہے، پھر اس فرق کو ایک حکایت سے واضح فرمایا کہ دو طالب علم تھے ایک ہدایہ کے حافظ تھے،

دوسرے محض ناظرہ پڑھتے تھے۔ ناظرہ خواں نے ایک مسئلہ کے متعلق کہا کہ ہدایہ میں لکھا ہے، حافظ نے انکار کیا، پھر ناظرہ خواں نے ہدایہ دکھلایا کہ اس کی فلاں عبارت سے یہ مسئلہ سمجھا جاتا ہے۔ حافظ نے اقرار کیا۔ اور کہا کہ صحیح یہی ہے کہ ہدایہ تم نے ہی پڑھا ہے، ہم نے فضول مشقت اٹھائی۔ ہمارے حضرات کا خاص وصف یہی تو تھا اور میں تو بلاخوفِ رد کہتا ہوں کہ ہمارے حضرات غزالی اور رازی سے کسی طرح کم نہ تھے۔

(۸) حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کو دو شخصوں پر فخر تھا باعتبار درایت مولانا محمد اسمٰعیل شہید پر اور باعتبار روایت مولانا اسحٰقؒ صاحب پر اور فرماتے تھے **الحمدللّٰہ الذی وھب لی علی الکبر اسمٰعیل و اسحٰق۔**

(۹) مولانا عبدالباری صاحب لکھنوی نے عرض کیا کہ شرح صدر میں تقویٰ کو دخل ہے فرمایا کہ تقویٰ کو تو دخل ہے ہی اس بارہ میں میری ایک اور تحقیق ہے وہ یہ کہ ادب کو بہت بڑا دخل ہے یعنی بزرگوں کے ادب کو بزرگوں نے حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کے علوم کی بڑی وجہ یہی ادب اکابر قرار دی ہے۔

(۱۰) حضرت نانوتویؒ اور گنگوہیؒ کے رنگ کا اختلاف ذکر کر کے فرمایا کہ دونوں رنگوں کی خاصیتیں مختلف ہیں ایک کا نفع عام ہے تام نہیں اور دوسرا تام ہے عام نہیں۔ مجھے طبعاً عمل کے لئے تو وہ رنگ پسند ہے جو تام ہے اگرچہ عام نہیں لیکن دوسروں سے برتاؤ میں دوسرا رنگ پسند ہے یعنی دوسروں سے خشونت نہ کی جائے۔

۲۰ / جمادی الاولیٰ ۱۳۶۲ھ

(۱۱) ایک صاحب کا تذکرہ تھا فرمایا کہ دیندار تھے مگر ایک کمی تھی کہ اپنے کو دیندار سمجھتے تھے، ضرورت اس کی تھی کہ اپنے کو مٹا دیں۔

(۱۲) فرمایا مولانا نے خوب فرمایا ہے۔

بیم سَر، یا بیم سِر، یا بیم دیں　　　امتحانے نیست مارا جُزا زیں

(۱۳) ہمارے حضرت حاجی صاحب حجۃ اللہ فی الارض اور ظلل اللہ فی الارض تھے۔ مگر میں کہتا ہوں چاہے کوئی دعویٰ سمجھے کہ اس کو سمجھا سب نے نہیں، ہاں جن لوگوں کو انہوں

نے سمجھانا چاہا حق تعالیٰ نے ان کی مراد پوری کر کے ان کو سمجھا دیا۔

(۱۴) فرمایا کہ حضرت مجدد صاحبؒ نے خوب فرمایا ہے کہ سالک کو اگر دو چیزیں حاصل ہوں یعنی اتباع سنت اور حُبِ شیخ تو اگر چہ وہ ہزاروں ظلمات میں بھی مبتلا نظر آوے درحقیقت وہ انوار میں ہے اور جس میں یہ دو نہیں وہ اگر چہ بظاہر انوار کا مشاہدہ کرے مگر حقیقت میں ظلمات کے اندر گھرا ہوا ہے حضرت نے فرمایا کہ اور میرا مذاق یہ ہے کہ حُبِ شیخ بھی اصل مقصود نہیں بلکہ وہ بھی ذریعہ ہے اتباعِ سنت کا۔ حقیقت یہ ہے کہ اصل چیز وہی ہے جو انبیاء علیہم السلام لے کر آئے اور جس کو فرشتوں کے ذریعہ بھیجا گیا یعنی **افعل ولا تفعل** (امر و نہی) اس کا اتباع کرتے ہوئے غیر اختیاری طور پر کیسے ہی حالات و کیفیات پیش آجاویں ذرہ برابر مضر نہیں۔

درطریقت ہرچہ پیش سالک آید خیر اوست ‏ ‏ ‏ بر صراط مستقیم اے دل کسے گمراہ نیست

۲۱ / جمادی الاولیٰ ۶۲ھ بعد ظہر

(۱۵) حضرت کی علالت کا سلسلہ جاری تھا ضعف روز بروز بڑھ رہا تھا مگر خداداد ہمت سے تمام کام اپنے اپنے اوقات پر پورے فرماتے تھے ظہر کے بعد زنانہ مکاں کے قریب مولوی جمیل احمد صاحب کے مکان میں مجلس کا معمول تھا۔ سخت لُو اور گرمی کا زمانہ اور ایسے ضعف کی حالت میں یہاں تک آنا کچھ آسان کام نہ تھا مگر روزانہ تشریف لاتے تھے۔ ایک روز تشریف لاتے ہی ایک صاحب نے کچھ خلاف طبع کلام کیا جس سے حضرت کو کچھ تغیر ہوا۔ فرمایا لوگ میرے ضعف کی حالت کو نہیں دیکھتے، حال یہ ہے کہ گھر سے دو قدم باہر تک یہاں آتا ہوں تو بے حد تکان ہو جاتا ہے اب یہاں سے واپس جاؤں گا تو چارپائی پر گر پڑوں گا۔ دیر تک اس قابل نہ ہوں گا کہ وضو کر سکوں یا نماز پڑھ سکوں، میری عادت گانے کی نہیں کہ اپنی حالت کو کہتا رہوں اور کیوں ہو ذکر کرنے کی چیز محض خدا کا نام ہے کسی شخص کے حالات بلا ضرورت ذکر کرنے سے کیا فائدہ۔

ہر چہ جز ذکر خدائی احسن است ‏ ‏ ‏ گر شکر خواری ست آں جاکندن است

۲۲ / جمادی الاولیٰ ۱۳۶۲ھ

(۱۶) احقر تھانہ بھون میں احکام القرآن کی تصنیف کا کام حضرت والا کے ارشاد کے

موافق کر رہا تھا، جمعہ کے روز صبح کی مجلس میں دیر سے حاضر ہوا تو دریافت فرمایا کہ کیا آج بھی کام کیا ہے، میں نے عرض کیا کہ حضرت آج بھی کیا ہے، ناغہ کرنے کو دل نہیں چاہتا۔ فرمایا کام اسی طرح ہوتا ہے کہ لگ لپٹ کر کیا جاوے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت یہ کام تو ایسا تھا کہ مجھے اس کی جرأت بھی نہ کرنی چاہیے تھی مگر حضرت والا کی خدمت میں ہوتے ہوئے یہ تصور بھی نہ آیا کہ یہ کوئی بڑا بوجھ اٹھا رہا ہوں، فرمایا کہ پہلے لوگوں نے بھی سب نے یہی لکھا ہے کہ ہم اس کے اہل نہیں مگر حق تعالیٰ نے ان سے کام لے لیا۔ یہی حال کلید کامیابی ہے کہ ہم میں اہلیت نہیں حقیقت تو یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں تو جس سے چاہیں کام لے لیتے ہیں۔

در فیض است منشیں از کشائش نا اسیدی اینجا　　کہ مثل دانہ از ہر قفل می روید کلید اینجا

پھر فرمایا مایفتح اللہ للناس من رحمۃ فلا ممسک لھا اور دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ رحمت کے دروازے کھول دے مولانا نے خوب فرمایا ہے۔

گرچہ رخنہ نیست عالم را پدید　　خیرہ یوسف وار می باید دوید

سیر کی روایت ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام زلیخا سے بچ کر بھاگے تو ہر دروازہ پر قفل پڑا ہوا تھا مگر قفل اور دروازہ بند دیکھ کر انہوں نے اپنی سعی میں کمی نہیں کی بلکہ دروازہ تک دوڑے تو حق تعالیٰ نے امداد کی جس دروازہ پر پہنچے تھے قفل تڑ سے ٹوٹ کر گر جاتا اور دروازہ کھل جاتا تھا، اسی کو مولانا نے فرمایا، خیرہ یوسف وار می باید دوید

علم مناظرہ کا قاعدہ ہے کہ دور پہنچ کر بھری شعاعیں مل جاتی ہیں اس لئے طویل سڑک سامنے سے ایسی نظر آتی ہے کہ گویا دونوں طرف کے درخت ملے ہوئے ہیں راستہ نہیں اگر کوئی موٹر چلانے والا ناواقف ہو دور سے یہ منظر دیکھ کر یہ سمجھے کہ آگے چلوں گا تو موٹر ٹکرا جائے گی اور وہیں ٹھہر جاوے تو کبھی مسافت طے نہ ہوگی اور اگر چلتا رہے گا تو جوں جوں آگے بڑھے گا راستہ کھلتا نظر آوے گا۔ (بعد ظہر)

(۱۷) حضرت کے ہاتھ میں ایک پھانس لگ گئی تھی اس کو نکالا پھر فرمایا کہ یہ ایک عبرت کی چیز ہے۔ دیکھئے بدن کے اندر خارج کی ذرا سی اجنبی چیز داخل ہونے کو طبیعت گوارا نہیں کرتی تو قلب کے اندر کسی زائد چیز کو کیسے گوارا کیا جا سکتا ہے۔ مگر بے حسی ہے جو

قلب میں لایعنی خیالات سے تکلیف نہیں ہوتی۔ مگر اللہ والے پھانس لگنے سے زیادہ تکلیف اس کی محسوس کرتے ہیں۔ حدیث کے کیسے پاکیزہ الفاظ ہیں جو اسی مضمون کی تعبیر ہیں۔ **الاثم ماحاک فی صدرک**

ہر چہ جز ذکر خدائے احسن است　　گر شکر خوار یست آں جاں کندن ست

(۱۸) فرمایا، میں ایک منٹ کے لئے اس کو گوارا نہیں کرتا کہ اپنی مصالح پر کسی کی مصالح کو قربان کروں اگر ایثار کی بھی توفیق نہ ہو تو کم از کم دوسروں کو تکلیف تو نہ دے۔

۲۳؍ جمادی الاولیٰ ۶۲ھ

(۱۹) ایک صاحب نے جو بعض دنیوی مصائب میں مبتلا تھے خط لکھا کہ اس سے مجھے سوءِ خاتمہ کا اندیشہ ہوتا ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ مجھ سے ناراض ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ سوءِ خاتمہ سے اس کا دور کا بھی کوئی علاقہ نہیں، بلکہ مصائب و آلام حُسن خاتمہ میں قوی معین ہوتے ہیں، ان سے تو مقبولیت بڑھتی ہے بلکہ پہلے سے مقبولیت نہ ہو تو اس سے حاصل ہو جاتی ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ **فاما الانسان اذا ما ابتلاہ ربہ فاکرمہ و نعمہ فیقول ربی اکرمن واما اذا ما ابتلاہ فقدر علیہ رزقہ فیقول ربی اھانن. کلا۔** الآیۃ۔ اس میں اسی غلطی کو رفع کیا گیا ہے کہ نہ مصائب مردود ہونے کی علامت ہیں اور نہ آرام و عیش مقبولیت کی علامت ہے۔

فرمایا لوگ تعویذ گنڈے کے پیچھے پڑ گئے ہیں دعاء کی طرف توجہ نہیں۔ نہ دعا کا اعتقاد میں یہ تو نہیں کہتا کہ ان کا عقیدہ یہ ہے مگر صورت معاملہ کی ایسی ہے کہ تعویذ گنڈہ کو یہ سمجھتے ہیں کہ اس سے حق تعالیٰ ضرور ہی یہ کام کر دیں گے گویا معاذ اللہ اختیار نہ رہے گا۔ بخلاف دعاء کے کہ وہ اپنے اختیار سے قبول کریں یا نہ کریں۔

(۲۱) فرمایا کہ بعض صوفیہ نے ایک لطیفہ کہا ہے کہ لغت اور عرف میں بالغ اس کو کہتے ہیں جس سے منی خارج ہو اور صوفیہ کے نزدیک بالغ وہ ہے جو منی سے خارج ہو یعنی دعوے سے بری ہو جاوے۔

خلق اطفال اند جز مردِ خدا　　نیست بالغ جز رسیدہ از ہوا

(۲۲) فرمایا کہ معتزلہ کہتے ہیں کہ حضرت حق جل وعلیٰ کا خالق قبائح ہونا اس کی تنزیہ

کے خلاف ہے لیکن محققین یہ کہتے ہیں کہ قبائح کی خلق میں زیادہ دلالت علی القدرۃ الکاملہ ہے۔

محقق ہماں بیند اندر ابل   کہ درخوبرویاں چین و چگل

ایک ماہر خوشنویس اگر حرف جیم عمدہ لکھے وہ اتنا کمال نہیں سمجھا جاتا جتنا یہ کہ وہ بگاڑ کر لکھے جس سے پہچانا نہ جاوے کہ یہ کسی ماہر کا لکھا ہوا ہے۔ انتہیٰ کلامہ۔ احقر جامع کہتا ہے کہ سریع السیر سواریاں جیسے موٹر اور سائیکل وغیرہ میں بڑا کمال اس شخص کا سمجھا جاتا ہے جو ان کو آہستہ سے آہستہ چلا سکے۔ محمد شفیع

۲۵ ر جمادی الاولیٰ ۶۲ھ

(۲۳) حدیث میں ہے لاتنظر وا الی ذنوب العباد کانکم ارباب۔ یعنی ایسی طرح لوگوں کے گناہوں پر نظر نہ کرو جیسے تم خود خدا ہو اور وہ تمہارا کوئی حق فوت کر رہا ہے۔ ایک صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ بے نمازی کو سلام کرنا جائز ہے یا نہیں۔ میں نے کہا تمہارے ذمہ واجب ہے کیونکہ میں نے یہ محسوس کیا کہ وہ اس کو حقیر سمجھتا ہے اور اپنی کو بری سمجھنے کا ناز رکھتا ہے۔

گناہ گاروں پر رحم کرنا چاہیے جیسے بیمار پر، البتہ چونکہ اس نے باختیارِ خود گناہ کیا ہے اس لئے بغض عقلی کافی ہے یہ نہیں کہ ہر وقت ان پر غرایا ہی کرے۔

گناہ آئینہ عفو رحمت است ای شیخ   مبیں بچشم حقارت گناہ گاراں را

(۲۴) الرحمۃ المہداۃ میں ہے کہ ایک نبی علیہ السلام ایک مقبرہ پر گزرے جس میں نئی سی قبریں بنی ہوئی تھیں اور پاس گئے تو معلوم ہوا کہ اکثر معذب ہیں دعاء کی، اور گزر گئے، کچھ عرصہ کے بعد پھر وہاں گزر ہوا جبکہ قبریں سب شکستہ ہوگئی تھیں وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ سب کے سب مغفور اور رراح و ریحان میں ہیں۔ حیرت ہوئی اور جناب باری میں عرض کیا کہ مرنے کے بعد انکا کوئی عمل تو ہوا نہیں پھر مغفرت کا سبب کیا ہوا، فرمایا جب انکی قبریں شکستہ ہوگئیں اور کوئی ان کا پوچھنے والا نہ رہا تو مجھے رحم آیا اور مغفرت کر دی، حضرت نے فرمایا دیکھو پکی قبر رکھنے میں ایک یہ بھی مصلحت ہے۔

(۲۵) یہ مشہور ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ایک بیوی جنیہ تھی جس کے بطن سے

محمد بن الحنفیہ پیدا ہوئے فرمایا کہ میں نے اس کے متعلق حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب سے دریافت کیا، فرمایا کہ عرب کی عادت یہ ہے کہ ہر عجیب چیز کو جنات کی طرف منسوب کرتے ہیں، اس لئے عمدہ اور عجیب چیز کو عقری کہتے ہیں کیونکہ عقر نام ایک وادی کا ہے جس کے متعلق مشہور یہ ہے کہ اس میں جنات رہتے تھے۔ اسی طرح حضرت محمد بن الحنفیہ اور انکے بھائیوں کے متعلق کسی نے بطور مدح کے کہا ہے ؎ بنو جنیة[1] مولدت سیوفا۔

اس سے کسی کو شبہ ہو گیا کہ وہ جنیہ کی اولاد ہیں۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ ان کو حیرت انگیز شجاعت کی وجہ سے شاعر نے بنو جنیہ کہہ دیا ہے۔

(۲۶) فرمایا کہ مرادآباد میں ایک مرتبہ مولانا انور شاہ صاحب نے ایک عجیب روایت بیان کی تھی جبکہ کسی نے ان سے سوال کیا کہ کیا جنات بھی زمین میں انسان کی طرح دفن کئے جاتے ہیں، فرمایا نہیں بلکہ وہ ہوا میں دفن ہوتے ہیں پھر فرمایا کہ عقلاً تو کچھ مستبعد نہیں کیونکہ اصل دفن کی یہ ہے کہ جس جوہر سے وہ جسم بنا ہے مرنے کے بعد اسی میں اس کو پہنچا دیا جائے۔ انسان پر مٹی کا عنصر غالب ہے اس کو مٹی میں دفن کیا جاتا ہے۔ جنات میں کچھ بعید نہیں کہ نار یا ہوا کا عنصر غالب ہو اور اسی مرگز میں ان کو بعد الموت پہنچایا جاتا ہو۔

ہمارے ماموں صاحب ایک ذہین آدمی تھے فرمایا کرتے تھے کہ ہندوؤں میں مردے جلانے کی رسم یوں معلوم ہوتا ہے کہ اپنے دیوتاؤں کے تعامل سے چلی ہے کیونکہ دیوتا ان کے جنات ہیں اور ممکن ہے کہ ان میں بوجہ ناری الاصل ہونے کے جلانے کا دستور ہو ان کو دیکھ کر بے سمجھے ہندوؤں نے بھی ان کی تقلید کر لی۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ کوئی روایت تو نہیں مگر کچھ مستبعد بھی نہیں۔

۲۶ / جمادی الاولیٰ ۶۲ھ

(۲۷) فرمایا کہ حضرت مولانا اسمٰعیل شہید اور ان کے اصحاب جب جہاد کو نکلے ہیں تو اپنے آپ کو ایسا مٹا کر نکلے ہیں کہ کھانے کے لئے برتن ساتھ نہ ہوتے تھے مسجد کے فرش کو کسی کنارہ سے دھو کر اس پر ترکاری رکھ کر کھانا کھاتے تھے اور فارغ ہو کر پھر دھو دیتے تھے،

[1] وہ ایک جنیہ عورت کی اولاد ہیں جس نے تلواریں جنی ہیں۔

حالانکہ ان کے لشکر میں بڑے بڑے امراء اور شہزادے بھی تھے۔

(۲۸) فرمایا حضرت سید صاحبؒ کو جہاد میں ناکامی اسی وجہ سے ہوئی کہ جن لوگوں پر اعتماد کیا وہ قابل اعتماد نہ تھے، شدت کے وقت ساتھ نہ دیا۔

(۲۹) فرمایا کہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو حق تعالیٰ نے عجیب جامعیت عطا فرمائی تھی ہر کام میں رائے رکھتے تھے، فرماتے تھے کہ سلطنت کی قابلیت عالمگیر سے زیادہ شاہجہاں میں تھی حالانکہ دینداری میں یقیناً عالمگیر بڑھے ہوئے تھے مگر لکل فن رجال۔

۲۷/ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۲ھ

(۳۰) فرمایا کہ حضرت سلطان نظام الدینؒ کی خدمت میں کسی نے حلوا پیش کیا حاضرین مجلس میں سے کسی نے کہا الهدایا مشترک اشارہ تھا کہ حدیث میں ہے من[۱] اهدی له هدیة فجلسائه شرکائه حضرت نے فرمایا اے برادر بلکہ تنہا خوشترک۔ اس نے عرض کیا کہ آپ حدیث کا معارضہ کرتے ہیں فرمایا نہیں حدیث کا مطلب تو یہ ہے کہ مہدیٰ لہ (جس کو ہدیہ دیا گیا ہے) تنہا نہ رکھے دوسرے جلساء کو بھی شریک کرے۔ میں یہ تمام تمہید دیتا ہوں خود کچھ نہیں رکھتا۔ اس میں معارضہ کیا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ اس حدیث کی شرح حضرت امام ابو یوسفؒ نے یہ فرمائی ہے کہ مراد اس سے وہ کھانے پینے کی چیزیں ہیں جو عادۃً مجلس میں تقسیم کر کے کھائی جاتی ہیں نقد یا کپڑا اس میں داخل نہیں، پھر فرمایا کہ مأخذ حضرت امام ابو یوسفؒ کے اس ارشاد کا یہ معلوم ہوتا ہے کہ اصل قاعدہ جو عقلی بھی ہے، نقلی بھی۔ یہ ہے کہ ہدیہ اس شخص کی ملکیت ہے جس کی نیت مہدی (ہدیہ پیش کنندہ) نے کی ہے۔ دوسرے لوگ اس میں شریک نہیں لیکن بعض مواضع میں عرف یہ ہوتا ہے کہ کھانے پینے کی چیز بعض لوگ مجلس میں اسی نیت سے لاتے ہیں کہ سب شرکاء مجلس کو دے دی جائے۔ مگر اکرام مجلس کے سبب بزرگ کے سامنے رکھی جاتی ہے۔ اسی صورت میں حقیقۃً سب شرکاء مجلس کا حق ہوتا ہے۔ یہی مراد حدیث کی ہے، عام ہدایا مراد نہیں۔ واللہ اعلم۔

احقر جامع کہتا ہے کہ اول تو حضرات محدثین کو اس حدیث کے ثبوت ہی میں کلام ہے

---

[۱] یعنی جس کو مجلس میں ہدیہ دیا جاوے تو اس کے ہمنشین بھی اس ہدیہ میں شریک ہیں ۱۲

1 تذکرۃ الموضوعات میں علامہ طاہر مفتیؒ نے اکثر حضرات سے اس پر جرح نقل کی ہے لیکن حضرت امام ابو یوسفؒ کا اس کی توجیہ کرنا اس پر شاہد ہے کہ انہوں نے اس کو قابل احتجاج سمجھا ہے اور مجتہد کا کسی حدیث سے استدلال کرنا اس حدیث کی توثیق کے حکم میں ہے۔ کما تقرر فی الاصول۔ محمد شفیع

(۳۱) فرمایا کہ جو لوگ خلاف حق کسی کام میں مبتلا ہوں، ان کا خلاف کرنا چاہیے لیکن بدگمانی اور بدزبانی سے احتراز لازم ہے کہ اس میں اپنا ضرر ہے۔

(۳۲) فرمایا کہ مبتدی کو چاہیے کہ اس فکر میں زیادہ نہ پڑے کہ فلاں کام جو میں نے کیا ہے گناہ تھا یا نہیں اور تھا تو کس درجہ کا گناہ تھا بلکہ جس کام میں معصیت کا شبہ ہو اس کو معصیت سمجھ کر تدارک اور استغفار کرے اور اصل کام میں لگ جاوے۔

(۳۳) فرمایا کہ علماء نے لکھا ہے کہ استغراق میں ترقی نہیں ہوتی اور نہ کچھ زیادہ کمال کی چیز ہے بلکہ بعض اوقات جب کسی خاص جمال کے تحمل سے آدمی عاجز ہوتا ہے تو حق تعالیٰ بطور انعام کے اس پر استغراق مسلط کر دیتے ہیں تاکہ احساس مصیبت نہ ہو جیسے اپریشن میں کلوروفارم سنگھا دیا جاتا ہے۔

۱۱؍ جمادی الثانیہ ۱۳۶۲ھ

(۳۴) ارشاد فرمایا کہ لوگ اپنے دل میں آپ حساب کتاب لگا لیتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ساری دنیا اس کے موافق چلے جب وہ پورا نہیں ہوتا تو مصیبت میں پڑتے ہیں، شریعت مقدسہ نے ہر چیز میں عجیب تعدیل فرمائی ہے جس میں کسی وقت پریشانی نہیں ہو سکتی۔ دیکھئے ایک صحابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ان امرأتی لا ترد ید لامس یعنی میری بیوی کسی چھونے چھیڑنے والے کو روکتی نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا طلقھا یعنی اس کو طلاق دے دو۔ صحابی نے عرض کیا کہ مجھے اس سے محبت ہے (یعنی اگر طلاق دے دوں گا تو پریشانی ہوگی اور ممکن ہے کہ پھر اس کے ساتھ گناہ میں مبتلا ہو جاؤں) فرمایا اَمسِکھا پہلا حکم یعنی ترک تعلق اصل اور مقتضی غیرت کا تھا اور جب اس کا تحمل دشوار معلوم ہوا تو اس کی بھی اجازت دے دی کہ اس حال میں بھی اس کو اپنی

زوجیت میں رکھ سکتے ہو۔ مطلب یہ تھا کہ اس کی حفاظت وصیانت میں کوشش کی جاوے، پھر بھی اگر وہ کچھ گڑبڑ کرے تو تم بری ہو وہ خود اپنے کئے کو بھگتے گی۔ لاتزر وازرۃ و زر اخری۔ انسان کو چاہیے کہ جس قدر انتظام اپنی قدرت میں ہو اس کو پورا کرلیا جاوے۔ پھر اس فکر میں نہ رہے کہ جو کچھ ہم نے حساب لگا رکھا ہے سب اسی کے موافق ہو جاویں۔

(۳۵) فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر مُدرکہ کے لئے ایک حد مقرر فرمائی ہے۔ آنکھ ایک حد تک دیکھتی ہے اس سے آگے نہیں دیکھتی، کان ایک حد تک سنتے ہیں اس سے آگے نہیں سنتے، اسی طرح عقل کا ادراک اور رسائی بھی ایک حد تک محدود ہے، اس سے آگے وہ عاجز ہے معلوم نہیں کہ لوگوں نے اس کے ادراک کو غیر محدود کیوں سمجھ رکھا ہے کہ جو چیز اپنی عقل میں نہ آوے اس کے انکار کے درپے ہو جاتے ہیں۔

(۳۶) ارشاد فرمایا کہ ہر کام میں آسان اور مختصر راستہ اختیار کرنا چاہیے۔ بے وجہ تطویل ومشقت میں پڑنا عقل کے بھی خلاف ہے اور سنت کے بھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ نے وہ قوت وہمت عطا فرمائی تھی کہ آپ اپنی ذات پر جس قدر چاہتے مشقت برداشت فرما سکتے تھے اور بالکل عزیمت پر عمل فرما سکتے تھے۔ مگر اس کے باوجود عادت شریفہ یہ تھی کہ جب آپ کو دو کاموں میں اختیار دیا گیا ہمیشہ وہ کام اختیار فرمایا جو سہل وآسان ہو اس کی حکمت یہ تھی کہ اُمت متبع سنت ہو سکے اور ضعفا اُمت اتباعِ سنت سے محروم نہ رہیں اور ان کو یہ غم نہ ہو کہ ہم محروم رہ گئے۔ ظاہر ہے کہ توکل و زہد وقناعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کس کو حاصل ہو سکتے ہیں لیکن اس کے باوجود بیبیوں کے لئے سال بھر کا غلہ جمع فرما دیتے تھے تاکہ اُمت کو تنگی نہ ہو۔

حافظ شیرازی جو تارک الدنیا اور رند مست مشہور ہیں ان کی تعلیم بھی یہ ہے۔

گفت آساں گیر بر خود کارہا کز روی طبع　　　سخت می کوشد جہاں بر مرد ماں سخت کوش

یہ کلمات ارشاد فرمانے کے بعد خواجہ صاحب کو خطاب کر کے فرمایا کہ خواجہ صاحب یہ باتیں ہیں لکھنے کی جو شاید میرے بعد کہیں نہ ملیں گی۔ مگر یہ کہ ع مردے از غیب بروں آید وکارے بکند + مولوی فضل حق صاحب خیرآبادی کہا کرتے تھے

ع رانڈ ہو جائیں گے قانون و شفا میرے بعد

اور مولوی عبدالسمیع صاحب میرٹھی ایک مرتبہ کانپور آئے تو میں نے ان سے وعظ کہلوایا۔ وہ اگرچہ بدعات مروجہ میں ہمارے اکابر کے خلاف تھے مگر وعظ میں گڑ بڑ نہ کرتے تھے اس لئے ان کے وعظ میں مضائقہ نہ سمجھا اس وعظ میں مولوی صاحب نے اپنی ایک نظم بھی پڑھی تھی جس کا ایک شعر یاد رہا ؎

بیدلِ خستہ کو پاؤ گے کہاں کرلو اس کی مہمانی چند روز

احقر جامع کہتا ہے کہ حضرت والا کی زبان مبارک سے یہ جملے سن کر مجلس کا رنگ بدل گیا، میرے ایک دوست نے مجلس سے اٹھتے ہی رو کر کہا کہ مولوی صاحب معلوم ہوتا ہے کہ اب حضرت کی صحبت بہت کم باقی ہے مگر افسوس کہ اس وقت بھی کسی کو یہ اندازہ نہ تھا کہ ایک ماہ بعد ہی یہ دربار اٹھ جائے گا ؎

حیف در چشم زدن صحبتِ یار آخر شد روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

اور حیف تو یہ ہے کہ مجلس کی صورت سے افادات وارشادات تو غالباً اسی دن ختم ہو چکے تھے۔ یوں تو آخر وقت تک افادات کا سلسلہ رہا معمول اور مجلس کی صورت سے پھر ملفوظات کی نوبت نہیں آئی۔

(۳۷) فرمایا کہ حق جل وعلیٰ شانہ کی رحمت کا ہم کیا اندازہ کر سکتے ہیں اور کس کس نعمت کا شکر ادا کر سکتے ہیں۔ قرآن مجید کے اسلوب بیان کو دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ سارا کلام انسانی جذبات اور انسان کے عقل وادراک کے دائرہ میں ہے وہ ہی محاورات استعمال فرمائے ہیں جو انسان استعمال کرتا ہے حالانکہ حق تعالیٰ شانہ کی ذات اور اس کا کلام کہاں اور ہماری عقل و فہم کہاں: لیکن یہ رحمتِ عظیمہ ہے کہ انسان کے مدرک پر تنزل فرما کر کلام کیا ہے۔ بلاتشبیہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے بچوں سے بات کرتے وقت بڑے آدمی بچوں کی طرح تتلا کر کلام کرتے ہیں تا کہ بچہ اس سے مانوس ہو اور سمجھے۔ قرآن مجید کے متعدد مواضع میں لعلکم ترحمون وغیرہ کے الفاظ وارد ہیں جن میں مفسرین کو کلام ہے کہ یہ لفظ لَعَلَّ کا کیا موضع ہے کیونکہ اس کے معنی ہیں شاید جو شک کا کلمہ ہے اور ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ جل وعلیٰ کو ہر چیز کا قطعی علم ہے اس کے کلام میں شک کے کوئی معنیٰ نہیں اس لئے مختلف توجیہات ان

حضرات نے لکھی ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ لَعَلَّ اس جگہ تحقیق کے لئے ہے شک کے معنی میں نہیں۔ لیکن حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نے فرمایا کہ یہ سب تکلف ہے حقیقت یہ ہے کہ انسانی مدارک پر تنزل فرمانے کے باعث یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے کیونکہ اس موقع پر انسان کو ظن ہونا چاہیے اس لئے بصیغۂ ظن تعبیر کیا گیا ہے۔

فرمایا کہ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کو یہ علوم کچھ زیادہ مطالعہ سے حاصل نہیں ہوئے بلکہ حق تعالیٰ نے قلب میں ایک نور پیدا فرمادیا جس سے یہ چیزیں منکشف ہوئیں۔ کنوئیں میں پانی کوئی باہر سے نہیں ڈالتا۔ اندر سے اُبلتا ہے۔ اسی طرح اہل اللہ کے سب علوم خارج سے مکتسب نہیں ہوتے بلکہ محض موہوب ہوتے ہیں، اس لئے بعض اکابر کا مقولہ ہے کہ بزرگوں کے ملفوظات جمع کرنے کی فکر میں زیادہ نہ رہو بلکہ بڑی فکر اس بات کی کرو کہ صاحب ملفوظ جیسے بنو تاکہ تمہاری زبان سے بھی وہی علوم نکلنے لگیں۔

(۳۸) فرمایا کہ حق تعالیٰ کو علم تھا کہ اُمت میں ایسے لوگ بھی ہوں گے جو مغلوب النوم کسلمند ہوں گے اور ان کی نمازیں قضا ہوں گی، ان کی رعایت سے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک نماز قضا کرادی تاکہ اس میں بھی ان کو اسوۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حاصل ہو سکے۔ فسبحان من رؤف رحیم۔

۱۴؍ جمادی الثانیہ ۱۳۶۲ھ

(۳۹) فرمایا کہ علماء کو امراء کے دروازوں پر جانا یہ تو میں نہیں کہتا کہ نہیں چاہیے کیونکہ اضطرار ایسی چیز ہے جس میں آدمی مجبور ہو جاتا ہے۔ آنکہ شیراں را کند روبہ مزاج + احتیاج است، احتیاج است احتیاج + مگر حکیم شیرازی کا قول ہے۔ بتمنائے گوشت مُردن بہ + کہ تقاضائے زشت قصاباں

یہ ارشاد اس پر فرمایا کہ مجلس میں ایک تبحر عالم کے لئے ریاست حیدرآباد میں وظیفہ کی کوشش کا تذکرہ تھا جن کے لئے سفارشیں بہم پہنچانے کے بعد بھی کامیابی نہ ہوئی تھی۔

(۴۰) فرمایا کہ ذلت درحقیقت عرض حاجت ہے، پھٹے کپڑے، ٹوٹے جوتے، پیوند پوش ہونا ہرگز ذلت نہیں۔ فرمایا کہ آدمی کو آزاد رہنا چاہیے، کسی خادم کا پابند نہ ہو، اپنا کام خود کرنے کی

عادت رکھے۔ میری ہمیشہ سے یہی عادت ہے اور میں نے تو چار حرف دین کے پڑھے بھی ہیں اور صحبت بھی اٹھائی۔ بھائی اکبر علی صاحب کا بھی یہی حال تھا اور یہ سب برکت ان بزرگ کی ہے جن کی دعاء سے ہم پیدا ہوئے۔

بڑے سے اُکتاؤ نہ تم مجذوب کی ۔۔۔ پھر یہ سن پاؤ گے افسانہ کہاں
کر رہا ہے فاش رازِ حسن و عشق ۔۔۔ پھر ملے گا ایسا دیوانہ کہاں
یہ تپش یہ تختہ جانی پھر کہاں ۔۔۔ سن لو یہ آتش بیانی پھر کہاں
پھر کہاں مجذوب کی یہ شورشیں ۔۔۔ یہ طبیعت کی روانی پھر کہاں

تعلیماتِ اشرفیہ منظوم

(از مجذوب محروم و مغموم)

قبض میں بھی بسط کا تو لطف لے ۔۔۔ بے تسلی بھی تسلی چاہیے
ہے جلالی تو جمالی گو نہیں ۔۔۔ چاہے جیسی ہو تجلی چاہیے
اصلاح میں اپنی کر نہ سستی ۔۔۔ ہمت پہ ہے منحصر درستی
فرما گئے ہیں حکیم الامت ۔۔۔ سستی کا علاج بس ہے چستی
رکھ ہمیشہ نظر میں دو باتیں ۔۔۔ اے دو عالم کی خیر کے طالب
طبع غالب نہ عقل پر ہو کبھی ۔۔۔ اور نہ ہو عقل شرع پر غالب
چاہے اطمینان اگر مجذوب تو ۔۔۔ کر نہ کیفیات کی ہرگز ہوس
عقل و ایماں ہیں رفیق دائمی ۔۔۔ آنی جانی اور سب چیزیں ہیں بس
کر نفس کا مقابلہ ہاں بار بار تو ۔۔۔ سو مرتبہ بھی ہار کے ہمت نہ ہار تو
اس کو پچھاڑ کے بھی نہ پچھڑا ہوا سمجھ ۔۔۔ ہر وقت اس پچیت سے رہ ہوشیار تو
نہ چت کر سکے نفس کے پہلواں کو ۔۔۔ تو یوں ہاتھ پاؤں بھی ڈھیلے نہ ڈالے
ارے اس سے کشتی تو ہے عمر بھر کی ۔۔۔ کبھی وہ دبا لے، کبھی تو دبا لے
جو ناکام ہوتا رہے عمر بھر بھی ۔۔۔ بہر حال کوشش تو عاشق نہ چھوڑے

یہ رشتہ محبت کا قائم ہی رکھے — جو سو بار ٹوٹے تو سو بار جوڑے

رہِ عشق میں ہے تگ دو و ضروری — کہ یوں تا بمنزل رسائی نہ ہوگی

پہنچنے میں حد درجہ ہوگی مشقت — تو راحت بھی کیا انتہائی نہ ہوگی

کہاں تیری مجذوب ژولیدہ حالی — کہاں باریابی درگاہ عالی

مگر ہو نہ مایوس پھر بھی کرم سے — حسرت بھی تیری نہ جائے گی خالی

تجھ کو جو چلنا طریق عشق میں دشوار ہے — تو ہی ہمت ہار ہے ہاں تو ہی ہمت ہار ہے

ہر قدم پر تو جو رہ رو کھا رہا ہے ٹھوکریں — لنگ خود تجھ میں ہے ورنہ راستہ ہموار ہے

طلب تیری مجذوب اگر تام ہو — ابھی زیب پہلو دل آرام ہے

یہ کوشش جو تیری ہے کوشش نہیں — وہ کوشش ہی کب ہے جو ناکام ہے

یہ مجذوب وحشی کو مثل اپنے سالک — بٹھانا جو حجرہ میں تو چاہتا ہے

سرشت اپنی اپنی ہے ظرف اپنا اپنا — مرا جذب میدان ہوا چاہتا ہے

سختی رہ سے نہ ڈر، ہاں ایک ذرا ہمت تو کر — گامزن ہونا ہے مشکل راستہ مشکل نہیں

کام کو خود کام پہنچا دیتا ہے انجام تک — ابتداء کرنا ہے مشکل انتہاء مشکل نہیں

شر سے ہے کونسا بشر خالی — ہاں مگر ہو نہ شر ہی شر خالی

کچھ تو ساماں خیر ہو دل میں — اب تو ہے تیرا گھر کا گھر خالی

تو گناہوں کا خود ہے ذمہ دار — آڑ تقدیر کی نہ لے زنہار

تیرے اس عذر پر ہے یہ صادق — خوئے بدرا بہانہ بسیار

دیکھ تو آتشیں رُخوں کو نہ دیکھ — ان کی جانب نہ آنکھ اُٹھا زنہار

دور ہی سے یہ کہہ الٰہی خیر — وقنا ربنا عذاب النار

میرے سب درد کھوئے دردِ دل نے — یہی درماں بھی ہے آزار بھی ہے

محبت کو جو دیکھے جس نظر سے — یہی پرخار بھی ، گلزار بھی ہے

جو کھیلوں میں تو نے لڑکپن گنوایا — تو بدمستیوں میں جوانی گنوائی

جواب غفلتوں میں بڑھاپا گنوایا — تو پھر یہ سمجھ زندگانی گنوائی

مترس از بلائے کہ شب درمیاں ست
یہ بڑھ کر نہ سو شب بھر آرام ہی سے

ارے کوچ گو صبح ہونے پہ ہوگا
مگر فکر توشہ تو کر شام ہی سے

مطرب خوشنوا بگو تازہ بتازہ نوبنو
چپ نہ ہو ہائے چپ نہ ہو، گائے جا ہائے گائے جا

کیف نہ ہونے پائے کم، پاس نہ آنے پائے غم
اے مزے دافع الم، نغمے یوں ہی سنائے جا

مطرب خوشنوا ترا دونوں جہاں میں ہو بھلا
روزِ الست جو سنا، نغمہ وہی سنائے جا

یہ تیری شان آب وگل، تجھ سے ملک بھی ہیں خجل
جس نے دیا ہے دردِ دل، گیت اسی کے گائے جا

مری زیست کا حال کیا پوچھتے ہو
نہ پیری، نہ طفلی، نہ اس میں جوانی

جو کچھ ساعتیں یادِ دلبر میں، گزریں
وہی ہیں وہی میری کل زندگانی

قبول عشق میں مطلوب ہے، وصول نہیں
وصول ہیچ ہے مجذوب اگر قبول نہیں

وصول اس کو نہ ہرگز سمجھ فضول ہے وہ
ہولا کھ ایسا وصول اس سے کچھ حصول نہیں

چار شرطیں لازمی ہیں استفاضہ کیلئے
اطلاع و اتباع و اعتقاد و انقیاد

یہ مقفی قول ہے رنگین بھی سنگین بھی
حضرتِ مرشد کا یہ ارشاد رکھ تا عمر یاد

ترا آستاں اب کہیں چھوٹتا ہے
جدھر آگئے ہم اُدھر آگئے ہم

نہ اب بت پرستی نہ اب مے پرستی
یہ سب چھوڑ کر تیرے گھر آگئے ہم

غم عشق جا کر بھی غم کم نہ ہوگا
کہ پھر غم نہ ہونے کا کیا غم نہ ہوگا

نہ کر غم کے جانے کی ہرگز تمنا
گیا غم تو یہ دل کا عالم نہ ہوگا

فزوں اب توں ہر سانس پر دردِ دل ہے
سکوں چارہ گر ہوگا جب دم نہ ہوگا

عبث ہے عبث ہے مداوا عبث ہے
نہ ہوگا نہ ہوگا یہ اب کم نہ ہوگا

نظمِ جہاں میں ہر طرف اب اختلال ہے
عالم تمام مظہر شان جلال ہے

کچھ اس کا لطف اہل محبت سے پوچھئے
شانِ جلال بھی انہیں شانِ جمال ہے

وہ کتنا ہی شکستہ ہو وہ کیسا ہی نکما ہو
نظر بر لطف ساقی تو کئے جا پیش جام اپنا

پھریگا یا نہیں کتنا بھریگا اور بھریگا کب
سروکار اس سے کیا تجھ کو کئے جا تو تو کام اپنا

یہ کس نے زمانہ سے پھیریں نگاہیں
یہ دنیا میں کیا انقلاب آرہا ہے

جو رات آرہی ہے بری آرہی ہے
جو دن آرہا ہے خراب آرہا ہے

سمجھتے ہیں اہل ممالک تو یہ
کہ بس بادشاہت بڑی چیز ہے

مگر جو ہیں اہل نظر ، اہل دل
وہ کہتے ہیں چاہت بڑی چیز ہے

جوا کب غلامی کا ہے زیب مسلم
کہ ہر چیز موزوں ہے اپنے محل میں

یہ اعمالِ بد کی ہے پاداش ورنہ
کہیں شیر بھی جوتے جاتے ہیں ہل میں

مرا نقشِ ہستی نہیں مٹنے والا
بتوں کے مٹائے یہ مٹتا نہیں ہے

اسے میٹنے میں وہ مٹ جائیں گے خود
کہ یہ نقش سجدہ ہے قشقہ نہیں ہے

جائے۔ جسے مجذوب نہ زاہد نظر آئے
بھائے نہ جسے رند وہ پھر کیوں ادھر آئے

سو بار بگڑنا جسے منظور ہو اپنا
وہ آئے یہاں اور بچشم و بسر آئے

احسان جتا کر نہ کوئی میرے گھر آئے
احسان مرا مان کر آئے اگر آئے

بیٹھا ہوں غنی ہو کے میں ہر شاہ و گدا سے
سو بار غرض جس کو پڑے وہ ادھر آئے

کاشانہ مجذوب ہے منزل گو مستاں
جو اہل خرد آئے یہاں سوچ کر آئے

فرزانہ جسے رہنا ہو جائے وہ کہیں اور
دیوانہ جسے بننا ہو بس وہ ادھر آئے

اس سہ دری اشرف فردوس مکاں میں
جب آئے زیارت کو تو باچشم تر آئے

جو بزم بھری رہتی تھی مستانِ خدا سے
خالی وہ نظر آئے تو کیوں جی نہ بھر آئے

مجذوب ہے اور جلوہ مستانہ کسی کا
وہ اب نہیں اپنا ہو کہ بیگانہ کسی کا

وہ بزم ہے اور اک نئی ہر سو ہے تجلی
شمعوں سے گھرا بیٹھا ہے پروانہ کسی کا

مجھے دوست چھوڑدیں سب، کوئی مہرباں نہ پوچھے
مجھے میرا رب ہے کافی، مجھے کل جہاں نہ پوچھے

شب و روز میں ہوں مجذوب، اور یاد اپنے رب کی
مجھے کوئی ہاں نہ پوچھے، مجھے کوئی ہاں نہ پوچھے

زچشم محوِ حیرت کیف صد پیمانہ میریزم
من آں مستم کہ از جام تہی میخانہ میریزم

چہ داند خلق رندی من درویش صورت را
مئے صافی بزیر دلق در پیمانہ میریزم

نیابی تا ابدزیں بعد ہرگز ایں چنیں وقتے
بصد کوشش عنانِ توسنِ عمرِ رواں درکش

یہ یادِ دوست اے مجذوب گم کن ہستی خود را
جو عمرِ جاوداں خواہی بجاں آنجاں جاں درکش

سوچ ماضی کو نہ استقبال کو — ٹھیک رکھ تو ، تو بس اپنے حال کو
کیا ہوا کیا ہوگا اس غم میں نہ پڑ — تو عبث سر لے نہ اس جنجال کو
دل کیوں نہیں لگتا طاعتوں میں — اس فکر کے پاس بھی نہ جانا
دل لگنا کہاں ہے فرض تجھ پر — تیرا تو ہے فرض دل لگانا
لگا رہ اسی میں جو ہے اختیاری — نہ پڑا مر غیر اختیاری کے پیچھے
شہادت کئے جا ، مزا گو نہ آئے — نہ آدھی کو بھی چھوڑ ساری کے پیچھے
جبل گرددائے دل جبلی نہ گردد — یہ مانا، درست اب جبلت نہ ہوگی
مگر فعل بد سے تو بچنا ہے ممکن — نری طبع بد پر عقوبت نہ ہوگی
تو ہوکسی بھی حال میں مولا سے لَو لگائے جا — قدرتِ ذوالجلال میں کیا نہیں گڑگڑائے جا
بیٹھے گا چین سے اگر کام کے کیا رہیں گے پر — گو نہ نکل سکے مگر پنجرے میں پھڑپھڑائے جا
اشک یوں ہی بہائے جا، دل کی لگی بجھائے جا — آہیں بھی کھینچ کھینچ کر، آتش غم بڑھائے جا
حُسنِ تماشہ دوست کو، عشق کرشمہ ساز تو — کھیل یونہی نئے نئے شام وسحر دکھائے جا
ضربیں کسی کے نام کی دل پہ یوں ہی لگائے جا — گو نہ ملے جواب کچھ دریوں ہی کھٹکھٹائے جا
کھولیں وہ یا نہ کھولیں در، اس پہ ہو کیوں تری نظر — تو تو بس اپنا کام کر، یعنی صدا لگائے جا
تیری بلا سے کچھ ہو بس تو تو ادا دکھائے جا — روتا ہے روئے کُل جہاں تو یوں ہی مسکرائے جا
غم سے کہاں فراغ ہے دل پہ تو روز داغ ہے — قبضہ میں تیرے باغ ہے نت نئے گل کھلائے جا
ہاں مجھے مثل کیمیا، خاک میں تو ملائے جا — شانِ مری گھٹائے جا، رتبہ میرا بڑھائے جا
سب ہوں حجاب برطرف دیکھوں تجھی کو ہر طرف — پردے یوں ہی اٹھائے جا، جلوے یوں ہی دکھائے جا
جام پہ جام لائے جا، شانِ کرم دکھائے جا — پیاس مری بڑھائے جا، روز نئی پلائے جا
پوری نہیں ہے بیخودی، کرتا ہوں مستیاں بھی — ہوش مرے اڑائے جا، اورابھی چکھائے جا
دیکھ یہ راہِ عشق ہے، ہوتی ہے بس یوں ہی یہ طے — سینہ پہ تیرے کھائے جا، آگے قدم بڑھائے جا
یہ نہیں ظلم دشمناں، یہ ہی جفائے جانِ جاں — صورتِ ابر تو بھی ہاں روتے میں مسکرائے جا
مطرفِ خوشنوا ترا دونوں جہاں میں ہو بھلا — روزِ الست جو سنا نغمہ وہی سنائے جا

یہ تری شان آب وگل، تجھ سے ملک بھی ہیں خجل
جس نے دیا یہ دردِ دل گیت اسی کے گائے جا

رہنا نہ چاہے تو اگر مفت کی انتشار میں
پیش نظر یہ گُر رہے دیکھ تلاشِ یار میں

اپنے جو بس کی بات ہو، رہ بس اسی میں منہمک
پیچھے نہ اس کے پڑ کبھی، جو نہ ہوا اختیار میں

وساوس جو آتے ہیں اس کا ہو غم کیوں
عبث اپنے جی کو جلانا برا

خیر تجھ کو اتنی بھی ناداں نہیں ہے
وساوس کا لانا کہ آنا برا ہے

مالک ہے جو چاہے کر تصرف
کیا وجہ کسی بھی فکر کی ہے

بیٹھا ہوں میں مطمئن کہ یا رب
حاکم بھی ہے تو حکیم بھی ہے

کام کر دل لگا کے پھر بھی اگر
نہ لگے دل تو کچھ ملال نہ کر

حسب ارشاد حضرت مرشد
فعل کر فکر انفعال نہ کر

بدلے نہ کہیں عالم ایجاد کا عالم
اک ٹوٹے ہوئے دل تری فریاد کا عالم (شفیق جونپوری)

معمور تھا جلوؤں سے اور ارمانوں سے کیا کیا
اب تو ہے اور اک خانہ برباد کا عالم (مجذوب)

وہ رنگ، نہ وہ ڈھنگ، نہ وہ لطف، نہ وہ کیف
کچھ اور ہے اب عالم ایجاد کا عالم

بیٹھا ہوں نظر نیچے کیے سر کو جھکائے
گلشن میں ہے اب خانہ ایجاد کا عالم

شامِ شبِ فرقت میں بھی انوار سحر ہیں
اے نورِ مجسم یہ تری یاد کا عالم

دل نور، جگر نور، زباں نور، نظر نور
یہ کیا مری خاطر ناشاد کا عالم

طرقِ عشق جو ہیں سب کا خلاصہ اے دل
بس یہ ہے دوست سے غافل نہ کسی آن رہے

اس کا اک گُر تجھے تلقین کیے دیتا ہوں
ذکر اور فکر رہے، دُھن رہے اور دھیان رہے

یہ بھی ہے اک ادائے حسن یار کی بے رخی نہیں
برہمی مزاج دوست، ناز ہے برہمی نہیں

اُٹھ بھی یہاں سے بوالہوس بیٹھ نہ عاشقوں میں تو
تاب اگر حسن تجھے یار کے ناز کی نہیں

کوئی مزا مزا نہیں، کوئی خوشی خوشی نہیں
تیرے بغیر زندگی موت ہے، زندگی نہیں

سب کا غلط ہے یہ گماں، زندہ ابھی ہوس میں کہاں
وہ جو ہے اپنا جانِ جاں پہلو میں جب وہی نہیں

لاکھ ہنسی کی بات ہو لب پہ مگر ہنسی نہیں
غنچۂ دل بس اب مرا بہرِ شگفتگی نہیں

بادِ صبا ہو، ابر ہو، موسمِ نوبہار ہو
کوئی شگفتہ کر سکے ہائے یہ وہ کلی نہیں

جانشینی

عام طور سے تحریراً وتقریراً یہ سوال ہوتا ہے کہ حضرت اقدس کا جانشین کون ہے؟ تعجب ہوتا ہے کہ جو شیخ کمال، علم، کمالِ تقویٰ، کمالِ معرفت، کمالِ عشق، کمالِ ارشاد غرض جملہ کمالات میں فرد ہو، اپنے وقت کا مجدد امام اور مرجع اہل علم وکمال ومشیخت ہو اس کا جانشین کہاں۔ رہی خدمتِ دین تو وہ حضراتِ مجازین کر رہے ہیں جن کی فہرست آگے آتی ہے۔ یہ حضرات تمام خدمات انجام دے رہے ہیں، اپنے اپنے کام میں مشغول ہیں اور اگر تھانہ بھون اور خاص کر خانقاہ میں کسی کا قیام ضروری ہو تو غالباً یہ خیال اس سجادگی کی رسم پر مبنی ہے جو دکاندار لوگوں نے جاری کر رکھی ہے۔ حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ نے ضمیمہ اصلاح الرسوم کی فصل دوم میں اس کی خرابیاں اور شرعی مفاسد بیان فرمادیئے ہیں اور ایک مستقل رسالہ بھی اس باب میں ''رسالہ سجادہ نشینی'' کے نام سے تحریر فرمایا ہے جو رسالہ تحفۃ الشیوخ کا ضمیمہ ہے۔ ۱۳۴۷ھ میں تصنیف اور طبع ہوا ہے۔ اس رسالہ سے منتخب کر کے ضروری مضمون پیش ہے۔

سجادگی یا جانشینی کی تین صورتیں ہیں (۱) مریدین جمع ہو کر کسی بیٹے یا عزیز یا خادم کو سجادہ نشین کر دیں۔ (۲) دوسرے سجادہ نشین مشائخ ایسا کریں۔ (۳) خود شیخ تنہا یا دوسرے مشائخ کی شرکت سے کر دے پھر ان تینوں صورتوں کی تین تین حالتیں ہیں۔ ایک یہ کہ جس کو سجادہ نشین بنایا جاتا ہے اس میں تربیت وارشاد کی اہلیت بھی نہ ہو اور خرافات میں بھی مبتلا ہو۔ دوسرے یہ کہ خرافات میں تو مبتلا نہیں مگر تربیت وارشاد کی بھی اہلیت نہیں، تیسرے یہ کہ تربیت وارشاد کی اہلیت ہو۔ اب اگر وہ خرافات میں مبتلا ہے تب تو بہت ہی قبیح درجہ ہے اور اگر نا اہل ہے تب بھی جو لوگ اس کو مقتدا، متبوع، شیخ اور بزرگ سمجھ کر اس کا اتباع کریں گے، بیعت ہوں گے، ان سب کی گمراہی کا گناہ اور وبال ان سب کوشش کرنے والوں پر بھی تا بقائے سلسلہ ہوتا رہے گا۔

صورتِ اول میں تو ناواقف لوگوں کا فعل ہے جو محض جہالت ہے اور دوم وسوم میں یہ شہادت ہے، اس کے کمال اور مقتدا ومتبوع ہونے کی، شہادت جب جائز ہے کہ اس کا پورا علم ہو، یہاں اس کے اہل ہونے کا علم نہیں بلکہ نا اہل ہونے کا علم ہے تو یہ فعل ناجائز اور دھوکہ اور مخلوقِ خدا کی گمراہی کا سبب ہے، اسی وجہ سے خود ان میں اور پھر ان کی وجہ سے

سینکڑوں گناہ اور ہزاروں بدعات پھیلتی ہیں جوسب پر ظاہر ہیں۔

رہی تیسری حالت کہ تربیت وارشاد کا اہل ہو اس میں بظاہر خرابی معلوم نہیں ہوتی لیکن نظر غائر سے اس میں بھی بہت خرابیاں ہیں مثلاً عموماً مریدین اس جانشین کو بالکل شیخ کی جگہ سمجھتے ہیں اور اس کے تمام خلفاء پر گو وہ اہلیت میں اس سے زیادہ ہوں اس جانشین کو ترجیح دیتے ہیں۔ معتقدین طالبین کو گھیر گھیر کر جس طرح بن پڑتا ہے اس کی طرف لاتے ہیں اور صرف اس جگہ پر بیٹھنے کو سبب مرجع قرار دیتے ہیں۔ حتیٰ کہ اگر کسی وقت اہلیت نہ رہے یا بدل جائے تب بھی اس کے چھوڑنے کو اس جگہ کی اور پھر شیخ کی اہانت سمجھتے ہیں اور جس طرح ہوتا ہے اس کو نباہتے ہیں جس کا انجام وہی رسم پرستی ہوگئی۔ یہ خرابی تو اس وقت ہے اور آگے چل کر یہ ہوتا ہے کہ اس جگہ کو آباد رکھنا مقصود بالذات ہو جاتا ہے اور کبھی خود اس جانشین اہل کو کبھی دوسروں کو اس کے بعد کے لئے کسی کو تجویز کرنے کی فکر ہوتی ہے، پھر کچھ بعد اہل و نااہل کی بھی تمیز نہیں رہتی اور مالی ترکہ کی طرح اس میں بھی میراث جاری ہونے لگتی ہے اور جگہ کو مقصود بنانے کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ اس کو ایسا محترم سمجھنے لگتے ہیں کہ اس جگہ بیٹھنے والے پر کوئی اعتراض و احتساب کرنے کو اس جگہ یا اس شیخ کی اہانت سمجھتے ہیں حالانکہ بیت اللہ سے بڑھ کر کوئی بقعہ نہیں مگر اس کے خدام پر بھی جبکہ وہ نااہل تھے حق تعالیٰ نے انکار فرمایا ہے **وما کانو ااولیاء ہ ان اولیاء ہ الا المتقون ولکن اکثرھم لا یعلمون**۔ اس لئے اسلم یہ ہے کہ اہل کو تربیت وارشاد کی اجازت دے دے خواہ اس کو کوئی نسبی تعلق بھی نہ ہو لیکن اپنی جگہ آباد کرنے کی فکر نہ کرے اسی طرح وہ اہل اپنے خلیفہ کے ساتھ معاملہ کرے **وھکذاالی ماشاء اللہ تعالیٰ**۔ اور جگہ کے اہلیت میں دخل نہ رکھنے کے باب میں کسی نے خوب کہا ہے۔

حسن زبصرہ، بلال ازحبش، صہیب ازروم — زخاکِ مکہ ابوجہل ایں چہ بوالعجبی ست

انتہیٰ بقدر الضرورت۔

الحمدللہ ہمارے سب بزرگوں کے یہاں یہی معمول رہا ہے کہ تربیت وارشاد کی اجازت دے دی پھر جہاں چاہیں رہ کر وہ خدمتِ دین کریں۔ حضرت میانجی نور محمد صاحبؒ لوہاری میں تھے۔ خلفاء حضرت حاجی صاحب، حضرت حافظ محمد ضامن صاحبؒ و حضرت مولانا شیخ محمد

صاحب تھانہ بھون رہے۔ اگر ان میں سے کسی صاحب کے ذہن میں بھی جگہ کی ایسی اہمیت ہوتی جیسی اب عام طور سے لوگوں میں معلوم ہو رہی ہے تو تھانہ بھون سے تین میل کا فاصلہ ایسا نہ تھا کہ کوئی صاحب وہاں قیام نہ کر سکتے۔ حضرت حاجی صاحبؒ ۱۸۵۷ء میں ہجرت کر کے تشریف لے گئے اور تھانہ بھون کو خالی چھوڑ گئے۔ ہمارے حضرتؒ تو اس وقت پیدا بھی نہ ہوئے تھے لیکن اگر حضرت حاجی صاحب کو یا خلفاء میں سے کسی صاحب کو خاص اس جگہ کے بھی آباد کرنے کی اہمیت ہوتی تو حضرت مولانا رشید احمد صاحب، حضرت مولانا محمد قاسم صاحب، حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب وغیرہ حضرات میں سے کوئی صاحب تھانہ بھون قیام فرماتے۔ ادھر حضرت مولانا شیخ محمد صاحب کے خلیفہ قاضی محمد اسمٰعیل صاحب نے ان کی جگہ قیام نہیں فرمایا بلکہ اپنے وطن منگلور رہے۔ حضرت مولانا رشید احمد صاحب کے خلفاء میں سے کسی صاحب نے ایسا نہیں کیا۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپور، حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب رائپور، حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندؒ اور حضرت مولانا صدیق احمد صاحب مالیر کوٹلہ یا انبھٹہ رہے۔ اور ایسے ہی ان حضرات کے اور دوسرے خلفاء

کس قدر حیرت کا مقام ہے کہ جو لوگ رسموں کو نیست و نابود کر کے دین کو پاک صاف بنا گئے آج ان کے سلسلہ کے لوگ اس رسم کے خیال میں مبتلا ہوں۔

غرض ایسا رسمی جانشین تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا کوئی نہیں بنایا گیا لیکن حضرتؒ کے فیوض آج بھی اسی طرح جاری ہیں اور حضرتؒ کے جانشینوں نے اپنے اپنے وطنوں میں بحمداللہ خانقاہیں جاری کر رکھی ہیں جن کے اسماء گرامی کی ایک فہرست ذیل میں دی جاتی ہے یہ وہ فہرست ہے جو حضرتؒ کے خلفاء ہمارے علم میں حضرت کی وفات کے وقت موجود تھے۔ اور ان کو بیعت و تلقین کی اجازت تھی۔ رہی خانقاہ اشرفیہ تو اس کے انتظامات درس قرآن، و عربی فارسی، تصنیف و تالیف، ذاکرین کے قیام کا انتظام سو وہ بحمداللہ آج بھی بحالہا موجود ہیں اور مولانا شبیر علی صاحب متولی و مہتمم خانقاہ کی زیر سرپرستی اسی طرح جاری ہیں۔ وقتِ مقدر پیش آنا تھا خانقاہ حضرتؒ کی ذات گرامی سے خالی ہوگئی جس کی تلافی کسی کے بھی امکان میں نہیں۔ باقی انتظامات سب بدستور اسی طرح ہیں، بحمداللہ کوئی فرق اس

وقت تک نہیں ہے۔ ہاں اس کا افسوس ضرور ہے کہ حضرت کے خدام نے کچھ تعلق قطع سا کرلیا ہے کہ آنے جانے والوں کی بہت زیادہ کمی ہوگئی ہے اور لوگوں کو بلانا ظاہر ہے کہ یہاں والوں کے بس کی بات نہیں، اگر سب خدام اپنا یہ طریقہ رکھیں کہ جب کاموں سے فراغت ہوتی یا چند روز فراغت کے نکال کر صرف اس خیال سے کہ خانقاہ میں رہ کر فراغِ قلب کے ساتھ کچھ روز اللہ کی یاد کرلیا کریں تو اس خانقاہ کی رونق بھی بحال رہتی اور ان حضرات کو خانقاہ کے برکات بھی حاصل ہوتے۔

لہٰذا یہ کام سب خدام کا ہے کہ اس کو سمجھیں اور خانقاہ میں ہر شخص فرصت کا وقت نکال کر آیا کرے وارد وصادر کے راحت وقیام کے انتظامات بحمداللہ اسی طرح موجود ہیں۔ و باللہ التوفیق۔

وہ فہرست حضرت کے خلفاء کی یہ ہے اور چونکہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء کی دو قسمیں تھیں ایک مجازین بالبیعت، دوسرے مجازین بالصحبت لہٰذا دونوں فہرستیں درج کی جاتی ہیں۔

فہرست مجازین

(نوٹ) یہ فہرست اشرف السوانح حصہ سوم اور اس کے شذرات کی اقساط دوم وسوم و چہارم و پنجم و ششم و ہفتم سے مرتب کی گئی ہے جن حضرات خلفاء کی حضرت رحمہ اللہ کی حیات میں وفات ہوگئی تھی یا جن حضرات کو حضرتؒ نے ممنوع الاجازت کردیا تھا اور ان کے اسماء مذکورہ اقساط شذرات میں خود شائع بھی فرمادیئے تھے ان کے نام اس فہرست میں لکھے ہی نہیں گئے۔ یہ فہرست ان حضرات خلفاء کی ہے جو حضرت کی وفات کے وقت حیات بھی تھے اور حضرتؒ کے مجاز بھی تھے۔ پھر اس فہرست میں سے جن حضرات کی وفات کا ہم کو علم ہوگیا ہے ان کے نام پر حاشیہ دے کر تاریخ وفات لکھ دی، اس فہرست کے علاوہ جو صاحب بھی دعویٰ حضرتؒ کے مجاز ہونے کا کریں وہ غلط ہے۔

فہرست مجازین بیعت

(۱) مولوی محمد عیسیٰ[۱] صاحب محی الدین پوری پروفیسر عربی۔ مکان نمبر ۲۹۸ محلہ محتشم گنج الہ آباد

---

[۱] افسوس ہے کہ ۲۵ ربیع الاول ۶۰ھ کو ان کی وفات ہوگئی۔ ۱۲

(۲) مولوی عبدالغنی صاحب مہتمم مدرسہ روضۃ العلوم پھولپور، ضلع اعظم گڑھ

(۳) حاجی شیر محمد صاحب گھوٹکی ضلع سکھر (سندھ)

(۴) مولوی افضل علی صاحب تھلواڑہ، ڈاکخانہ ٹکیلا ضلع بارہ بنکی۔

(۵) مولوی عبدالمجید صاحب بچھرایونی (پتہ ڈاک) ریواڑی ضلع گوڑگانوہ متصل زنانہ اسپتال

(۶) خواجہ عزیزالحسن[1] صاحب اسسٹنٹ انسپکٹر مدارس لکھنؤ

(۷) مولوی حبیب اللہ صاحب پرشین ٹیچر گورنمنٹ ہائی اسکول، اورئی ضلع جالون

(۸) مولوی واحد بخش صاحب مدرس اول خیر پورٹامیوالی مدرسہ عربیہ احمد پور شرقیہ ریاست بہاولپور

(۹) حاجی شمشاد علی صاحب کلانوری اشرف المطابع تھانہ بھون، ضلع مظفرنگر

(۱۰) محمد عبداللہ خاں صاحب بیرون امامی دروازہ ریاست بھوپال

(۱۱) سید فخرالدین شاہ صاحب گھوٹکی ضلع سکھر (سندھ)

(۱۲) مولوی صغیر محمد صاحب مدرسہ عزیزیہ مغلٹولی شہر کمرلہ بنگال

(۱۳) مولوی عبدالحمید صاحب وزیرستان شالی مقام ہرمز ڈاکخانہ عیدک ضلع ڈور

(۱۴) مولوی اطہر علی صاحب حویلی بارہ آنی ہیبت نگر ڈاکخانہ کشورگنج ضلع میمن سنگھ

(۱۵) مولوی عبدالوہاب صاحب ڈاکخانہ ہاٹ ہزاری موضع روح اللہ پور ضلع چاٹگام

(۱۶) ابوالبرکات صاحب مسجد محلہ نالہ ضلع سلطان پور (عوام کے لئے)

(۱۷) مولوی نذیر احمد صاحب نیسنگ، ضلع کرنال

(۱۸) مولوی[2] رفیع الدین صاحب محلہ سبزی منڈی متصل مسجد سوداگر، الہ آباد

(۱۹) مولوی عبدالسلام صاحب موضع زیارت کاکا صاحب مسجد کلاں، تحصیل نوشہرہ، ضلع پشاور

(۲۰) مولوی محمد موسیٰ صاحب مدرس حرم نبوی باب النساء مدینہ منورہ (مہاجر مدنی)

(۲۱) مولوی محمد سعید صاحب مقام کیرنور، تعلقہ پلنی ضلع مدھرا، ملک مدراس

---

[1] نہایت افسوس ہے کہ خاتمۃ السوانح ابھی شائع بھی نہ ہوسکا تھا۔ مسودہ تیار ہوگیا تھا، صاف کیا جارہا تھا، بعد صفائی حضرت خواجہ صاحب کی نظر ثانی باقی تھی کہ ۲۷ رشعبان ۶۳ھ کو خواجہ صاحب اپنے وطن اورئی ضلع جالون میں اس دار فانی کو الوداع کہا اور ملاء اعلیٰ میں پہنچ کر اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوگئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون ۱۲ شبیر علی

[2] افسوس ہے کہ ۱۴ ر جمادی الثانیہ ۶۳ھ کو بعد مغرب مولوی صاحب کا بمقام الہ آباد وصال ہوگیا ۱۲

(۲۲) مولوی نذیر احمد صاحب (دیگر) متوطن کیرانہ ضلع مظفر نگر، متصل مسجد قصاباں، مقیم حال خانجہاں پور، ڈاکخانہ کھتولی، ضلع مظفر نگر

(۲۳) مولوی مقصود اللہ صاحب مدرسہ امدادیہ، خانقاہ اشرفیہ موضع تلگا سیہ ڈاکخانہ اورابونیہ ضلع بریسال

(۲۴) مولوی وصی اللہ صاحب ڈاکخانہ ندوا سرائے موضع فتحپور تال نرجا ضلع اعظم گڑھ

(۲۵) مولوی محمد حسن صاحب مدرس اول مدرسہ نعمانیہ امرتسر۔

(۲۶) مولوی سراج احمد خاں صاحب امروہی محلہ چلہ امروہہ ضلع مراد آباد

(۲۷) مولوی ممتاز احمد صاحب ڈاکخانہ باراچٹی موضع سونڈھیا گیا۔

(۲۸) منشی حقداد خاں صاحب پنشن یافتہ محلہ مولوی گنج شہر لکھنؤ

(۲۹) مولوی عبدالجبار صاحب موضع ڈربی ڈاکخانہ سوچان ضلع حصار، مقیم حال ابوہر منڈی ضلع فیروز پور

(۳۰) مولوی ولی احمد صاحب، قصبہ برہان ضلع کیمل پور حال مدرس مدرسہ قادریہ حسن پور ضلع مراد آباد

(۳۱) مولوی خیر محمد صاحب ناظم مدرسہ خیر المدارس شہر جالندھر

(۳۲) مولوی عبدالرحمٰن صاحب کاملپوری مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

(۳۳) مولوی محمد طیب صاحب مہتمم مدرسہ دارالعلوم دیوبند

(۳۴) مولوی محمد شفیع صاحب دارالاشاعت دیوبند ضلع سہارنپور

(۳۵) مولوی محمد نبیہ صاحب ٹانڈہ بادلی ضلع مراد آباد

(۳۶) مولوی محمد صابر صاحب محلہ گھیر مناف امروہہ ضلع مراد آباد

(۳۷) نواب احمد علی خاں صاحب محلہ قلعہ نواباں سہارنپور

(۳۸) حکیم کرم حسین[۱] صاحب سیتاپور (اودھ)

(۳۹) مولوی عبدالرحمٰن صاحب مئوائمہ ضلع الہ آباد

(۴۰) حاجی محمد عثمان خاں صاحب تاجر کتب کتب خانہ اشرفیہ متصل جامع مسجد، دہلی

(۴۱) ماسٹر قبول احمد صاحب اسسٹنٹ ماسٹر گورنمنٹ ہائی اسکول سیتاپور

(۴۲) مولوی جلیل احمد صاحب سرائے حکیم علی گڑھ (حال مقیم خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون ضلع مظفر نگر)

---

[۱] افسوس ہے کہ ۱۰ ذی الحجہ ۶۳ھ کو ان کی وفات ہوگئی۔ ۱۲

(۴۳) شہاب الدین صاحب خیاط کٹھور، ضلع میرٹھ

(۴۴) مولوی مسیح اللہ خان صاحب مدرس مدرسہ عربی جلال آباد ضلع مظفر نگر

(۴۵) مولوی مرتضیٰ حسن صاحب چاند پور، ضلع بجنورہ

(۴۶) حکیم عبدالخالق[1] صاحب ساکن ٹانڈہ، ڈاکخانہ اڑمڑ ضلع ہوشیار پور پنجاب مقیم حال امرتسر چوک فرید

(۴۷) ماسٹر ثامن علی صاحب سندیلوی گورنمنٹ ہائی اسکول للت پور ضلع جھانسی

(۴۸) حافظ عنایت علی صاحب امام مسجد باجڑاں لدھیانہ (للعوام)

(۴۹) مولوی ولی محمد صاحب گورداسپوری بٹالہ ضلع گورداسپور

(۵۰) مولوی نور بخش صاحب (نواکھالی مدرسہ صوفیہ پوست بھیر دار ہانٹ ضلع چاٹگام)

(۵۱) مولوی عبدالودود صاحب آخون زادہ مقام دوبیاں پوسٹ کالوخاں ضلع پشاور

(۵۲) مولوی اسعد اللہ صاحب رامپوری مدرس مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

(۵۳) مولوی حکیم الٰہی بخش صاحب اعوان محلہ ہزاری دروازہ شہر شکارپور ضلع سکھر، ملک سندھ

(۵۴) ماسٹر محمد شریف صاحب مدرس ڈسٹرکٹ بورڈ اسکول میانی افغانان ضلع ہوشیار پور (پنجاب)

(۵۵) ماسٹر شیر محمد صاحب مدرس مڈل اسکول میانی افغانان ضلع ہوشیار پور

(۵۶) حافظ ولی محمد صاحب قنوج ضلع فرخ آباد محلہ کاغذیان

(۵۷) مولوی کفایت اللہ صاحب مدرس مدرسہ سعیدیہ مہمند ہدف شاہجہانپور

(۵۸) مولوی حامد حسن صاحب امروہی صدر بازار میرٹھ

(۵۹) حکیم فضل اللہ صاحب شکارپور سندھ

(۶۰) بابو عبدالعزیز صاحب ریٹائرڈ شیڈ کلرک متصل مسجد ملک لال خان گوجرانوالہ

(۶۱) مولوی رسول خاں صاحب مدرس اورینٹل کالج لاہور، متوطن ضلع ہزارہ، تحصیل مانسہرہ، ڈاکخانہ شیکناری مقام اچھڑیاں

(۶۲) مولوی محمد اللہ صاحب نواکھالوی مدرس مدرسہ اشرف العلوم بڑا کٹرہ ڈھاکہ

(۶۳) حکیم مولوی عبدالحق خاں صاحب ساکن کورٹ ضلع فتح پور ہسوہ

(۶۴) حکیم خلیل احمد صاحب کھالہ پار، محلہ پل خران، سہارنپور

---

[1] افسوس ہے کہ ۸ر فروری ۴۵ء کو ان کی بھی وفات ہوگئی۔ ۱۲

(۶۵) محمود الغنی صاحب سہارنپور، ترپ بازار شفاخانہ رحمانی، حیدرآباد دکن

(۶۶) منشی عبدالحئی صاحب سابق وکیل وحال ہومیو پیتھک ڈاکٹر جونپور

(۶۷) مولانا سید سلیمان صاحب دار المصنفین اعظم گڑھ

(۶۸) مولانا عبدالباری صاحب جامعہ عثمانیہ لالہ گوڑا حیدرآباد دکن

(۶۹) مولوی ابرار الحق صاحب مدرسہ اسلامیہ ہردوئی

(۷۰) مولوی فقیر محمد صاحب معرفت حاجی محمد شریف صاحب صحاف دوکاندار موضع تو تی قوم مہمندیہ سرحد

مجازین صحبت

(۱) سعید احمد خاں صاحب برہرہ ڈاکخانہ بلرام ضلع ایٹہ

(۲) حافظ علی نظر بیگ صاحب مغلپورہ کہنہ مرادآباد

(۳) شیخ محمد حسن صاحب انوار بک ڈپو، لکھنؤ

(۴) مولوی محمود الحق صاحب وکیل، ہردوئی

(۵) منشی عبدالولی صاحب نائب ناظم ریاست کپورتھلہ، بہرائچ اودھ

(۶) شیخ محمد عبدالکریم صاحب پینشنر سیشن جج کراچی

(۷) محمد جلیل صاحب سب جج سہارنپور

(۸) مولوی انوار الحسن صاحب آنریری مجسٹریٹ کاکوری ضلع لکھنؤ

(۹) منشی علی شاکر صاحب قانون گوے گولا ضلع کھیری لکھیم پور

(۱۰) محمد نجم احسن صاحب، وکیل، پرتاب گڑھ

(۱۱) مولوی منفعت علی صاحب، وکیل، سہارنپور

(۱۲) منشی علی سجاد صاحب ڈپٹی کلکٹر، جونپور، حال مقیم تھانہ بھون ضلع مظفر نگر

(۱۳) مظہر احد صاحب ماسٹر محلہ فتح گڑھ، بھوپال

(۱۴) حافظ محمد طٰہٰ صاحب کورٹ انسپکٹر گورکھپور

(۱۵) خواجہ محمد صادق صاحب شال مرچنٹ کٹرہ مہاں سنگھ امرتسر

(۱۶) منشی عبدالصبور صاحب نائب منشی حصہ اول ڈویژن دفتر نہر سارده شاہجہانپور

(۱۷) بخشش احمد صاحب مدرسہ سعیدیہ قاضی پور خرد گورکھپور

(۱۸) حافظ لقاء اللہ صاحب پانی پتی مقیم حال حیدرآباد دکن

(۱۹) مولوی ظہور الحسن صاحب مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

(۲۰) مولوی اشفاق الرحمٰن صاحب، کاندھلوی مدرس مدرسہ فتح پوری دہلی

(۲۱) مولوی سلطان محمود صاحب مدرس اول فتحپوری دہلی

(۲۲) حافظ محمد اسمٰعیل صاحب ولد حاجی جیون بخش صاحب محلہ بلیماران حویلی حسام الدین حیدر دہلی

(۲۳) منشی محمد یعقوب صاحب کلالوری انگلش کلرک سررشتہ تعلیم رہتک

(۲۴) مولوی عبدالصمد صاحب بنارسی مدرس کرنیل گنج، کانپور

(۲۵) مولوی حمید حسن صاحب دیوبندی مفتی ریاست مالیرکوٹلہ

(۲۶) مولوی ریاض الحسن صاحب امام جامع مسجد باغپت ضلع میرٹھ

(۲۷) حکیم محمد سعید صاحب گنگوہی، سرائے پیرزادگان محلہ چوک گنگوہ ضلع سہارنپور

(۲۸) منشی عبدالحمید صاحب تحصیلدار، پینشنر محلہ مقبول گنج لکھنؤ

(۲۹) عبدالغفور صاحب ٹھیکدار اشرف منزل جودھپور ہالی روڈ

(۳۰) حکیم فیاض علی صاحب مقیم نصر اللہ گنج گورنمنٹ بھوپال

(۳۱) مولوی محمود داؤد یوسف محلہ تائی واڑہ، راندیر ضلع سورت

(۳۲) میر امام الدین صاحب محاسب صدارت العالیہ مکان نمبر ۱۸۹ جدید ملک پٹیہ حیدرآباد دکن

(۳۳) مولوی عبدالمجید صاحب مدرس مدرسہ ناصر العلوم گھوسی ضلع اعظم گڑھ، محلہ پور

(۳۴) مولوی محمد میاں صاحب نبیرہ، مولانا محمد حسین صاحب دائرہ شاہ حجۃ اللہ، الہ آباد

(۳۵) مولوی محمد یوسف صاحب بنوری مجلس علمی ڈابھیل ضلع سورت

(۳۶) علی ساجد صاحب ڈاکٹر ہاشمی ہومیوپیتھک مولوی گنج لکھنؤ

(۳۷) مولوی سعید احمد صاحب لکھنوی صدر مدرس مدرسہ تکمیل العلوم احاطہ کمال خان کانپور

(۳۸) سید مولوی عبدالکریم صاحب بمقام طوطہ کان ڈاکخانہ بٹ خیل مالاکنڈ ایجنسی براستہ مردان صوبہ سرحد

(۳۹) شیخ عبدالغفار صاحب رئیس گھوسی ضلع اعظم گڑھ

(۴۰) مولوی محمد نعیم صاحب بخاری ضلع بخشاں، قصبہ ترگنی، ملک کابل

(۴۱) مولوی سخاوت حسین صاحب مقام گوبائی پور، ڈاکخانہ سونگڑہ، ضلع کٹک (ملک) اڑیسہ

(۴۲) منشی عرفان احمد صاحب کلرک ڈاکخانہ تارگھر، سہارنپور

(۴۳) عزیز الرحمٰن صاحب نبیرہ مولوی عبدالاحد صاحب مرحوم خلیق منزل گلی چوڑی والان، دہلی

(۴۴) شفیق احمد صاحب گنگوہی مدرس مدرسہ سلیمانیہ ہوا محل بھوپال

(۴۵) شاہ محمد صاحب طوطہ کان، ڈاکخانہ بٹ خیل، مالاکنڈ ایجنسی، صوبہ سرحد ضلع مردان

(۴۶) خواجہ وحید اللہ صاحب پنشنر تارگھر، سرکاری گڑھ باران ریاست کوٹہ راجپوتانہ

(۴۷) مولوی عبدالکریم صاحب گمتھلوی مدرسہ حقانیہ شاہ آباد، ضلع کرنال

(۴۸) سید حسن صاحب ڈپٹی کلکٹر پنشنر سیدواڑہ نگرام ضلع لکھنؤ

(۴۹) مولوی سید حسن صاحب مدرس دارالعلوم دیوبند

(۵۰) مولوی مسعود علی صاحب شبلی منزل اعظم گڑھ

(۵۱) مولوی حکیم عبدالرشید محمود صاحب انصاری، گنگوہ ضلع سہارنپور سرائے
پیرزادگان نبیرہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ

(۵۲) مولوی حکیم محمد مسعود صاحب گنگوہی بہ حکیم اجمیری، بمبئی محلہ کھڑک

(۵۳) ماسٹر منظور احمد صاحب تحصیلی اسکول روڑکی، ضلع سہارنپور

(۵۴) حکیم بہاؤ الدین صاحب ہردوئی محلہ بورڈنگ ہوس

(۵۵) ظفر احمد صاحب تھانوی، ملازم ریکٹ ہاؤس مجگاؤں، بمبئی

(۵۶) مولوی عبدالغنی صاحب، رسولوی، ضلع بارہ بنکی، مدرس جامع العلوم کانپور

(۵۷) انوار احمد صاحب وکیل ڈاکخانہ قدم کنواں پٹنہ

(۵۸) قریشی شفیع محمد صاحب ہیڈ ماسٹر ہائی اسکول، ٹنڈھ باگو ضلع حیدرآباد سندھ

(۵۹) شاہ محمد حلیم صاحب فیض اللہ پور، ڈاکخانہ محمد پور، ضلع اعظم گڑھ (تمام شد فہرست مجازین)

عرض حال۔ یا دِل کے آنسو

آج دل سے ضبط غم کا حوصلہ جاتا رہا
آج دل ہم سے گیا گزرا ہوا جاتا رہا

الفراق اے فرصتِ عشق و محبت الفراق
وہ اُمنگیں مٹ گئیں ، وہ ولولہ جاتا رہا

الوداع اے آرزوئے چشم الفت الوداع
وہ طبیعت مر گئی وہ حوصلہ جاتا رہا

آج تا حد نظر خوش رنگ منظر ہیں تو ہوں
جس سے دلچسپی تھی وہ رنگ فضا جاتا رہا

آج سو سامان عشرت جلوہ گستر ہیں تو ہوں
اک خوشی تھی چل بسی، ایک لطف تھا جاتا رہا

عالم حسرت ہے، کیا مسرور ہوں کیا شاد ہوں
جو بنائے شوق تھا وہ سلسلہ جاتا رہا

وحشت دل سے نہ گھبراؤں تو آخر کیا کروں
جس سے لطف زیست تھا وہ مشغلہ جاتا رہا

ایک خوش وقتی کی صورت کیا مٹی دل مر گیا
ایک دل کیا مر گیا ہر حوصلہ جاتا رہا

کام کیا بگڑا کہ جانِ زار صرف یاس ہے
آس کیا ٹوٹی کہ جینے کا مزا جاتا رہا

یا نشاطِ وصل تھی سو عیش تھے سو لطف تھے
یا باستثنائے حسرت ہر مزا جاتا رہا

ننگ خدام اشرفی احقر محمد شبیر علی خادم خانقاہ امدادیہ اشرفیہ بخدمت برادران طریقت عرض پرداز ہے کہ قبلہ و کعبہ سیدی وسندی حضرت حکیم الامۃ مجدد الملۃ مولانا محمد اشرف علی صاحب قدس اللہ سرہ کی وفات حسرت آیات سارے ہی خدام کے لئے باعث ہزار حسرت تھی کہ ان کا طریقت کا مربی، شریعت کا معلم، ہادی جس کی آج دنیا میں ہمارے علم میں کوئی نظیر نہیں ، دنیا سے اٹھ گیا۔ مگر میرے لئے وہ ذات گرامی علاوہ ان مذکورہ صفات کے سرپرست ظاہر بھی تھی۔ میری عمر کا زیادہ حصہ حضرتؒ کی جوتیوں میں ہی بسر ہوا۔ اور حضرتؒ نے اپنے بھائی اور میرے والد ماجد منشی اکبر علی صاحب مرحوم سے جو یہ فرما کر مجھے لیا تھا کہ میرے کوئی اولاد نہیں ہے لہٰذا شبیر کو مجھے دے دو، میں اس کو اپنی اولاد کر کے رکھوں گا۔ بس میں یہی عرض کر سکتا ہوں کہ اگر حضرتؒ کے صلبی اولاد ہوتی تو شاید اتنے ناز حضرتؒ ان کے کبھی نہ اٹھاتے جتنے اس خادم کے اٹھائے ہیں اور حقیقت ہے کہ حضرتؒ کی شفقتوں کے سامنے میں اپنے والدین کی شفقتوں کو بھی بھول گیا اور خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ آخر وقت تک

حضرتؒ ہی کی جوتیوں میں میری عمر گزری لہٰذا میرا تو ظاہری اور باطنی ہر دو قسم کا مربی دنیا سے رخصت ہو گیا۔ اس لئے آج غم بھی مجھے دہرا ہے۔ ع للناس هم ولي اليوم همان۔

غرض ایک وہ دن تھے کہ حضرتؒ کی سرپرستی میں زندگی گزار رہا تھا اور افسوس صد افسوس کہ آج خاتمۃ السوانح پر نظر ثانی کی خدمت انجام دے رہا ہوں۔ حضرتؒ کی سوانح حضرتؒ کی حیات میں حضرتؒ کے خلیفہ مخدومی مکرمی جناب حاجی خواجہ عزیز الحسن صاحب غوری نے مکمل کر دی تھی۔ اب اس غم نامہ کی تکمیل کے لئے بھی جناب خواجہ صاحب سے ہی عرض کیا گیا چنانچہ جناب خواجہ صاحب نے اس آخری خدمت کو بھی بصد رنج و غم بھی اور بصد ذوق و شوق بھی انجام دیا۔ مگر کچھ ایسے واقعات اور حالات پیش آتے چلے گئے کہ باوجود کوشش کے اس کی تکمیل میں دیر ہی ہوتی چلی گئی جو حضرات جناب خواجہ صاحب سے واقف ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ ان کے ہر کام میں جذب کا رنگ غالب رہتا تھا۔ چنانچہ اس میں بھی وہی کارفرما رہا۔ اور اول تو مسودہ ہی مکمل نہ ہو سکا اور جب اس کی کچھ تکمیل ہوئی تو وہ اس قابل نہ رہا کہ اس پر کوئی نظر ثانی کر سکے یا کاتب ہی اس سے لکھ سکے۔ لہٰذا اس کو صاف کرنے کو دیا گیا۔

جولائی ۴۴ء کے شروع میں خواجہ صاحب خانقاہ میں تشریف لائے۔ مسودہ کی صفائی ہو رہی تھی مگر مکمل نہ ہو سکی تھی لہٰذا یہ طے پا گیا کہ بعد تکمیل مبیضہ اور مسودہ دونوں خواجہ صاحب کی خدمت میں روانہ کر دیئے جاویں تاکہ وہ نظر ثانی فرمالیں۔ ۱۶ر جولائی ۴۴ء کو خواجہ صاحب مع دیگر احباب کے جالندھر اور امرتسر کے سفر کے لئے خانقاہ سے روانہ ہوئے تاکہ وہاں اپنے پنجابی پیر بھائیوں سے ملاقات فرماویں۔ خصوصاً مولانا خیر محمد صاحب اور مولانا محمد حسن صاحب دام ظلہم سے۔ کس کو خبر تھی کہ حضرتؒ کا یہ سچا عاشق اس دفعہ خانقاہ سے آخری مرتبہ رخصت ہو رہا ہے۔ حضرتؒ کی وفات کے بعد سے خواجہ صاحب کا کیا حال تھا اس کو دیکھنے والوں نے دیکھا ہے۔ الفاظ میں اس کو بس اس طرح تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

بیاد یار و دیار آنچناں بگریم زار — کہ از جہاں رہ و رسم سفر براندازم
من از دیار حبیبم نہ از بلاد رقیب — مہیمنا برفیقاں خود رساں بازم

خواجہ صاحب تھے اور شوق لقاء محبوب میں دربدر کو بکو پھرتے تھے، محبوب کا پیام یعنی حضرت

رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات جوان کواز بر یاد تھے ہر شخص کو سناتے پھرتے تھے۔ بقول ان ہی کے ؎

آشنا بیٹھا ہو یا نا آشنا ہم کو مطلب اپنے سوز و ساز سے

حضرتؒ کی وفات کے بعد خواجہ صاحب کو کہیں قرار نہ تھا۔ آج تھانہ بھون ہیں تو کل لکھنؤ ہیں اور پھر اعظم گڑھ ہیں تو معلوم ہوا کہ سیتا پور پہنچ گئے۔ غرض ؎ چونکہ گل رفت و گلستاں شد خراب + بوئے گل راز کہ جوئیم از گلاب + پر پورا عمل تھا کہ حضرتؒ کے بعد حضرت کے خلفاء اور خدام خاص کے پاس جا جا کر غم کو ہلکا کرتے پھرتے تھے۔ اسی سلسلہ میں یہ سفر پنجاب میں اختیار فرمایا تھا۔

۱۹/ جولائی ۴۴ء کو امرتسر میں بخار ہوا۔ اور سینہ میں درد ہوا۔ اول یونانی پھر ڈاکٹری علاج شروع ہوا۔ نمونیہ تجویز ہوا۔ ضعف کی کوئی انتہا نہ رہی خدا خدا کر کے کچھ افاقہ شروع ہوا۔ حضرت مولانا محمد حسن صاحب امرتسری نے حق تیمار داری ادا کر دیا۔ غرض مرض میں اور ضعف میں تخفیف ہوئی، افاقہ کلی نہ ہوا تھا کہ ۵/ اگست ۴۴ء کو خواجہ صاحب نے وطن کی واپسی کا قصد فرمایا۔ مولانا محمد حسن صاحب نے اپنے بھتیجے مولوی محمد عرفان صاحب کو ہمراہ کر دیا کہ راستہ میں کوئی تکلیف نہ ہو چنانچہ ۸/ اگست ۴۴ء کو خواجہ صاحب اپنے وطن اوریٔ پہنچ گئے۔ وہاں پہنچ کر کچھ تو راستہ کا تکان کچھ مرض کا بقیہ پہلے سے موجود تھا ہی۔ اوریٔ پہنچ کر بخار بھی عود کر آیا اور سینہ کا درد بھی۔ وہاں بھی علاج ہوتا رہا۔ آخر ۱۷/ اگست ۴۴ء کو صبح ۸ بجے یہ چہکتا ہوا بلبل چمنستانِ اشرفی اور خسرو اشرفی اس دارِ فانی سے رخصت ہو کر اپنے محبوب شیخ سے جا ملا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ آج خاتمۃ السوانح پر نظر ثانی کے ساتھ خوجہ صاحب کے حالات مرض و وفات کو بھی اس کا تتمہ بصد حسرت و یاس بنا رہا ہوں۔ خواجہ صاحب نے اپنے تمام حالات طفلی و جوانی کے اور حضرتؒ سے فیوض حاصل کرنے کے نسب و خاندان وغیرہ غرض اپنے کل حالات بھی اشرف السوانح میں ضمناً مفصل لکھ دیئے ہیں اسی لئے ان کے دہرانے کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ اشرف السوانح کا مطالعہ کرنے والا شیخ و مرید دونوں کے حالات یکجا دیکھ لے گا۔ تو خاتمۃ السوانح کی ساتھ ہی خواجہ صاحب کی وفات کے حالات بھی معلوم کر لے گا۔

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ بعد تکمیل مبیضہ اس کو نظر ثانی کے لئے خواجہ صاحب کی خدمت میں روانہ کرنے کا قصد تھا مگر وقت موعود نے اس کی مہلت ہی نہ دی آخر مجبوراً مبیضہ کے تیار ہونے پر میں نے نظر ثانی کے لئے جناب مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی کے اس کو سپرد کر دیا۔ مفتی صاحب نے اس کو حرفاً حرفاً ملاحظہ فرمایا۔ مفتی صاحب کی نظر اصلاحی کے بعد احقر نے نہایت غور سے حرفاً حرفاً اس کو دیکھا اور بحمد اللہ واقعات و حالات کو بالکل درست اور صحیح طور پر نہایت احتیاط سے درج پایا۔ اللہ تعالیٰ حضرت صاحب سوانح کے طفیل میں ہم سب کو بھی حسنِ خاتمہ نصیب فرمائے۔ ویرحم اللہ عبداً قال آمینا۔

خستہ جگر احقر شبیر علی عفی عنہ خادم خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون ضلع مظفر نگر ۷ محرم ۶۴ھ

جناب خواجہ صاحب کی وفات پر میرے برادرِ محترم جناب قاضی محمد مکرم صاحب پنشنر تحصیلدار ریاست بھوپال نے دو قطعہ تاریخ لکھے ہیں اور ایک مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی نے تحریر فرمایا ہے جن کو ذیل میں درج کرتا ہوں۔

قطعہ تاریخی بر وفات حسرت آیات
جناب خوجہ عزیز الحسن صاحب غوریؒ

(از قاضی محمد مکرم صاحب مائل تھانوی)

آں عزیزیکہ حسن نامند و خواجش خوانند	رخت زیں سوئے کشیدہ بد یارِ محبوب
آہ از دردِ جدائی و غمِ فرقتِ او	اختیار یکہ بدل بود ہمہ شد مسلوب
آں چناں گم نہ شدہ یوسف مصرم یاراں	کش تدارک بتواں کرد باشکِ یعقوب
انچہ پیش آمدہ پیش آمدہ بگذشت و گذشت	شکر داؤد بدست آرم و صبر ایوب
مرگ ماناست بداروئے کہ تلخ ست و مفید	ناگوارا بہ تکلف بہ حقیقت مرغوب
خود توئی پردہ حائل برخ حسن ازل	بگذر از خویش کہ ایں جلوہ نماند محجوب
فرخ آں اہر دِ منزل مقصود کہ او	سفر خویش بسر پردہ بحسن اسلوب
شاد آں بندہ کہ اور اطلبد صاحب او	خرم آں طالب فرخندہ کہ گردد مطلوب

رفتہ مجذوب بہ فردوس برین و مائل ‏ ‏ باہم آمیختہ فردوس برین و مجذوب

۷۱۲ ‏ ‏ ۱۵۷ (۱۳۶۳ھ)

ولہ ایضاً

خواجہ حسن ہم پیوستہ باحق ‏ ‏ رضوان ربی مبذول حالش

آں دُرِّ یکتا از سلکِ اشرف ‏ ‏ نیساں نبا روزیں پس مثالش

اللہ اللہ مجذوب خوش گو ‏ ‏ زور کلام و لطف مقالش

رفت او زبزم ولیکن نہ رفتہ ‏ ‏ از قلبِ یاراں حزن و ملالش

ہر دل پریشاں از رحلتِ او ‏ ‏ ہر دیدہ گریاں برانتقالش

مبذول حالش رضوان ربی ‏ ‏ مجذوب الاشرف سال و صالش

(۱۳۶۳ھ)

قطعہ تاریخ وفات مخدومی

حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب غوری نوراللہ مرقدہ

از بندہ خستہ مہجور محمد شفیع دیوبندی غفرلہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مارا سرے بگلشنِ و سیر چمن نماند ‏ ‏ دردل ہوائے گلبن و سرسمن نماند

فریاد زیں خزاں کہ بہ بستانِ مارسید ‏ ‏ بودر گلے و برگِ گلے در چمن نماند

صبر از دلم رسیدہ و دل از من حزیں ‏ ‏ گفتار درزبان و زباں در دہن نماند

فریادی ای کریم زغم ہائے پے بہ پے ‏ ‏ درجانِ خستہ طاقت رنج و محن نماند

دانی کہ زخم فرقت اشرف راچہ کرد ‏ ‏ زخم دگر رسید و سرجان و تن نماند

یارب بخواب می شنوم یا حقیقت است ‏ ‏ ایں ناشنید نی کہ عزیز الحسن نماند

آں یادگار اشرف باہم زمابرفت ‏ ‏ گم کردہ ایم یوسف وہم پیرہن نماند

زیں زخمہائے تازہ کہ برزخمہا رسید ‏ ‏ اشکے بچشم و قطرۂ خون دربدن نماند

جز نالہائے نیم شب وگریۂ سحر ہیچم انیس وحشت بیت الحزن نماند
جز یاس وحسرت وغم وآہ وبکا مگر چیزے بخانقاہ و بہ تھانہ بھون نماند
ہر روز بریگانہ اشرف چوسال بود بعدش فزوں زسال دم زیستن نماند

ایام[1] سال (۳۶۰) فرقت اشرف فزودہ گو
سال وفات خواجہ عزیز الحسن نماند

۱۰۰۳
۳۶۰ = ۱۳۶۳ھ

اب آگے حضرتؒ کی وفات پر خدام بارگاہ اشرفی نے جو قطعات تاریخیہ اور نظمیں تحریر فرمائی ہیں وہ درج کی جاتی ہیں۔

---

[1] حضرت اقدس نور اللہ مرقدہ کی وفات ۱۶/ رجب ۶۲ھ میں ہوئی اور خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ۲۷/ شعبان ۶۳ھ میں تقریباً ایک ہی سال کا فاصلہ درمیان میں رہا۔ ایک سال کے تین سو ساٹھ دن کا عدد شامل کرکے خواجہ عزیز الحسن نماند مادہ تاریخ ہو جاتا ہے ۱۲ منہ

منظومات تاریخیہ وغیر تاریخیہ

(عربی، فارسی، اردو)

بروفات حسرت ایات مجدد الملة حکیم الامة قطب العالم

حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب قدس سرہ العزیز تھانوی

قطعہ تاریخ عربی از جناب مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی

شمل[1] الهدیٰ والدین عم شتاته — والدهر ساء واقلعت حسناته
دین و ہدایت کا شیرازہ بالکل پراندہ ہوگیا — زمانہ بدحال ہوگیا اور اسکی نیکیاں بیخ و بن سے غائب ہوگئیں

افلت نجوم للهدی و شموسه — والجهل شاع واحد نت ظلماته
ہدایت کے آفتاب و کواکب غروب ہوگئے — جہل عام اور اس کی تاریکیاں محیط ہوگئیں

لم یبق منها الیوم الا ارسم — درس تدور لمحوها نکباته
آج ان کے صرف مٹے مٹے نشان رہ گئے — جن کے محو کرنے کیلئے حوادث کا دور ہو رہا ہے

والخطب طم ولا نزال کما ترای — تبقی الی امد المدی حسراته
اور مصیبت اور بھی سخت ہوگئی اور جیسے کہ تم دیکھ رہے ہو (قطعہ) ہمیشہ کیلئے اس کی حسرتیں باقی رہیں گی

بوفات[2] ا شرفهم مجددوقته — ظهرت علی افق العلی اٰیاته
بہ سبب وفات اشرف زمانہ، مجدد وقت کے — جن کی کرامتیں افق مراتب عالیہ پر ظاہر ہیں

لحمایة الدین القویم قیامه — تشید ارکان الهدی مسعاته
جن کا مشغلہ دین مستقیم کی حمایت تھا — جن کی کوشش ارکان ہدایت کو مستحکم کرنا تھی

فی ذُروة الشرف البشریف محله — فی صفة الفقراء بعد بیاته
شرف علی کے منتہا پر جن کا مقام تھا — اور اب تک جماعت فقراء میں جن کی شب گزاری تھی

فکر المعاد مقیله و سیته — ذکر الاله مساءه وغداته
فکر معاد جن کا دن اور رات تھا — ذکر الٰہی جن کی شام و صبح تھی

---

[1] ہذا البیت مولانا حبیب الرحمٰن العثمانی الدیوبندی ضمنتہ ابیاتی ۱۲ محمد شفیع [2] متعلق بطم ۱۲ منہ

اسفاً علی عهد الحمیٰ وعهاده
افسوس ہے زمانہ حمی اور اس کی بہار پر
اوهل تعود لمدنفٍ نسماته
اور کیا پھر بھی مریض عشق کیلئے وہ فیوض عود کریں گی

اسفا علی عهدی بحضرة اشرف
کو میض برق انقصت ساعاته
(شرف بطیب کلامه ساعاته)
بارگاہ اشرفیہ کی مجلس پر افسوس ہے
جس کی گھڑیاں آپ کے پاکیزہ کلام سے معطر تھیں

لوکان قذراف الدموع لفائتٍ
اگر کسی جانے والے پر آنسو بہانا
تجدی لساهل النفس لادمعاته
نتیجہ خیز ہوتا تو آنسو نہیں روح بہہ نکلتی

وکذ الزمان تدیر فی ابنائه
اور زمانہ کے حوادث ابنائے زمان میں
کاس المنایا والبلاء بناته[1]
اسی طرح جامِ مرگ کا دور جاری رکھتے ہیں

لاترکنن الی زهاه و زهره
تم زمانہ کی ظاہری رونق اور پھولوں کی طرف ہرگز التفات نہ کرنا
بشع المذاقة مرة ثمراته
اسکے ثمرات بڑے بد ذائقہ اور تلخ ہیں

دِمن الخبائث والاذی خضراته
اس کی سبزیاں خباثتوں اور نجاستوں کی کوڑیاں ہیں
مغشوشه مسمومة لذاته
اسکی لذتیں کھوٹی اور زہر آلود ہیں

ونعو ا باشرف قیل کلالم یمت
لوگوں نے خبر وفات اشرف العلماء، سنائی تو کہہ دیا گیا کہ نہیں وفات نہیں فرمائی
هذی تلوح علی الزمان صفحاته
ان کے کارنامے زمانہ پر نقش واضح ہیں

مامات من ابقی الخلیفة بعده
وہ شخص مرتا نہیں جو اپنے بعد اپنی یادگار
روضا اریضا تجتنیٰ ثمراته
ایک شاداب چمن چھوڑ جائے جسکے ثمرات کا فیض لیا جاتا ہے

مامات من ابقی الخلائف بعده
وہ شخص مرتا نہیں جو اپنے بعد اپنے ایسے قائم مقام چھوڑ جائے
تبقی بهم آثاره و سماته
جنکی وجہ سے اسکی صفات اور خصوصیات باقی رہتی ہوں

مامات من ابقی کالف مصنف
وہ وفات نہیں کرتا جو قریب ایک ہزار کے تصانیف چھوڑے
تزهو علی افق العلی صفحاته
جن کے صفحات افق معالی پر روشن ہیں

فی الحی والقیوم قام مشتوا
چونکہ حی وقوم کے دین کی کوشش میں انہماک رہا ہے
خلدت الی خلدالزمان حیاته
تو بقائے زمانہ تک ان کی حیاۃ کا بقا ہے

کرمٌ[2] عظیم لٰلاله حیاته (حیات مبارک حق تعالیٰ کا کرم عظیم تھا)

فرع الجدد عمرہ[3] ووفاته

(۱۳۶۲ھ) فرغ المجدد (یعنی مجدد فارغ ہو چکے) سے انکی عمر کا سال اور سال وفات معلوم ہوتا ہے)

---

[1] بنات الدہر حوادثہ وہو فاعل تدبیر یعنی وہکذا اعادۃ الزمان تدبیر حوادثہ کاس المنایا بین بین ابناء الزمان ۱۲

[2] ہذا اصمہ التاریخی یظہر عام میلادہ رحمہ اللہ تعالیٰ ۱۳ محمد شفیع

[3] لفظ المجد دعدد عمرہ قدس سرہ، عنی

وله ایضاً

قفانبک من ذکر الندیٰ والعوار   بقبر علوم فالتقیٰ فالمعارف

میرے دوستوں ٹھہرو کہ ہم رولیں جود وسخاوت کی یاد میں علوم وتقویٰ اور معارف کی قبر کے پاس

احش بطرفی روضہ ریح یوسف   فداہ تلیدی قد ذلک طارفی

میں اسکے باغ کے اطراف میں ایک یوسف کی خوشبو محسوس کرتا ہوں جس پر میرے نئے پرانے سب سامان قربان ہوں

واشرف قبرضم اعظم اشرف   مجدد دین اللہ ھل من مشارف

اور سب قبروں میں اشرف وہ قبر ہے جو حضرت اشرف کی نعش کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے جو دین الٰہی کے مجدد تھے کیا کوئی انکا ہمسر

ونادت بی الاشواق مھلاً فھٰذہ   منازل من نھویٰ وروضۃ عارف

(۱۳۶۲ھ)

مجھے شوق نے آواز دی کہ ٹھہر جا یہی تیرے محبوب کا گھر ہے اور ایک عارف کا بلانا ہے

قطعہ تاریخ عربی، از مولوی جمیل احمد صاحب تھانوی

ایطفی لوعتی دمع البکاء   ایروی غلتی سکب الدماء

کیا میری سوزش کو یہ اشکہا ئے گریہ بجھا سکتی ہیں   کیا میری پیاس کو یہ خونوں کی تراوش سے کر سکتی ہیں

ایکفی بعد شیخی ان تقولوا   عزاءً یا کئیب علی العزاء

کیا میرے شیخ کے بعد آپ لوگوں کا یہ کہنا کفایت کر سکتا ہے   کہ اے غمزدہ صبر کر، صبر کر

انسلو ساقیامازال لیسقی   ولم یک مثل قط عن السقاء

کیا ہم ایسے ساقی سے سکون پا سکتے ہیں جس نے مسلسل سقایت کی ہو اور کبھی اس سقایت سے اکتایا نہ ہو۔

كان الرب لم يخلقه الا لسقي سقيمنا كاس الشفاء

گویا اللہ تعالیٰ نے اس کو فقط اسی لئے پیدا کیا تھا کہ ہم بیں کے علیلوں کو جام شفاء پلایا کریں

وما هذا السجام القطر الا بكاء في نواه من السماء

اور یہ بارش کا برسنا سوائے اس کے اور کیا ہے کہ ان کی جدائی میں آسمان رو رہا ہے

رزية فقده عنا رز ايا دهتنا فالدهاء على الدهاء

آپ کے نہ ہونے کی مصیبت تو بہت مصیبتوں کا مجموعہ ہے جو آفت بن کر آ پڑیں، تو اب تو آفت پر آفت ہے۔

فاين طبيب ارواح البرايا فقد اعيىٰ الاطبة كل داء

کہاں ہیں وہ مخلوقات کی روحوں کے طبیب کہ اب ہر مرض نے سب طبیبوں کو عاجز کر رکھا ہے

واين حكيم امتنا فانا نرى فينا عيوب الاشقياء

اور کہاں ہیں وہ ہمارے حکیم الامت کیونکہ ہم اپنے اندر شقیوں کے سے عیوب دیکھ رہے ہیں

اذا ما شبهة وردت بلقبٍ فمنه دفاعها محض اللقاء

جب کسی دل میں کوئی شبہ آتا تھا تو حضرت کی محض ملاقات اس کا دفعیہ تھی

تلفظه لنا نفثات عيسىٰ ولحظ العين عين الاكيمياء

حضرت کا ہم سے ملفوظ فرمانا گویا دمِ عیسیٰ تھا اور گوشۂ چشم سے دیکھ لینا تو بس کیمیا ہی تھا

وقد كان التصوف في خمول فاعطاه السناء مع الثناء

اور علم تصوف تو گمنامی میں تھا حضرت نے اس کو رفعت اور ثناء و شہرت عطا فرمادی

حيارىٰ لانرىٰ للشيخ مثلاً ولا لكلومنا بعض الدواء

اب ہم حیران ہیں نہ شیخ کا کوئی مثل دیکھتے ہیں نہ اپنے زخموں کی کوئی دوا

وكان العين من انسان فضلٍ بل انسان العيون بلا امتراء

آپ فضل و فیض کے انسان کی آنکھ تھے بلکہ بلاشبہ آنکھوں کی بھی پتلی تھے

اذا جازیٰ الالہ ھداۃ قوم جزیٰ عنالہ خیرالجزاء

جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کے رہنماؤں کو جزا دینے لگیں تو ہماری طرف سے حضرت کو بہترین جزا عطا فرمائیں۔

ولیدٌ[ا] اقعرم " حیا" امام وذوالوصفین حین الانقضاء

پیدائش کے وقت عاشق تھے اور زندگی میں امام العشاق اور وفات .... کے وقت دونوں وصفوں کے جامع۔

فان سالوک عن عام ارتحال فقل "لاریب ختم الاولیاء"
(۶۲ھ۱۳)

اگر تم سے لوگ سال رحلت عظیمہ پوچھیں، تو کہہ دینا بے شک خاتم الأ ولیاء ہیں۔

نظم عربی از جناب مولانا ظفر احمد صاحب دام مجدہم

(پروفیسر دینیات ڈھاکہ یونیورسٹی)

بکت عینی وزادبی العویل وھل بدموعھا یشفی الغلیل

میری آنکھ رو رہی ہے اور میرا گریہ بڑھ رہا ہے اور کیا اس کے آنسوؤں سے غم کو شفا ہو سکتی ہے۔

لقد ضاق الفضاء بناومالت خیال الارض اوکادت تزول

ہم پر عالم کی فضا تنگ ہوگئی اور زمین کے پہاڑ جھک پڑے، قریب ہے کہ جگہ سے ہٹ جائیں

واوحشت البلاد بناوامست یباباً مایری فیھا خلیل

شہر ہمارے لئے وحشت ناک ہوگئے اور ویرانہ بن گئے کہ کوئی دوست نظر نہیں آتا

واظلمت الدیار وما علیھا فھل لضیاءھا یوماسبیل ؟

اور آبادیاں اوران کے باشندے اندھیرے میں رہ گئے تو کیا کسی دن ان کی روشنی کا کوئی راستہ ہے۔

[ا] یعنی تاریخ ولادت مفرم (۱۲۸۰) اور عمر شریف (۸۲) اور تاریخ وفات امام مغرم (۱۳۱۲) ۱۲

تصدعت القلوب بما دهاها وجل الخطب وانذهلت عقول

جو مصیبت واقع ہوئی اس سے دل شق ہوگئے اور مصیبت بھی زبردست آئی اور عقلیں غائب ہوگئیں

وقلبت الامور غداة ولیٰ حکیم الامة العلم الجلیل

سب حال منقلب ہوگئے جس صبح کو حضرت حکیم الامت علم وعرفاں کے بڑے پہاڑ انتقال کرگئے

مجدد ملة الاسلام حقا فنعم دلیلنا ذاک الدلیل

آپ یقیناً ملت اسلام کے مجدد تھے اور ہمارے بہترین رہنما آپ ہی تھے

مفسر عمره من غیر خلف فقیه الوقت لیس له عدیل

مفسر عصر تھے بلا اختلاف، بے مثل فقیہ وقت تھے

خبیر بالحدیث وکل علم وبالاسرار ینطق اذ یقول

حدیث اور ہر علم پر نظر رکھنے والے تھے اور اسرارِ الٰہیہ ظاہر فرماتے تھے جب کلام کرتے تھے

تضلع بالعلوم فکان فرداً الیه کل مکرمة تؤول

علوم سے لبریز تھے، یکتائے عہد تھے کہ ہر بزرگی انہی کی طرف رجوع کرتی ہے

ولی زمانه عدل تقی امام الدهر لیس له مثیل

ولی زمانہ، عادل، تقویٰ شعار، امامِ رفت، جن کی نظیر نہیں

رؤف راحم بر کریم وفی عنق الهویٰ سیف صقیل

مہربان، رحم دل، خیر خواہ، شریف النفس اور بدعۃ کی گردن پر تیز تلوار

لقد قطع الحبائل عن فئام بوادی الها لکین لهم نزول

ان لوگوں سے شیطانی جال کاٹ ڈالے جو ہلاکت کی وادیوں میں اُترنے والے تھے

یحض بنا علی طلب المعالی ویهدینا لماقال الرسول

ہم لوگوں کو تحصیل مراتب پر آمادہ فرماتے اور ارشادات نبویہ کی طرف ہدایت کرتے تھے

له فینا صحائف معلمات کثیر ثنائها منا قلیل

ہم میں ان کی کتابیں موجود ہیں جو ممتاز ہیں جن کی بہت تعریف بھی کم ہے

12 اقربفضله من قدراٰه ولم يكفربه الا جهول

آپ کو جس نے بھی دیکھ لیا آپ کے فضل کا اعتراف کرنے لگا اور سوائے جاہل کوئی آپ کا منکر نہیں رہا۔

يعادى الله من عادىٰ وليا له وعدوه ابدا ذليل

جو اللہ کے ولی سے عداوت کرتا ہے اللہ اس سے عداوت کرتا ہے اور اللہ کا دشمن ہمیشہ ذلیل ہوتا ہے۔

وكاد القلب ان ينشق لما رأيتك فى التراب لك المقيل

اور دل شق ہونے لگا جب میں نے دیکھا کہ آپ کی آرامگاہ مٹی میں ہوگئی

يبكيك السماء ونيراها وهٰذى الارض هامدة تميل

آپ کو آسمان اور چاند سورج رو رہے ہیں اور یہ زمین جو چکر کھا رہی ہے

يبكيك البحار وما حوتها وتبكيك الحزونة والسهول

آپ کو دریا اور جو کچھ اس میں ہے رو رہا ہے اور سہل اور جبل رو رہے ہیں

يبكيك البيوت وساكنوها وتبكيك المعالم والطلول

آپ کو گھر اور ان کے رہنے والے رو رہے ہیں اور پہاڑ اور ٹیلے رو رہے ہیں

يبكيك العلوم ودارسوها ويبكيك الضوابط والاصول

آپ کو علوم اور ان کے پڑھنے والے رو رہے ہیں اور ضوابط اور اصول رو رہے ہیں

يبكيك المنابر موحشات و تبكيك المواعظ والقبول[1]

آپ کو یہ وحشت ناک منبر رو رہے ہیں وعظ اور ان کی قبولیت رو رہی ہے

يبكيك المدارس مظلمات عليها اليوم دائلة[2] تدول

آپ کو مدرسے جو تاریک ہوگئے اور ان پر آج انقلاب کی یورش ہے، رو رہے ہیں

يبكيك الطريق[3] وسالكوها ويبكيك التصوف والوصول

آپ کو طریقت اور سالکین رو رہے ہیں تصوف اور وصول الی اللہ رو رہا ہے

يبكيك الحقائق والمعانى وتبكيك الصحائف والنقول

---

[1] ای صفۃ القبول لہا ۱۲ امنہ [2] الانقلاب ۱۲ امنہ [3] طریق القوم ۱۲

آپ کو حقائق و معانی اور کتابیں و نقلیات رو رہے ہیں

یبکیک التہجد با للیالی ومجلس یومک الحسن الجمیل

آپ کو راتوں کو تہجد اور آپ کی حسین و جمیل مجلس رو رہی ہے۔

یبکیک الاقاصی والا دانی ویبکیک الاجانب والقبیل

آپ کو دور اور قریب کے لوگ اور اجانب، و اقارب رو رہے ہیں

ویبکیک الزمان نفقد خیرٌ[1] بفقدک ایھا البر الوصول

اے بزرگ واصل آپ کو زمانہ رو رہا ہے کہ آپ کے جانے سے خیر عظیم جاتی رہی

فلاننساک اشرف مابقینا وانک بین اعینا تجول

لہٰذا اے اشرف زمانہ جب تک ہم زندہ ہیں آپ کو نہ بھولیں گے اور آپ تو ہماری نظروں میں چل پھر رہے ہیں۔

تذکر ناک اثار کرام ترکت لنا وابام حجول

ہم تو آپکی یاد تازہ کرتے رہتے ہیں یہ آثار کریمہ جن کو آپ نے چھوڑا ہے اور یہ نورانی ایام

اذا نسی الانام حدیث قوم فذکرک فی مجالسنا یطول

لوگ کسی قوم کی باتوں کو بھول جائیں تو بھول جائیں آپ کا ذکر تو ہماری مجلسوں میں طویل رہے گا۔

الایاعین جودی واستھلی بدمع بعد ذلک لایسیل

اے آنکھ سخاوت کر اور وہ آنسو بہا جو اس کے بعد کبھی نہ بہیں گے

فانی لن اصاب بمثل ھذا وان رحیلہٗ[2] لھو الرحیل

کیونکہ مجھ کو ایسی مصیبت کبھی پیش نہ آئے گی اور کوچ درحقیقت اسی کا کوچ ہے

فدتہ نفوسنا لوکان یبقی لکان لنا بہ ظل ظلیل

ان پر ہماری جانیں فدا ہوں اگر آپ زندہ رہتے تو ہمارے لئے ان کا یہ عجیب سایہ رہتا

لیھنک سیدی فی کل یوم سلامٌ[3] اللہ والاجر الجزیل

---

[1] التنکیر للتعظیم ۱۲ [2] ان فراقہ لھو الفراق ۱۲

[3] اشارۃ الی تاریخ وفاتہ من قولہ تعالٰی لھم فیھا فاکھۃ ولھم مایدعون سلام قولا من رب الرحیم ۱۲ منہ

اے ہمارے آقا آپ کو مبارک ہو روز اللہ کا سلام اور اجر جزیل

وصلت الی[1] مقام شهود صدق　　يحف به نعيم لا يزول

آپ حقیقی مقام شہود پر پہنچے، جس کو ابدی نعمتیں محیط ہیں

فانت لدى الاله بخير عيش　　وانت لخيلنا[2] سلف رحيل

آپ اللہ تعالیٰ کے پاس عمدہ عیش میں ہیں، اور آپ ہماری جماعت کے مایۂ ناز فرد تھے

ومامات الذى احيا قلوبا[3]　　بنورٍ ماله ابدًا افول

اور جس نے ہزاروں قلوب کو غیر فانی نور سے حیات بخشی ہو، وہ وفات نہیں پاتا

بنفسى روضة فى ارض قدس　　بها جدث له شرف نبيل

میری روح اس چمن پر فدا ہو جو پاک زمین میں ہے، جس میں شرف و بزرگی والی قبر شریف ہے

زيا ته الحياة لكل قلبٍ　　وتربته بهايشفى العليل

کہ جس کی زیارت ہر قلب کی حیات ہے، جس کی مٹی مریض قلب کی شفا ہے

عليه من المهيمن كل حين　　شآبيب الكرامة والطلول

اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر گھڑی رحم و کرم کی تراوشیں اور بارشیں نازل ہوں

---

[1] اشارۃ الی رؤیا بعض صلحاء ۱۲ منہ　[2] ای للجماعۃ ۱۲　[3] التنکیر للتکثیر ۱۲ منہ

نظم عربی

از جناب مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی

(مدرس دار العلوم دیوبند)

لقد قبضت روح العلیٰ و المکارم بموت حکیم الهند اشرف عالم

آج حکیم الامۃ اشرف العلماء مولانا اشرف علی تھانویؒ کی وفات سے معالی و مکارم کی روح قبض ہوگئی۔

وقد قبضت روح الفضائل والهدیٰ بموت امام الهند راس الاکارم

اور فضائل و کمالات اور علوم ہدایت کی آج روح نکل گئی، ہندوستان کا دینی اور علمی امام اور پیشوا وفات پاگیا۔

تقیٍ نقیٍ عالمٍ ای عالم وموتته والله موتة عالم

کو کہ متقی اور پاک وصاف اور کیا عجیب عالم تھا، خدا کی قسم ایسے ہی عالم کی موت عالم کی موت ہے

وکان جنیدا لوقت نعمان عصره وفی البحث کالرازی عند التخاصم

تصوف میں جنیدِ وقت تھا اور فقہ میں ابو حنیفہ عصر، اور بحث و تدقیق میں رازیِ دوراں تھا

وکان خطیباً مصقعاً ای مصقعٍ مواعظه مشهورة فی العوالم

اور واعظ اور خطیب بھی عجیب تھے، ان کے مواعظ تمام بلاد میں مشہور ہیں

لقد جمع العلمین ظهراً وبطنه لقد مرج البحرین منه لشائم

علم ظاہری اور باطنی دونوں کے جامع تھے، مرج البحرین کی شان نمایاں تھی

وقد کان فی التفسیر اٰیة ربه همیٰ علمه مثل الحیا المتراکم

علم تفسیر میں خدا کی ایک نشانی تھے، بارش کی طرح علم برستا تھا[1]

واحییٰ علوم الدین مدة عمره وماخاف فی مولاه لومة لائم

[1] ای مثل المطر (المتتابع النظر)

احیاءِعلوم دینیہ میں ساری عمر گزاری، اور خدا کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے کبھی نہیں ڈرے۔

تصانیفه سارت الشرق و مغربِ وقد بلغت الفافهل من مساهم

ان کی تصانیف مشرق اور مغرب میں سب جگہ پہنچی، جن کی تعداد ایک ہزار تک پہنچتی ہے کیا اس خداداد منقبت میں کوئی ان کا شریک اور سہیم ہے۔

وصنفها لله ينعى بها الرضىٰ وماباع تضيفاله بالدراهم

اللہ کی خوشنودی کیلئے تصانیف کیں اور اپنی کسی تصنیف کو کبھی فروخت نہیں کیا، نہ حق تصنیف لیا اور نہ ان کی تجارت کی فقط آخرت کی تجارت مقصود تھی، وہ سب کر گئے۔

بكتب بلاد الهند حقا جميعها وقد بدلت اعراسها بالمآتم

آج تمام بلادِ ہند اس کو رو رہے ہیں اور درحقیقت اس کی تمام مجالس شادی ماتم سے بدل گئیں

وحق على الاسلام والعلم والتقى لفقدک تذراف الدموع السواجم

اور اسلام اور علم اور تقویٰ سب پر حق ہے کہ وہ آپ کی وفات پر آنسو بہائیں

تزعزع بنيان الشريعة والتقى وضار بناء الدين واهى الدعائم

آج شریعت اور تقویٰ کی بنیادیں ہل گئیں اور دین کی عمارت کے ستون کمزور پڑ گئے

وقد مال طود الفضل من بعد مارسا وقد غاض بحر العلم بعد التلاطم

آج فضل وکمال کا پہاڑ بعد استحکام کے ہل گیا اور علم کا دریا ایک طویل تلاطم کے بعد دفعۃً زمین کی تہہ میں چلا گیا۔

وقد كورت شمس المعارف والتقى وقدغاب بدرالعلم تحت الغائم

علم اور تقویٰ کا آفتاب آج غروب ہوگیا اور ماہتاب علم بادلوں کے نیچے جا چھپا

ومن لم يشاهد موت علم و حكمةٍ الافليشاهد هكذا غير حاكم

جس کسی نے علم اور حکمت کی موت کا مشاہدہ نہ کیا ہو وہ اب کر لے بیداری ہے خواب نہیں، علم وحکمت کی موت اس طرح آتی ہے۔

فمن للفتاویٰ والمعارف بعدہ وتلقین اذکار وایقاظ نائم

اب آپ کے بعد فتاویٰ اور علوم ومعارف اور تلقین اذکار کا کون ہے کہ جو سرمست ہو اور کون ہے جو سوتوں ہوؤں کو جگا دے

فقد ناکم من شاء بعداک فلیمت فرزءک رزءٌ جل عن وھم واھم

ہم تیرے وجود سے محروم ہوگئے اب تیرے بعد جسکا جی چاہے مرجائے، تیری وفات کا حادثہ وہم وگمان سے بالا ہے۔

ولم یبق للعینین بعدک مدمعھا وصغرلی کل الرزایا العظائم

آپ کی وفات نے کسی اور کے لئے آنکھوں میں آنسوؤں کی گنجائش نہیں چھوڑی اور میرے لئے ہر بڑی مصیبت کو ہلکا کردیا۔

فقد ناک مثل الارض تفقدوبلھا وکیف حیاۃ الارض من دون ساجم

ہم تیرے وجود سے ایسے ہی محروم ہوگئے جیسے زمین بارش سے محروم ہو جائے اور زمین بغیر بارش کے کیسے زندہ رہ سکتی ہے۔

کفانی حزنا ان تخلفت بعدہ ابکی مع الباکین مثل الحمائم

میرے غم کے لئے یہ کافی ہے کہ میں آپ کے بعد زندہ رہا، اور رونے والوں کے ساتھ مثل کبوتروں کے روتا ہوں۔

عفاءٌ علی الدنیا اذا غاب نورھا وغارت عیون العلم تحت التھائم

خاک ہے دنیا پر جب اس کا نور غائب ہوجائے اور علم کے چشمے زمین میں اُتر جائیں۔

وفینا عزاء والملائک تنشد علی الطائر المیمون یاخیر قادم

ادھر ہم میں تو تعزیتوں کا سلسلہ ہے اور ادھر فرشتوں میں بزبان حال یہ پڑھا جارہا ہے بخت مبارک پر آئے بہترین آنے والے

وفقد جددالاحزان رزء وفاتہ وجد ولی رسم الجروح الطواسم

آپکے حادثۂ وفات نے تمام گذشتہ غموں کی تجدید کردی اور پرانے زخموں کو تازہ کردیا

وذکرنی رزء الخلیل و انورٍ　　وززء عزیزٍ قائم اللیل صائم

اور مولانا خلیل احمد صاحبؒ اور مولانا انور شاہؒ، اور مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ کے صدموں کو پھر یاد دلا دیا

ولا غروفی ھذا فکان مجددًا　　لملة خیر الناس من اٰل ھاشم

اور اس میں کوئی تعجب نہیں آپ کا لقب ہی، مجدد الملۃ تھا، غموں کی بھی تجدید کر دی

وجد ته رسم الدین بعد دروسه (کما جدت الاسلام بعد دروسه)　　وکان اماماً للوریٰ لم یزاحم

جیسے دین کے نشانات کی مٹ جانے کے بعد تجدید کی تھی اور بلا اختلاف آپ لوگوں کے امام

فیالمصاب　قد　اعادمصائبا　　رزء منابھا فی عھدنا المتقادم

اللہ اکبر کیسی سخت مصیبت ہے جس نے تمام گذشتہ مصائب کو پھر دوبارہ واپس کر دیا

ولو قبل الموت الفداء لکنته　　وعادت حیاة العلم عیشة ناعم

کاش اگر موت آپ کا فدیہ قبول کرتی تو میں ہی وہ فدیہ بن جاتا تو پھر ایک بار علم کی زندگی لوٹ آتی۔

وایتمت اھل العلم یا علم الھدی　　فمن ذاالذی ندعو لرغم المخاصم

اور آپ تمام اہل علم کو یتیم بنا گئے، بتلایئے اب کس کو پکاریں۔

واورثتنا علماً واورثتنا الاسیٰ　　ولی منھما حظ نصیب المقاسم

زندگی میں آپ نے ہم کو علم کا وارث بنایا اور مرتے وقت غم کا وارث بنایا، اور اس ناچیز کو حسب مقدور دونوں سے حصہ ملا ہے۔

علیک سلام اللہ یا قبراشرفٍ　　ورحمة تتریٰ کجود الغمائم

اے قبر اشرف تجھ پر اللہ کا سلام، اور بارش کی طرح مسلسل رحمتیں تجھ پر نازل ہوں

وبوّئک الرحمن خیر مبوّاءٍ　　وارضاک رب العرش الرحم راحم

اور اللہ تعالیٰ آپکو جنت میں بہترین ٹھکانا دے، اور اپنی خوشنودی سے سرفراز فرمادے

واھدیک یا نجم الھدیٰ احسن الدعا　　وتسلیم مشتاق الفؤاد وھائم

اور میں بہترین دعا اور سلام کا محبانہ ہدیہ　　آپ کو پیش کرتا ہوں　وہ یہ کہ

جزاک الہ العرش خیر جزائہ　　فقد کنت للاسلام احسن خادم

اللہ تعالٰی آپ کو بہترین　جزا دے　　آپ اسلام کے بہترین خادم تھے

نظم عربی از مولوی سراج الحق صاحب مچھلی شہری

(پروفیسر گورنمنٹ کالج الہ آباد)

خلیلی ھل یجری من العین ادمع　　ام الدم ام رُوحی و قلبی المفجع

اے میرے دوستو کیا آنکھ سے آنسو بہے جا رہے ہیں، یا خون یا روح، یا غمزدہ دل

یقولون مابال السراج فانہ　　ینوح ویبکی ھائما یتوجع

لوگ کہتے ہیں سراج کو کیا ہوا کہ نوحہ کرتا ہے، روتا ہے، حیران ہے، دردمند ہے

فقلت لہ خلواسبیلی فاننی　　مصابٌ ومالا الی اللہ مفزع

میں نے کہا کہ مجھے چھوڑ دو میں مصیبت زدہ ہوں اور اللہ کے سوا کوئی پناہ نہیں۔

ائن مات ھل یُدریٰ سوی اللہ خالد　　الیس قضاء اللہ مالیس یُدفع

اگر حضرت کی وفات ہوگئی تو کیا خدا کے سوا کوئی ہمیشہ رہتا ہے، کیا اللہ کا فیصلہ ہے وہ فیصلہ نہیں جو اٹل ہوتا ہے

جزعناومازال اللغوب یمسنا　　فزعنا ونذری انہ لیس ینفع

ہم رو رہے ہیں ہم کو تعب ہو رہا ہے، پریشان ہیں اور جانتے ہیں کہ ان امور سے کچھ فائدہ نہیں

بکینا ونبکی ماحیینا کصبیۃٍ　　یموت ابرھم مالھم عنہ مضجع

ہم روتے ہیں اور جب تک زندہ ہیں روئیں گے جیسے بچے، کہ ان کا باپ مر جائے اور ان کا کوئی ٹھکانہ نہ رہے

فقد تک یامن لیتنی مافقدتہ　　فمثلک فی الاحقاب لایتوقع

ہم سے آپ جاتے رہے اے وہ کہ کاش آپ نہ جاتے، کیونکہ آپ جیسے کی تو صدیوں میں امید نہیں

ملاذی الکید النفس اقویٰ واننی ضعیف !فھن بی حین عنی ترجع

اے میری پناہ گاہ نفس کے مکر بہت قوی ہیں، اور میں ضعیف، تو میرا کون کفیل ہوگا جب آپ تشریف لے گئے۔

وبعدک قد صرنا بوادی عمایه نتیه واسباب السماء ستقطع

اور آپ کے بعد ہم تو گمراہی کے گڑھے میں پہنچنے لگے' حیران و پریشان ہیں اور وہ آسمانی اسباب منقطع ہونے لگے

فجازک رب الخلق عنا بخیرها یجازی به شیخا کذااتوقع

رب الخلوق آپ کو ہماری طرف سے وہ بہترین جزا دے، جو کسی شیخ کو دے اور مجھے یہی امید ہے

وکنت امیرالمسلمین تسوسھم سیاسة حدس والتھور تمنعُ

آپ امیرالمسلمین تھے جوان کی قیادت، ابقائے ہوش کے ساتھ فرماتے تھے، جوش سے روکتے تھے

اخذت عن الفاروق فی الله شدة ورثت علیاً زھده یا سمیدع

ای بزرگ آپ نے اپنے دادا حضرت فاروقِ اعظمؓ سے شدۃ فی امر اللہ حاصل کی، اور نانا حضرت علیؓ سے زہد کی وراثت لی

تشرفت فینا اخولاً وعمومةً ونلت طریف المجد والمجد یرفع

آپ ننیال اور دادھیال دونوں کے اعتبار سے اشرف تھے، آپ نے بہترین بزرگی پائی اور یہ بزرگی ہی رفعت ہے

وفقت علی الاقران علماً وحکمة فقالوا حکیمٌ عارف متورع

اور آپ علم وحکمت میں ہمعصروں سے فائق تھے اس لئے لوگ کہتے تھے، کہ آپ حکیم ہیں، عارف ہیں، صاحب ورع ہیں

اشد علی الشیطان من الف عابدٍ احب الی الرحمن للنبیؐ[1] اتبع

جو شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ سخت ہیں، محبوب رحمٰن ہیں، تابع سنت نبویہ ہیں

وفی وصدیق امام مفسر ولی ونسیک الی الخیر مسرع

وفا کیش، صدیق، امام مفسر، ولی، زاہد، خیر کی طرف جلدی جانے والے

سنی و فاروق و للعصر مفخر غنی و تاروک و للخلق مرجع

---

[1] لغۃ فی نبی ۱۲ منہ

رفیع المرتبہ، حق و باطل کے فاروق، فخر عصر، صاحبِ استغناء، تارکِ دنیا، مرجع خلق

ادیب خطیب لوذعی حلاحل حسیب ، نسیب باذل متبرع

ادیب، واعظ، صاحبِ فراست، ذی وجاہت، شریف الطبع، عالی نسب، سخی، دریاء

حمید شهید ، متق و مبجل فقیه لبیه، مقتدیً تم اورع

محمود الخصال، صاحبِ مشاہدہ، تقویٰ شعار، عظیم المرتب، فقیہ، زیرک، مقتدائے عالم، بہت صاحبِ ورع

مجدد دین الله فی مئتہٖ جرت وافضل اهل الارض طرا واورع

اس صدی کے مجدد کُل اہل ارض سے افضل و متقی

کریم سعیٰ للدین حامیه محسن و مرشد اهل العلم لله یخشع

شریف النفس، ساعی دین، حامی ملت، محسن قوم مرشد علماء، صاحبِ خشوع و خضوع ہیں

له قد طوی الله الزمان فصنف الصحائف نحو الالف والله موسعٰ

آپ کے لئے اللہ تعالیٰ نے وقت میں برکت دی تھی کہ ایک ہزار کے قریب تصانیف

فرمائیں اور اللہ تعالیٰ بزرگوں کو وسعت دیتے ہیں

وقد جمع الله العوالم فی الذی فقد ناه وهو للمکارم منبع

اور اللہ تعالیٰ نے سارے عالموں کو اس ایک ذات میں جمع کر دیا تھا جو اب ہم میں نہیں

اور آپ ساری بھلائیوں کے منبع تھے

وذالک فضل الله یوتیه من یشاء والله ذوالفضل العظیم الموسع

اور یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتے ہیں دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ فضل عظیم کے مالک اور

صاحبِ وسعت ہیں

وسیلتنا فی الیوم والغد فانتظر ولا ترض بالفردوسِ وحدک تقنع

اے ہمارے دنیا و آخرت میں وسیلہ نجات ہم سب کا خیال فرمایئے اور فردوس میں تنہا

قناعت فرما کر راضی نہ ہو جایئے

غداة غدٍ نلقا ک ان شاء ربنا بذالک ندعوا وهو بالشمل یجمع

صبح قیامت انشاء اللہ ہم سب آپ سے ملاقات کریں گے یہی ہماری دعاء ہے اللہ تعالیٰ متفرقوں کو جمع بھی فرما دیتے ہیں

ایا اهل بدعات! فویل بفعلکم   یتمتم ولیاً وهو فی الدین موبع

اے اہل بدعات تمہارے افعال کو ہلاکت ہو تم نے ایک ایسے ولی کو برا کہا جو دین کا بالکل فریفتہ ہے

وما الله عما تعملون بغا فلٍ   ویعلم ماقلتم شنیعاً ویسمع

اور اللہ تعالیٰ تمہاری حرکتوں سے غافل نہیں ہیں اور تم نے جو کچھ برا کہا ہے وہ اسے جانتے اور سنتے ہیں

سراج تجلد واسئال الله رحمة   علی روحه واعمل عسیٰ فیک یشفع

اے سراج صبر کر اور اللہ تعالیٰ سے ان کی روح پر رحمت کی دعاء کر اور نیک عمل کرتا کہ وہ تیری شفاعت فرمائیں

وصل وسلم یا ودود علی النبی   واصحابه الغرومن هو یتبع

اے رب ودود اپنے نبی اور ان کے اصحابِ کرام اور تبعین پر صلوۃ وسلام نازل فرما

قطعات تاریخیہ از حکیم محمد سمیع اللہ خان صاحب لکھنوی

(ملقب بہ اشک عقیدت)

مصیبتوں سے کچھ ایسے ہوئے ہیں ہم آغوش   کہ سر کو ہوش ہے تن کا نہ تن کو سر کا ہوش
یہ کہہ رہا ہے پرستار مادہ عرفاں   کہ شمع انجمن میکشاں ہوئی خاموش

(۱۹۴۳ء)

(و له ایضاً)

ہوگیا تاریک عالم وہ سموم غم چلی   آبلے سینے میں ہیں کمھلا گئی دل کی کلی
کس سے چاہیں غمگساری کون ہے اب چارہ ساز   وارے دنیا میں نہیں ہیں آج شہ اشرف علی

(۶۲ ہجری ۱۳)

و له ایضاً به صنعت معجمه

کہ از مادہ تاریخ حروف منقوطہ را بہ شمار آرند و حروف مہملہ را ترک نمایند

عارف و سالک و فقیہ و امام　　راشد و مرشد و عزیزم انام
ازمئے کل من علیھا فان　　آہ! واحسر تا چشیدہ جام
گفتم از بہر سال در منقوط　　شدغروب آہ نیر اسلام

ولہ ایضاً بہ صنعت معجمہ

(۱۳۶۲ ہجری)

رفت سوئے جناں زباغِ جہاں　　اے دریغا مجدد و اکمل
گفت ہاتف بمعجمہ سالش　　شدتہ خاک نائب مرسل

ولہ ایضاً بہ صنعت تخرجہ

(۱۳۶۲ھ)

خوبیٔ بختِ نارسا ہم کوغم و الم ملا　　سوزِ دروں سے جل بجھا یہ دل زار مبتلا
حیف کہ بے سرآج ہیں تیغ ستم کے ہاتھ سے　　علم وپیہم عطا سخا فضل وکرم صفا ولا

ولہ ایضاً بہ صنعت تخرجہ

(۱۹۴۳ء)

مسلم خوابیدہ پر تھے جس کے احسان بیشمار　　آج محوِ خواب ہے وہ رہنما زیر مزار
دہر کے دستِ جفا سے بے سروپا ہوگئے　　زہدورشدو فضل وتقویٰ، ہمت وفیض ووقاً

ولہ ایضاً بہ صنعت متحرک

(۱۳۶۲ھ)

کہ از مادہ تاریخ (مصرعہ چہارم) حروف متحرکہ را گرفتہ شمار کنند و سواکن را ترک کنند

جن پہ تکیہ تھا ہم غریبوں کا　　حیف وہ ہوگئے جدا ہم سے
متحرک میں ہے یہ سالِ وفات　　سینہ سوزاں ہم ہے آتشِ غم سے

ولہ ایضاً بہ صنعت ساکن

(۱۹۴۳ء)

کہ ضد متحرک است یعنی از مادہ تاریخ حروف ساکنہ را بہ شمار آرند و حروف متحرکہ را ترک کنند

ای دریغا ظلِ آں مردِ خدا رخت از سرم　　خون دل از دیدہ ریزاں، جیب وداماں میدرم

از حروفِ ساکنہ تاریخ آں کامل بخواں　　نیر رشد و ہدایت ،مخزنِ لطف و کرم
(۱۳۶۲ھ)

ولہ ایضاً بہ صنعت بینات

کہ از مادۂ تاریخ حروف ملفوظی را بگیرند و حروف مکتوبی را ترک نمائند چوں حرف ''ش'' کہ ''ی''''ن'' را بگیرند انچہ در تلفظ می آید و ''شہ'' کہ در کتابت می آید ترک شود و قس علی ذلک

شکوے لبوں پر آتے ہیں ،پیہم ،غم کا فسانہ نوکِ زبان ہے
غوث مجدد ، عارف اکرم ،قطبِ زمانہ آج کہاں ہے
سوزِ دروں کو پوچھ نہ ہمدم چشم ہے پرنم سینہ ہے پرُغم
خلق مجسم ،مصلح اعظم وائے ستم آنکھوں سے نہاں ہے
(۱۳۶۲ھ)

ولہ ایضاً بہ صنعت زبر و بینات

کہ از مادہ تاریخ حروف مکتوبی و ملفوظی ہر دو را بہ شمار آرند، چوں از حرف ''ک''''ا''''ف'' را جمع نمائند

دریغا کہ صدرِ دیوانِ دیں　　ز دنیا گذشت و بہ تہ خانہ خُفت
چناں ہاتفے در زبر بینہ　　لقد فاز فوزا عظیما بگفت
(۱۹۴۳ء)

ولہ ایضاً بہ صنعت زبر و بینات

شدز دنیائے دنی قطب و ولی　　مظہر آیات[۱] فاروق و علی
چوں نمودم فکر تاریخ وفات　　پس ز زبر و بینہ شد منجلی
از سر حزن ایں چنیں آمد ندا　　حیف مولانا شہ اشرف علی
(۱۹۴۳ء)

---

[۱] ظاہری مفہوم تو یہ ہے کہ حضرتؒ دبدبۂ فاروقی ولایت علی کے مظہر ہیں لیکن اس میں ایک لطیف اشارہ ہے آنحضرتؒ کے نسب مبارک کی طرف کہ آپ اباً فاروقی تھے اور (اماً علوی تھے)

ولہ ایضاً بہ صنعت ھم صوری وھم معنوی

یعنی مادہ تاریخ لفظاً دال است بر سنہ ہجری وچوں بقاعدہ زبر و بینات شمار کنند سنہ عیسوی برمی آید

بخفت زیر زمیں آں حکیم امت حیف — کہ فخر عالم و رشک جنید وشبلی بود
بہ زبر و بینہ گفتم چوں بزم بیدل شد — ہزار و سہ صد و ہم شصت و دو ز ہجری بود

(۱۳۶۲ھ)(۱۹۴۳ء)

قطعہ تاریخ از مولوی جمیل احمد صاحب تھانوی

آں اشرفِ اشرفانِ دوراں — اعلیٰ ز اعاظم و اعالی
آں ساقی بادہ بار عرفاں — آں قاسم خیر لایزالی
آں رحمت ورافت الٰہی — آں شاہ مکارم و معالی
آں مظہر خاص ہر تجلی — از نوعِ جمالی وجلالی
آں کنہ کمال وکنہ وصفش — بالا زتصور خیالی
یک لحظہ چشم نیم والیش — داروے مریض بیکمالی
ہر حرف کہ ازلبش چکیدہ — مرہم نہ ریش خستہ خالی
دربار گہش بفیض تاثیر — حالی ہمہ گفتگوئے قالی
دربزم جہانیاں ہمہ وقت — وزجملہ خلق لاابالی
محروم زور گہش ندیدم — مقسوم گرفت ہر سوالی
از عالمیاں نہفت چوں رخ — کرداست جہاں زورع خالی
یارب بجمیل ہم عطا کن — تا بے زتجلی جمالی
تاریخ اگر کے پرسد — گو رحلت اشرف الاعالی

(۱۳۶۲ ہجری)

قطعہ تاریخ از مولوی اسعد اللہ صاحب

مدرس مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

من جانب مولوی شبیر علی صاحب برادر زادہ حضرت والاؒ

چوں زدنیا رفت عم محترم　　شاہ اشرف واقف سر طریق
گفتمش از بہر تاریخ وفات　　دفن شد زیر زمیں عم شفیق

(۱۳۶۲ھ)

قطعہ تاریخ از قاضی محمد مکرم صاحب تھانوی

پنشنر تحصیلدار ریاست بھوپال

حکیم امت خیرالانامے　　طبیب مصلح دنیا و دینے
جہان شرع راماہر منیرے　　زمینِ ورع راماہِ مبینے
بذیل اولیا سلک عزیزے　　ببزمِ اتقیا بالا نشینے
چوکار خود بانجامے رسانید　　نمودہ قصد فردوس برینے
سپرد فرش بخاک و جملہ حیراں　　کہ گنجید آسمانے در زمینے
مکرم گفت سالِ رحلتِ او　　وفات پاک شمس العارفینے

(۱۳۶۲ھ)

ولہ ایضاً

اے توشریک حال من باتبلائی رنج وغم　　میرس از منِ حزیں زاشرف ووصال او
نہ پرسش تو برمحل، نہ گفتگوئے من بجا　　جو "لطف حق" زشش جہت دہد نشاں سال او

قطعہ تاریخ از دیوان
منظور احسن صاحب احسن تھانوی

آہ واویلا دریغا حسرتا — درخسوف افتادہ ماہِ کاملین
رہ نمائے جادہ پیمایان حق — سالک راہِ شریعت خضردیں
شمع بزم نور، زیبِ انجمن — مشعلِ طور، ہدایت بالیقین
آں حکیم اُمت خیر الانام — شانِ ملت حامیٔ دین متیں
عارفِ حق حضرت اشرف علی — آفتابِ روشن و ماہ مبیں
رفت بار شد و ہدایت و رجاب — افتخارِ کائنات آن و این
رونقِ کاشانۂ امدادیہ — اقتدار اولین و آخریں
حاجیٔ امداد اللہ رانشاں — خاتمِ نور محمد ر انگیں
کارسازِ خانقاہِ مرشدی — یادگارِ شیخ و سجادہ نشیں
شاہبازِ اوج پروازِ فلک — نیر رخشندۂ چرخِ بریں
مادرِ گیتی نہ زائد عالمے — باشریعت درحقیقت انچنیں
رخت ہستی در نور دہ شدرواں — زیں خرابہ جانب خلد بریں
درجہاں از رفتنش غوغافتاد — ماتمی شد آسماں و ہم زمیں
یکجہانے شد ازاں ظلمت گزیں — آں چراغ نور چوں گشتہ خموش
جسم خاکی راہ سپردہ زیر خاک — روحِ پاکش رفت برعرشِ بریں
گشتہ شد مدفون و ازغم برنہاد — زخم برقلبِ ہزاراں مسلمیں
برگزیدہ ذاتِ اقدس بودآں — رفت از دنیا و شد جنت مکیں
جانِ پاکش از صفِ مردانِ حق — روحِ پاکش از گروہِ واصلیں

13

وائے اے سلطان زہد واتقا	حیف ای سرکردۂ اہل یقیں
مثل تو خوا ہیم فرما از کجا	مثل تو یا بیم فرما از چنیں
ازکجا جوئیم فرما علم و فضل	ازکجا آریم خضرِ راہ دیں
ازکجا می باشد ایں حلم و وقار	جزشما اے تاجدارِ عارفیں
برسرِہفت کشور جاگرفت	ازفیوضِ علم و ازابلاغ دیں
ازکلامِ حق نوا وَ حق پژدہ	بہرہ ور بود ندگوش سامعیں
در مشامِ قدسیاں اکثر رسید	نکہت فیضت بافلاکِ بریں
جنت الماویٰ بود آرام گاہ	از جنابِ پاک رب العٰلمین
رفت از دنیا سراجِ اولیاء	تاجدار حال و صدر سابقیں
در غم اوخاک برسر ریختہ	شد جہاں اندرجہاں اندوہ گیں
عالمے تاریک شد از رحلتش	ماتمے افتاد دردنیائے دیں
گیتی ٔ اسلام شد سینہ فگار	آہ برلب نالہ درجان حزیں
چشم پُرنم خوں بدل شد خلقتے	آں ودیعت رانہفتہ درزمیں
مرقد والا پُر از انوار باد	ازطفیل رحمۃ للعٰلمین
رحم کن اے نقش بندکاف ونون	برعزیز و اقرباء و خادمیں
ملہم غیبی مراتلقین کرد	مصرعہ سال و فاتش ایں چنیں
غم مخور احسن پئے سالِ وفات	فکر تر دارد زما ہاتف ہمیں
دست بردار و دعائے کن زدل	جاوید خالق بفردوس بریں

(۱۳۶۲ھ)

قطعہ تاریخ از جناب عزیز الدین صاحب عظامے

دردا حکیم اُمتِ مرحومہ شہ اشرف علی　　آں ساقیٔ میخانہ عقل آفریں من عرف

بربست محمل زیں جہان ورفت در باغ جناں　　از گوہر جانِ خودش پرداختہ تن راصدف

ہاتف بگوشِ من عظامی گفت تاریخے بگو　　زیں واقعہ کز وے بلاہا آمد بستی بستہ صف

گفتم کہ از دستِ اجل چوں بے سروپا شد ببیں　　حلم وحیا لطف وعطار: شد وہدیٰ، فضل وشرف

(٣٠+١٠+٩+٩+٣٠٠x٤x٨٠٠x٢٠٠(٦٢ ہجری ١٣)

ولہ ایضاً

ندانم آہ! درآفاق ایں چہ صبح دمید　　کہ ہست شور قیامت ز ذرہ ذرہ پدید

ندانم از چہ شفق غرق شد بموجۂ خوں　　ندانم از چہ سحر جامہ تار تار درید

چہ شد کہ چیزِ افلاک حلقہ حلقہ گسست　　چہ شدِ کز وہمہ گہوارۂ زمیں لرزید

کہ ام عمل شدہ تاراج از جفائے خزاں　　کہ خارِ غم بہ رگِ جانِ ماہزار خلید

زمانہ آہ نور دید فرش عیش وطرب　　فلک بپاس خودش رابہ خم نیل کشید

فغان اہل زمین شد بلند تا کیواں　　زچشم ماہ وستارہ چوخونِ ناب چکید

چہ گوگمت کہ چہ پیش آمدہ ست عالم را　　کراست طاقت گفتن کراست تاب شنید

بباغِ حضرت امداد تند باد اجل　　چناں وزید عظامی کہ پیش زیں نوزید

زفوت حضرت اشرفے کہ نیست ثانی او　　چہ گوئمت بخدائے بجان ماچہ رسید

ز دلگدازی ایں واقعہ مپرس کہ ایں　　بجاں گدازی، محشر چہ خط نسخ کشید

گسیخت صبر عناں وشکیب رم کردہ　　دلم ز دیدہ خونبار قطرہ قطرہ چکید

کدام حضرتِ اشرف مگر نمیدانی؟　　حکیم امت مرحوم از قریب وبعید

زمیں بسر زدہ خاکے بسوگواری وے　　فلک ماتم آں پیرہن بجسم درید

کلاہ زد بزمیں آفتاب زیں ماتم | زگریہ دیدہ انجم سپید گشت سپید
شکست کاکل سنبل نجست چہرہ گل | گرفتہ شد دل غنچہ ازیں غمے کہ رسید
چناں فقیہ و محدث چناں مجد دوقت | ندیدہ است کسے و کسے نخواہد دید
جنید وقت اگر گوئمش مبالغہ نیست | ہم است راست اگر خوانمش مثیل فرید
خلاف سنت خیر البشر بہ عمر گہے | بسہو ہم عملے زونیا مدہ است پدید
زپائگاہِ علومش چہ گوئمت کہ حدش | کسے ندیدہ ونے ہیچ کس تواندوید
زپافگندہ عمارات شرک و بدعت را | بنائے سنت غرا از وبما ہ رسید
بحق امتِ مرحوم آں مسیحا بود | کہ از دمے بہ تن مردگانش روح دمید
سزونہ نوحہ عظامی بزندگان خاموش | کہ ہست لزدخردکار تو زعقل بعید
تراز حضرت اشرف کہ گفت مرد کہ او | شہید گشت وشہید است زندۂ جاوید
بیادسالِ وصالش شنوزمن کہ صنم | الف کشیدہ بگفتم شہید گشتہ شہید

(۱۳۶۲--۱۳۶۳ھ)

قطعہ تاریخ از جناب فضل کریم صاحب

دریغ حضرت اشرف علی ولی تقی | کہ بود چہرہ پاکش زنور حق چوں ورد
سفر گزیدازیں دارسوئے جنت رفت | بشوق وصل خدا کردہ دل زدنیا سرد
نداز فضل کریم آمدہ زسالِ وفات | حکیم امت احمد مکان بجنت کرد

(۱۳۶۲ھ)

فرد تاریخی از جناب محمد غوث صاحب شیخوپورہ (پنجاب)

اے ہمارے عزت و اقبال وجاہ | آشیانت گلشن قدس الہ

(۱۳۶۲ھ)

نظم از حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی

منِ خستہ دریں محفل مثال شمع سوز انم — کہ جاں آب رواں گشتہ ہمی ریزد مژگانم

بروای بوئے گل عشوہ گری بادیگراں فرما — کہ من بیزارم از جان ودل افگار و پریشانم

زدل می خیزد و بر دل ہمی ریزد سحابِ غم — دمید از اندرونِ کشتی من موجِ طوفانم

ندارم ذوق باصحرا گزینی صورتِ مجنوں — کہ از فیضِ جنوں کاشانہ ام آمد بیابانم

فضائے گلشن و ابرد بہادر و مطرب و مینا — ہمہ شد بعد آں ساقی مہوش دشمن جانم

صبر نامِ گل وگلزار و ذکر جام و مے بگذار — کہ ہست اینہا ہمہ گلدستہ یک طاق نسیانم

مپرس افسانہ ، ماوحدیث دردما مشنو — کہ ای چارہ گر بیمار نتوانی و نتوانم

حکیم امت وسطےٰ سراج ملت بیضا — امامے حجت کبریٰ پناہِ دین و ایمانم

امام فقہ و تفسیر و حدیث و معرفت بنگر — عیاں برصفحۂ ہستی فیوض شاہ شاہانم

جنید دہر و شیبانی عصر و حبر و نقش خواں — کہ شد تجدید جملہ شبہائے دیں بسلطانم

فغاں از دستِ بیداد زماں کان جان عالم را — نمی بینم نمی یا بم لبے جو یاو حیرانم

حکیم رفت و من دارفتہ حیرانم — کہ نتواں پیش کس بردن چنیں حال پریشانم

مریضم مبتلائے دل کجا جویم دوائے دل — کجا یابم شفائے دل زعلتہائے پنہانم

کجاں آں شمع ہر محفل کجا آں رہبر منزل — کجا آں حل ہر مشکل برائے فکر حیرانم

کجا آں اشرفِ عیسیٰ نفس خضر طریق ایدل — کجا آں سایۂ رحمت سحاب گوہر افشانم

مریض مبتلا اکنوں کجا یابد دوائے دل — کجا گیر و قرارِ قلب مضطر چشم گریانم

من تنگ آمدہ از رزم و بزم دشمن و یاراں — کجا باشم، کجا میرم، کرا بینم، کرا خوانم

نہ بابزمِ طرب شوقے نہ با احباب خود ذوقے — نہ در صحرا گذر دارم نہ گنجائش بعمرانم

غمش ہم غیرتے دارد ز دست چارہ گر شاید — نہ شد منت پذیر بخیہ سازاں چاک وامانم

بحمد اللہ غبار کوئے جانان است و چشم من — چہ آید در نظر ای ہمنشیں کحل صفاہانم

بیا دارد لے ہر درد ست وحل جملہ مشکلہا — بامداد الٰہی روئے نورانی جانانم
دلے دارم جواہر خانہ عشق است تحویلش — غلامی درِ اشرف چوگشتہ میرسامانم
دریں درد والم باصد ہزاراں غم بحمد اللہ — زفیض اوصبائے ہست کز حالست پرسانم
ہنوز آں ابر رحمت درفشاں ومن چناں حیراں — فغاں از ہمتم فریاد از تنگی دامانم
تعجب چیست از ترتیب درشترم نمی بینی — پریشان، است سلک نظم چوں حال پریشانم
بخواں اے ابن[1] یاسین سالِ وصل از سورۂ یٰسں — سلامِ حضرت[2] رب رحیم از قلب قرآنم

نظم از مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی

مدرس دار العلوم دیوبند

بشنواز نے چواں حکایت می کند — وز جدائیہا شکایت می کند
روحِ عرفاں و معارف قبض شد — روح اسرار و تصوف قبض شد
علم رفعت و نور ایمانی نماند — زہد رفت و وعظ زبانی نماند
آفتابِ علم و حکمت شد غروب — نکتہا و رمز باشد درغیوب
آں جنید وقت شبلی زماں — کرد رحلت سوئے فردوسِ جناں
رفت ثانی مولوی معنوی — مولوی اشرف علی تھانوی
در شریعت بود مارامقتدیٰ — درطریقت بود او نجم الہدیٰ
آنکہ تصنیفش گذشت از یک ہزار — رفت درآفاق و امصار و دیار
رہنما یم چوں شدی ازمن جدا — بے نوایم گرچہ دارم صدنوا
سینہ سینہ شرحہ شرحہ از فراق — من چہ گویم شرح دردِ اشتیاق
درسہا گیریم ما از وعظِ تو — گرچہ مردی می نمیرد فیض تو
میدہد تفسیرِ و درسِ قرآن — درمدارس در مساجد بیگہاں

---

[1] یعنی مولانا محمد شفیع صاحب ابن مولانا محمد یٰسین صاحبؒ دیوبندی [2] اشارتست باٰیتین از سورۂ یٰسین کہ بتمامہا تاریخ وفات مرشدی و مرشد العالم است و آن قولہ تعالیٰ لھم فیہا فاکھۃ ولھم مایدعون ۔ سلام قولاً من رب رحیم ۔ قلب قرآن لقب سورہ یٰسین درحدیث آمدہ است ۱۲

علم تو شمع است در راہِ سلوک | شافی و وافی و حلال شکوک
رفت علمت دردیار و کوبکو | آفریں صد آفریں برجانِ تو
اے حکیم امتِ خیر البشر | بے رفیقاں مے نشاید ایں سفر
سرو سیمینا بصحرائے روی | سخت بے مہری کہ بے ماے روی
اے تماشا گاہِ عالم روئے تو | توکجا بہر تماشاے روی
اے خدائے مالکِ جودو کرم | رحم فرما بر روانش دم بدم
اے خدائے پاک رب لم یزل | از تومی خواہیم توفیق عمل
استقامت برطریق مصطفےٰ | مشرب اربابِ اخلاص و وفا
تا بکے ایں ابتلا لطفت بنہ | از شرابِ عشق خود جامے بدم
تاروم شادان و فرحاں از جہاں | شائق دیدار و دارائے جہاں
عاشقانہ والہانہ مے روم | طائرانہ سوئے مولیٰ مے پرم
انت مقصودی الیک وجہتی | انت محبوبی الیک رحلتی
وقت رفتن من بخوانم ایں سبق | لا الٰہ لا الٰہ غیر حق

نظم از جناب محمد غوث صاحب شیخوپورہ (پنجاب)

بہ ہر بہار گل از زیرِ گل بر آرد سر | گلے برفت کہ ناید بصد بہار دگر
گلے برفت کز امروز تا بدامن حشر | گلاب اوست کہ جاری بود ز دیدۂ تر
برفت از صدف خاک گوہرے بیروں | کہ خلق را صدف دیدہ گشت پُر گوہر
شبیہ شمس و قمر بود در ہدایت خلق | چو او بمرد بگفتی بمرد شمس و قمر
مدار عقل و ہنر بود در فصاحت و نطق | جو او بمرد بگفتی بمرد عقل و ہنر
گماں برم کہ جہاں را خدا عقوبت کرد | چرا کہ ہجر وے از ہر عقوبت است بتر
بباغ خلد خرامید و از شمائل خویش | بباغ خلد بیفزود باغ خلد دگر
ز رفتن تو اگر رفتگان خوشند چہ سود | کہ ماندگانِ ترا ماند داغہا بہ جگر

نظم تاریخی از جناب
خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب خلیفہ حضرت والاؒ

ہوگئے ہم سے آہ رخصت آہ — شاہ اشرف علی حق آگاہ
روح مجروح ہے تو دل بسمل — کس قدر ہے یہ حادثہ جاں کاہ
آپ ہی تو حکیم الامت تھے — اب کہیں کس سے جا کے حال تباہ
جس کو سمجھے تھے دائمی دولت — ہائے وہ ہم سے چھن گئی ناگاہ
قدر نعمت ہوئی ہے بعد زوال — مرتبے سے ہوئے ہم اب آگاہ
باتیں سننے کو اب ترستے ہیں کان — روئے انور کو ڈھونڈھتی ہے نگاہ
چین پاتے نہ تھے جو بے دیکھے — کیسے اب وہ جئیں گے اے اللہ
دل میں ہے سینکڑوں کے یہ حسرت — کیوں ہمیں بھی نہ لے گئے ہمراہ
قطب الارشاد تھے مجدد تھے — بات بات آپ کی ہے اس پہ گواہ
رہنماؤں کے بھی تھے راہ نما — قبلہ گاہوں کے بھی تھے قبلہ گاہ
تھے مکمل طبیب روحانی — تھے سب امراض نفس سے آگاہ
نہ چھپا حال دل خفی سے خفی — تھے وہ باریک بین و تیز نگاہ
عامی و عالم و ضعیف و قوی — سب کو جو سہل تھی خدا کی راہ
اس کو بھی کر دیا تھا پیروں نے — کتنا مشکل ارے معاذ اللہ
آپ نے دیں سہولتیں ساری — ہا بھٹکنے دیا نہ نزدِ گناہ
کردیں حل ساری مشکلات طریق — کردے دور سب موانع راہ
قلزموں کو بھی کر دیا پایاب — اور کوہوں کو کر دکھایا کاہ
تحت امکان ہر بشر کر دی — باریابی بارگاہ الٰہ
ناامید اس کو بھی نہ لوٹایا — کوئی کیسا ہی آیا نامہ سیاہ
غرض اچھا برا امیر و فقیر — جو بھی پہنچا ہوا وہ حق آگاہ

ایک دنیا کو کردیا ذاکر
چارسو ہے صدائے الاّ اللہ

تھے بافراط مال و جاہ مگر
پاس پھٹکی نہ حبّ مال و جاہ

یوں رہے اس سرائے فانی میں
جیسے منزل کرے کوئی سرِ راہ

منت خلق سے تھے مستغنی
کی جو خدمت وہ حسبۃً للہ

شان تفویض واہ کیا کہنا
سب سپرد خدا سپید و سیاہ

باہمہ بھی تھے بے ہمہ بھی تھے
کیا عجب شان آپ کی تھی واہ

ایسی تفرید سے ہو واقف کون
ایسی تجدید سے ہو کون آگاہ

فطرت اتنی سلیم تھی کہ ہوئی
بات کوئی نہ بے محل بے گاہ

دوستی کی تو کی خدا کے لئے
دشمنی کی تو وہ بھی کی للہ

ہرمحل پر مناسب اس کے تھا رنگ
گاہ تو کچھ تھے اور کچھ تھے گاہ

دل کشی وہ خدا نے بخشی تھی
قلب کھنچتے تھے سب کے خواہ مخواہ

ہیبت حق کا کیا کہوں عالم
فقر میں تھے بہ ہیبت صد شاہ

سرنگوں تھے بڑے بڑے سرکش
دم بخود تھے بڑے بڑے ذی جاہ

تھا نہ سامانِ رعب پھر بھی تھا رعب
تھے عجب شاہ بے سریر و کلاہ

اہل باطل کی کچھ نہ چلتی تھی
اہل حق کے تھے آپ پشت و پناہ

نہ پھرے حق سے گو زمانہ نے
کروٹیں لیں ہزار شام وپگاہ

زور مارے بہت حریفوں نے
سب پہ غالب رہے بعون اللہ

مرکز حق سے عمر بھر نہ ہٹے
واہ کیسی تھی استقامت واہ

رات دن دین ہی کی بس دھن تھی
شغل بس ایک ہی تھا شام و پگاہ

استقامت جو ہو تو ایسی ہو
کوئی آسان ہے عمر بھر کا نباہ

ایں سعادت بزور بازو نیست
یہ عطا ہوتی ہے بفضل اللہ

نزع میں بھی تھا اہتمام حقوق
موت کیا ہے یہ بس فنافی اللہ

سرِ میت کوئی ہوا نالاں
کوئی رویا کسی نے کھینچی آہ
بولامیں چوم کر جبیں نیاز
واہ وا مرحبا جزاک اللہ
اس کو کہتے ہیں پختہ کاری دیں
ایسے ہوتے ہیں شیر مردِ الٰہ
علم دیں کا تھا مشغلہ شب و روز
اہتمام عمل تھا شام و پگاہ
تھے شریعت کے آپ مہر منیر
تھے طریقت کے آپ مشعل راہ
چھا رہی ہے جہاں میں تاریکی
جس طرف دیکھئے اٹھا کے نگاہ
آپ سے روشنی قلوب میں تھی
اہل دل پاتے ہیں دل اپنے سیاہ
سچ یہ احسان نے کہا مجذوب
بجھ گیا ہے چراغ اہل اللہ

ولہ ایضاً

یہ رحلت ہے کس آفتاب ہدیٰ کی
یہ ہر سمت ظلمت ہے کیوں کس بلا کی
یہ کس قطب الارشاد نے منہ چھپایا
کہ دنیا ہے تاریک صدق و صفا کی
اُٹھا کون عالم سے محبوب عالم
صدا کیوں ہے ہر سمت آہ و بکا کی
یہ کس کا ہے سوگ آج گھر گھر جہاں میں
احبا کی قید اور نہ قید اقربا کی
یہ رہ رہ کے اُف کس کی یاد آرہی ہے
یہ کیوں دل میں ٹیسیں ہیں اُف اس بلا کی
کلیجے ہیں کیوں آج شق اہل دل کے
جدائی ہے یہ آج کس دلربا کی
یہ کس نے جہاں سے گزر کر جہاں میں
قیامت سے پہلے قیامت بپا کی
یہ دنیائے دیں میں ہے کیوں آج ہلچل
ہوئی ہے وفات آج کس رہنما کی
بھٹکتے جو پھرتے ہیں افراد اُمت
ضرورت ہے اُمت کو کس مقتدا کی
یہ بحر حوادث میں کشتیٔ مسلم
طلبگار ہے آج کس ناخدا کی
یہ کس خضر نے لی راہِ جنت
یہ سالک ہیں کیوں نارسائی کے شاکی
طلب آج ہے طالبان خدا کو
بصد حسرت و یاس کسی باخدا کی
بقا کے ہیں آثار اہل فنا میں
ضرورت ہے پھر کس کے درس فنا کی

بیان آج ہے کس کے کس کس شرف کا ثنا آج ہے کس کی کس کس ادا کی
صدا ہے یہ کیوں اللہ اللہ کی ہر سُو ندا ہے یہ کیوں مرحبا مرحبا کی
کسے کہتے ہیں سب کہ تھے سب سے اشرف قسم ہے خدا کی قسم ہے خدا کی
یہ گذرا ہے کون ایسا رہبر جہاں سے کہ تقلید ہے جس کے ہر نقش پا کی
کہاں ہے کہاں آج وہ ذات اشرف نیابت ملی جس کو خیر الوریٰ کی
کہاں ہے جو تھا اس صدی کا مجدد ہوئی جس سے تجدید دین خدا کی
وہ فخر حکیمانِ امت کہاں ہے تسلی جو کرتا تھا ہر مبتلا کی
مریضانِ اُمت کو یاد آ رہی ہیں شفا بخشیاں کس کے دستِ شفا کی
یہ مثل صدف چشم جوہر شناساں تلاشی ہے کس گوہر بے بہا کی
مفسر، محدث ، مربی ، مدرس کسے آج حسرت نہیں انتہا کی
معارف ، حقائق ، معانی ، دقائق تلاش ان کو ہے کس کے ذہن رسا کی
یہ خود پارسائی کو بھی جستجو ہے بصد رنج و غم آج کس پارسا کی
تکلف سے گھبرا کے سادہ بزرگی طلب میں ہے کس بے عبا بے قبا کی
اجابت درِ حق پر ٹھٹکی کھڑی ہے یہ ہے منتظر کس کے دست دُعا کی
ہے طالب کرم کس کے دست کرم کا ہے جویاں عطا کس کے دست عطا کی
یہ پہلو سے رخصت ہوا کون دلبر جفا بھی تھی جس کی حقیقت وفا کی
یہ رخ کس مسیحا نے مجذوب پھیرا جو ہے غیر حالت دل مبتلا کی
یہ برسات کا بھی مزا کس نے کھویا گھٹا کی خبر کچھ نہ باد صبا کی
یہ کس جان عالم کا ہے وقت آخر کہ حالت دگرگوں ہے ارض و سما کی
یہ حیرت میں ہے کیوں فرشتہ اجل کا یہ نوری سے بھی بڑھ گیا کون خاکی
ہوا آج خلد آشیاں کون طوطی اجل نے یہ کس کی زباں بے صدا کی
بنی حیرت گوش باغ جہاں میں نوا آج کس بلبل خوشنوا کی
ہوئی بند وہ چشم بیمار کس کی دوا تھی جو ہر علت لادوا کی

رکیں کس مسیحا نفس کی وہ سانسیں
صفت جن کے اندر تھی آب بقا کی

یہ مر کر بھی ہے کون زندہ جہاں میں
یہ جاں کس نے کس جانِ جاں پر فدا کی

فیوض آج بھی اہل دل پا رہے ہیں
یہ کس کی فنا بھی ہے مظہر بقا کی

سواد عدم سے بھی جو پھوٹ نکلی
یہ کس روحِ انور کی ہے تابنا کی

یہ کس جسم اطہر کا ہے غسل میت
کہ خود پاک تر ہوگئی آج چا کی

کفن پوش کون آج فانیٔ حق ہے
کہ دل کو نہیں اب تمنا بقا کی

یہ عشاق سے پردہ فرمایا کس نے
یہ اُف اوڑھ لی کس نے چادر فنا کی

ہوئی کیا وہ صورت کہ جب اس کو دیکھا
تو غافل کو بھی یاد آگئی خدا کی

ملائک نے بھی آسماں سے اُتر کر
یہ کس کی نماز جنازہ ادا کی

یہ اس دھوم سے کس کا نکلا جنازہ
یہ کیوں ٹوٹی پڑتی ہے خلقت خدا کی

فرشتے بچھاتے ہیں پر، حور آنکھیں
یہ میت اُٹھی کس شہید وفا کی

اُترنے کو ہے کس کا لاشہ لحد میں
جو آغوش کھولے ہے رحمت خدا کی

جو عرش معلّٰی ہے ضو بار ہر دم
یہ ہے قبر کس عبد رب العلی کی

میں حیران ہی تھا کہ ہاتف نے پکارا
یہ رحلت ہے آج اشرف الاولیاء کی

(۶۲ ۱۳ھ)

قطعہ تاریخی از جناب مولانا عبدالسمیع صاحب کشتہ

مدرس دارالعلوم دیوبند

ہیں کہاں وہ حامیٔ دین متین
جن کے پیرو سالک سنت ہوئے

ہیں کہاں وہ واعظ شیریں بیاں
جن کے خادم ناصر ملت ہوئے

عالم و عابد فقیہ و پارسا
حق کے طالب طالب خلوت ہوئے

شیخ اعظم ، ہادیٔ بزم سلوک
شاہِ اشرف زینت جنت ہوئے

تھے جو باقی محفل اسلاف کے
آہ وہ بھی ہم سے اب رخصت ہوئے

اٹھ گئی محفل ہی ان کے ساتھ ساتھ
وہ بھری محفل سے کیا رخصت ہوئے

کس سے پوچھیں گے حقائق دین کے — وہ محقق وقت کے رخصت ہوئے
ہے سرِ ایماں سے یہ سالِ وفات — قطبِ عالم داخلِ جنت ہوئے

(۱۳۶۲ھ)

قطعہ تاریخی از جناب قاضی محمد مکرم صاحب تھانوی پنشنر تحصیلدار ریاست بھوپال

اشرف الاولیاء نے رحلت کی — اُٹھ گیا سَر سے آہ کیسا شفیق
ناخدا تھے جو اِک زمانے کے — بحرِ رحمت میں ہوگئے وہ غریق
بزم دیں کو تھی ان سے یوں رونق — جیسے ہو زینت نگینہ عقیق
کہیں صدیوں میں جاکے آتے ہیں — ایسے افراد کامل و صدیق
سہل و آسان جن کو علم و عمل — جن کو یکساں تصور و تصدیق
وہ تصانیف جن کو دیکھے تو — راہ پر آہی جائے ہر زندیق
زندگی بھر جنہوں نے سائل کی — حل اشکال میں نہ کی تعویق
عین فطرت ہر ایک استدلال — عقل پر منطبق ہر ایک تحقیق
بات میں بات نکتہ میں نکتہ — اللہ اللہ ان کی فکر عمیق
نہ تکلف، نہ کچھ ریا و نمود — سارے اسلاف کے سے طور طریق
نہ رئیس و وجیہ سے لُچنا — نہ امیر و غریب میں تفریق
دیکھ کر ان کو یاد آتے تھے — سلف صالحین عہد عتیق
گو تصوف کو کر گئے پانی — پھر بھی ہیں اس کے واردات دقیق
جب یہ پیش آئیں ہو ہی جاتے ہیں — عقلاء گنگ، بے زبان لئیق
دیکھتا ہوں وفات سے ان کی — ہیں پریشان ان کے یار و رفیق
فکر تاریخ میں بھی دھن ہے وہی — ہے خیال ایک سب کا بے تفریق
جس سے سنئے وہی یہ کہتا ہے — حل ہوں اب کس سے مشکلات طریق

(۱۳۶۲ھ)

ولہ ایضاً

اے مکرم وفاتِ اشرف سے | ہیں تہ و بالا اسفل و اعلیٰ
جن سے گلزار بزمِ امکاں تھی | وہ ہیں آج اور جنت الماویٰ
نہیں چون و چرا کی گنجائش | ہے اسی طرح مرضیٔ مولیٰ
ہے بہرحال خم سرِ تسلیم | مرضیٔ مولیٰ از ہمہ اولیٰ
اس کمی کا قلق ہے البتہ | ہوگئی خالی مسند تقویٰ

(۱۳۶۲ھ)

نظم تاریخی از جناب منشی رشید احمد صاحب رشید تھانوی

آہ کیا دہر کی ہوا بگڑی | اُٹھ گئی انبساطِ دورانی
شادمانی بدل گئی غم سے | امن و راحت پہ پھر گیا پانی
اب تو جینا بھی ہوگیا دوبھر | زندگی ہوگئی گر انجانی
غمکدہ بن گئی ہے دنیا آج | ہر طرف چھا گئی پریشانی
لُٹ گیا ہائے ہائے تھانہ بھون | چار سو چھا گئی ہے ویرانی
شاہ اشرف علی ولی اللہ | قطب الاقطاب قطب ربانی
مفتی و مولوی و شیخ اجل | اشرف الاولیائے ربانی
قاری و حافظ کلام مجید | فرد آل خلیفہ ثانی
دست پر ورد محمد یعقوب[۱] | موردِ لطف فضل رحمانی
اعلیٰ حضرت کے مولوی مہین[۲] | فیضیاب خدیو جیلانی
نور نور محمد و امداد | فرد ابدال غوث صمدانی
صاحب صدق نائب اول | معدن علم، حلم عثمانی
حامی سنت رسول اللہ | ماحیٔ رسمہائے نفسانی

---

[۱] مراد حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ استاد حضرت مغفور ۱۲ [۲] فرمودہ حضرت حاجی صاحبؒ ۱۲

بحر عرفان و علم جاری تھا | بٹ رہے تھے فیوض یزدانی
طالبیں ہو رہے تھے مالا مال | سالکین بن رہے تھے نورانی
ذکر اللہ ہی کا چرچا تھا | کھل رہے تھے رموز فرقانی
تذکرہ تھا حدیث نبوی کا | نعت احمد کی تھی غزلخوانی
آنکھیں کھلتی تھیں سننے والوں کی | سن کے اسرار علم قرآنی
آپ بے شک حکیم الامت تھے | کرتے امت کی تھے نگہبانی
مشکلیں سالکان حیراں کی | حل ہوا کرتی تھیں بآسانی
رات دن طالبانِ مولیٰ کی | مل رہیں تھیں مرادیں من مانی
لٹتے تھے رات دن خزائن فیض | تھی متاع گراں کی ارزانی
بزم قدسی تھی آپ کی مجلس | چل نہ سکتا تھا مکر شیطانی
حق نے بخشا تھا ملکہ تشخیص | کھول دیتے تھے کید نفسانی
آپ کو سہل تھا دلائل سے | دشمنوں سے بھی بات منوانی
کس قدر رعب و داب تھا واللہ | وقت کے تھے خلیفہ ثانی
شرک و بدعات کے معالجہ میں | آپ[۱] شیخ الرئیس تھے ثانی
آپ سب کا علاج کرتے تھے | جتنی بیماریاں ہیں نفسانی
بہر اثبات حق شواہد کی | حق نے بخشی تھی کیا فراوانی
فاضلان علوم منقولی | آ کے لیتے تھے درس ایمانی
یاں شفا یاب ہوتے تھے آ کر | سرفراز ان طب یونانی
طالبیں کا ہجوم رہتا تھا | کوئی روسی تھا، کوئی افغانی
حاضریں خانقاہ و مجلس کے | تھے ملائک بشکل انسانی
شاہ اشرف علی طاب ثراہ | ساری دنیا تھی جس سے نورانی
چل بسے آہ حضرت اقدس | بن گئے میہمان رضوانی

---

[۱] آپ تھے شیخ اکبر ثانی

جوش شوق لقائے خالق میں
سفر آخرت کی ہے ٹھانی

اشرف الاولیاء سدہار گئے
جابسالی ہے خلدِ رضوانی

آج خالی ہے خانقاہ شریف
حوریاں کر رہی ہیں مہمانی

باغ راحت اُجڑ گیا ہے ہے
ہُو کا عالم ہے صحن بستانی

بجھ گئی آہ مشعل انوار
ہوگیا گل چراغ عرفانی

کوہِ غم ہائے سر پہ ٹوٹ پڑا
چھاگئی دہر میں پریشانی

مہر توحید ہوگیا ہے غروب
چھپ گیا ماہتاب عرفانی

ہائے یہ غم سہا نہیں جاتا
جان جائے گی جان ہے جانی

رو رہاہے الم سے پیر فلک
اشک میں قطرہ ہائے بارانی

صبر لازم ہے ای رشید حزیں
ہے یہ دنیا گزشتنی فانی

روحِ پاک حضور والا کو
ہو خدا قرب خاص ارزانی

مجھ کوتوتم نے کر دیا بے خود
نہ رہی طاقتِ سخن رانی

خوب لکھے جمیل صاحب نے
مادے حادثے کے لاثانی

اشرف اتقیائے اہل خسرو
خاتم اولیائے ربانی

(۱۹۴۳ء) (۱۳۶۲ھ)

نظم از جناب مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی

وہ حکیم امت خیرالوریٰ قطبِ ہدیٰ
وہ دوا اُمت کے ہر بیمار اور ناشاد کی

صدق صدیقی تھا جس میں حزم فاروقی کیساتھ
اک درخشاں یادگار اسلاف اور امجاد کی

مشعل راہ ہدیٰ نور محمد کی ضیا
آہ۔ وہ زندہ نشانی حضرت امداد کی

حضرت اشرف علی تھانوی روحی فداہ
جن سے قائم تھیں ہزاروں مسندیں ارشاد کی

ہیں سبھی اہل کمال واہل دل مصروف کار
دیکھ لو خالی پڑی ہے پر جگہ اوستاد کی

کیوں نہ ہوں چشم فلک سے خون کے آنسو رواں
کیوں نہ ہو روئے زمیں صف ماتم وفریاد کی

خستہ حالوں کے لئے اب ہے نہیں جائے پناہ — آسماں تانبے کا ہے آج اور زمیں فولاد کی
وائے ناکامی کہ ہم جیسے تباہ و خستہ دل — اور چھائی ہیں گھٹائیں ہر طرف الحاد کی
ناخدا گم کردہ ہے کشتی اُمت اے کریم — ہے زبوں حالت ہمارے مجمع و افراد کی
المدد بہر حبیب خود الٰہی المدد — اُمتِ مرحوم پھر محتاج ہے امداد کی

قطعہ تاریخی از جناب
حافظ احسان الحق صاحب احسان تھانوی

پیٹتی ہے سر وطن کی سر زمیں — رو رہے ہیں ہر مکاں و ہر مکیں
تیرہ و تاریک دنیا ہوگئی — سارا عالم آج ہے اندوہ گیں
کیوں بپا یہ حشر کا عالم ہوا — ہے خبر بھی تجھ کو اس کی یا نہیں
حاجیؒ امداد اللہ کے جو تھے — درحقیقت اور سچے جانشیں
یعنی حضرت مولوی اشرف علی — یارگارِ کاملانِ سابقیں
عارفِ حق دیں کے روح اور تن — سالکِ راہِ شریعت بالیقیں
یادگارِ قصبۂ تھانہ بھون — افتخارِ اولین و آخریں
شرق سے تا غرب یہ شہرت ہوئی — ہوگئے فضلِ خدا سے ہمقریں
نامِ نامی جب سنا ممدوح کا — ہل گئی بارِ الم سے سب زمیں
چھوڑ کر دنیائے فانی چلدیئے — زیرِ دامانِ الٰہ العٰلمین
یہ دعا دن رات کرنی چاہیے — یاالٰہی بخش فردوسِ بریں
واقفِ اسرارِ فخرِ کائنات (۱۳۶۲ھ) — واقعی تھے حامیؒ دینِ مبیں
سالِ رحلت اسی طرح احسان لکھ — مردِ کامل ساکنِ خُلد بریں
(۱۳۶۲ھ)

نوٹ: ہر مصرعہ اول و ثانی کے پہلے حرف کے اعداد و شمار کرنے سے بھی سال ۱۳۶۲ھ برآمد ہوتا ہے۔

قطعہ تاریخی از جناب نواز حسین صاحب سفیر فتح پوری

یوم دو شنبہ رجب کی پندرہ تاریخ کو — دارِ فانی سے گئے صد حیف اک حق کے ولی

ہائے کیسا عالم جید جہاں سے اُٹھ گیا — اس کی فرقت میں نہ کیوں ہو اہل دل کو بیکلی

چھا گئی کیسی اُداسی ہر درودیوار پر — بن گئی ماتم کدہ تھانہ بھون کی ہر گلی

حامیٔ دین متیں تھے اور اُمت کے حکیم — سالکِ راہِ طریقت بھی تھے وہ حق کے ولی

فیضِ روحانی تھا جاری ان کا ہر دم چار سُو — مثل اُن کے دہر میں کوئی نہ تھا ایسا ولی

عمر بھر راہِ شریعت پر قدم اُن کا رہا — ہر گھڑی رسمِ طریقت گود میں ان کی پلی

باعمل عالم بھی تھے وہ مرشد کامل بھی تھے — ان کی صحبت میں رہا جو بن گیا وہ بھی ولی

وعظ ان کا سُن لیا جس نے وہ گرویدہ ہوا — دی تھی اللہ نے طبیعت بھی انہیں کیا منچلی

گلشن صحبت میں اُن کے جس نے جا کر سیر کی — بیگماں اس شخص کی بھی کھل گئی دل کی کلی

اللہ اللہ کیا کریم النفس ان کی ذات تھی — نام تھا مشہور جن کا دہر میں اشرف علی

پاک طینت تھے برائی سے وہ کوسوں دور تھے — بات جو نکلی زباں سے ان کے تو نکلی بھلی

خالقِ اکبر نے دنیا میں بنایا تھا انہیں — صوفی و درویش و حاجی، حافظ و عالم، ولی

ذات سے اُن کی شجرا سلام کا سرسبز تھا — ان کے دم سے شاخ تھی نخلِ شریعت کی پھلی

تھا عمل ان کا حدیث پاک پر قرآن پر — ملحدوں کی اُن کے آگے بات کب کوئی چلی

اُن کی محفل میں رہا روشن شریعت کا چراغ — بزم میں ان کی شمع ہر دم طریقت کی جلی

فی الحقیقت ملت بیضا کے تھے وہ آئینہ — شکل اُن کے نور کے سانچے میں تھی گویا ڈھلی

اُن سے بڑھ کر تھا کہیں بھی کیا کوئی شیریں کلام — بات اُن کی تھی کہ جیسے ایک مصری ڈلی

آپ نے احکام قرآنی کی وہ تبلیغ کی — جس سے قلب اہل بدعت میں رہی ایک کھلبلی

قلب ان کا ہر گھڑی یادِ الٰہی میں رہا — دم بدم لب پر تھا اُن کے یا کبیر و یا علی

آج اُن کو بھی قضا نے کر دیا واصل بحق — ان کی روح پاک کو باصد ادب لیکر چلی

اور انہوں نے اپنی جاں جاں آفریں کو سونپ دی — ہو کے راضی بررضا دارالبقا کی راہ لی

ای سفیر ان کا تو لکھ یوں مصرع سالِ وصال — چل دیئے اب سوئے جنت مولوی اشرف علی

۱۳۶۲ھ

''رباعیات''

از جناب مولانا شبیر احمد عثمانی دیوبندی

واحسرتا کہ شیخ زمانہ نہیں رہا
اُمت کا وہ حکیم یگانہ نہیں رہا
جائیں جہاں ازالۂ شبہات کیلئے
اب کوئی اپنا ایسا ٹھکانا نہیں رہا

قلب وجگر فگار ہیں فریاد کیا کریں
ہمدم بیان گلشن برباد کیا کریں
غم بھی وہ غم پڑا ہے کہ اللہ کی پناہ
درماں راحت دلِ ناشاد کیا کریں

امدادِ حق نظر کا نظارہ کدھر گیا
یعقوب کی نگاہ کا تارا کدھر گیا
فیض رشید و قاسم و محمود، شیخ ہند
ہم بیکسوں کا یعنی سہارا کدھر گیا

تھا اشتیاق دید خدا دل میں موجزن
روحِ رواں نے چھوڑ دیا اتصالِ تن
آخر وطن بنا ہی لیا باغِ خلد کو
واصل بحق ہوئے بہ طفیلِ شہِ زمن

رحلت سے اُنکی قلب وجگر سب کے شق ہوئے
ارکانِ[1] جامعہ بھی غریق قلق ہوئے
لیکن سوائے صبر کے چارہ نہیں ہے کچھ
مومن وہ ہیں جو تابعِ فرمانِ حق ہوئے

---

[1] مدرسہ جامعہ حسینیہ راندیر، جسکے جلسہ میں مولانا نے یہ رباعیات پڑھی تھیں ۱۲ منہ

نظم ملقب بہ سفیر غیب

از جناب ابوالاسرار رمزے اٹاوی

نہ جانے کیا اچانک موج آئی اسکی رحمت کو
اُٹھا کر لے گئی آغوش میں جبریل طلعت کو

اسی ماحول میں گم ہوگیا ہنستا ہوا تارہ
سوادِ اعظم اسلام کا رخشندہ مہ پارہ

وہ تارہ جو رہا ملفوف احرامِ قیادت میں
گزاری جس نے اپنی زندگی اصلاحِ امت میں

بڑھاپے کا تو کیا کہنا مجسم آرزو ہو کر
خدا سے ہوگیا واصلِ خدا کی جستجو ہو کر

یہ تیری خانقاہ پاک نورِ حق کا مینارہ
حقیقت جسمیں روشن ہے تجلی جس میں آوارہ

اُبلتا دیکھتا ہوں کوثرِ عرفاں کا فوارہ
نظر کو بخشتا ہے دولتِ انوار نظارہ

یہ تیری سہ دری ہے جس کو طاقِ معرفت کہیئے
یقیناً تربیت گاہ مذاقِ معرفت کہیئے

حکیم ایشیا کہیئے تجھے یا عارفِ مشرق
عجم سے تا حرم ہر سو ہے تیرا شہرۂ ناطق

تری تقریر کیا ہوتی تھی کشفِ سامعہ کہیئے
تجھے اسلام کا ایک چلتا پھرتا جامعہ کہیئے

وہ دولت لیکے اُٹھتے تھے جو تیرا وعظ سنتے تھے
بغیر ساز و نغمہ وجد میں سر اپنا دھنتے تھے

اُجالا اس طرح کرتا تھا پیدا ذہن فاسق میں
سپیدہ جیسے اُگتا ہو ریاض صبح صادق میں

اس امت کے قدم نار فتنی راہوں سے روکے ہیں
کہ جن راہوں میں پوشیدہ جہنم زار ہوتے ہیں

دماغِ جہل سے خارج کیا بیہودہ رسموں کو
کچل ڈالا تمدن کے شر انگیز جلووں کو

اٹھا دی ایک قلم ملت کی وہ رسمی رواداری
سمجھ رکھا تھا دنیا نے جسے رازِ وفاداری

ممیّز کر دیا ناموسِ اکبر سے زوائد کو
روایاتی عناصر، اجنبی باطل عقائد کو

اُجاگر کر دکھایا دینِ فطرت کا پس منظر
مکدر ہو چکا تھا روغن اوہام سے یکسر

رُخِ اسلام کو حقانیت کی دھوپ میں دیکھا
اسے تیری بدولت آسمانی روپ میں دیکھا

سبق تو نے دیا ہم کو محمدؐ کی اطاعت کا
خلوص آمیز عظمت اور سنجیدہ محبت کا

دلِ تاریک روشن کر دیئے تیری نگاہوں نے
درِ توبہ پہ رکھدی اپنی پیشانی گناہوں نے

سکھائے فقر کے آداب تو نے بادشاہی کو
جلالِ قیصری بخشا ، جمالِ خانقاہی کو

سوادِ آزرستان سے اندھیرے کو مٹا ڈالا
صنم زار دوآبہ کو خلیلستان بنا ڈالا

نئے فتنے اٹھے اور اٹھکے تفسیریں بدل ڈالیں
مگر تو نے مسلمانوں کی تقدیریں بدل ڈالیں

سیہ کاری نے جب بھی پاؤں پھیلائے بغاوت کے
خدا نے غیب سے بھیجے سفیر اپنی ہدایت کے

چنانچہ حجۃ اللہ بن کے آیا تو زمانہ میں
پیامِ رشد پوشیدہ تھا تیرے تازیانہ میں

ملی تھی تجھ کو مشکوٰۃ نبوت سے درخشانی
سلیقہ تیرا قدوسی فراست تیری نورانی

تری تہذیب اسلامی ترا کلچر مسلمانی
ڈسپلن سے ترے اغیار کو ہے سخت حیرانی

محقق ، مجتہد ، عالم ، محدث ، حافظ و قاری
بایں اوصاف، شہرت سے بری اظہار سے عاری

تواضع ، سادگی ، مردانگی ، زہد و صفا کیشی
محمدؐ کے مشن کا ترجمہ تھی تیری پالیسی

نچھاور روح کرتا تھا نشانِ پائے احمد پر
تصور اڑ تا رہتا تھا ہمیشہ سبز گنبد پر

قدم راہِ نبی میں اور پنجہ نبض اُمت پر
حکیمانہ نظر رہتی تھی بسط و قبض اُمت پر

نظر چہرہ سے پڑھ لیتی تھی کیفیات پنہانی
بصیرت کو نظر آتا تھا مدوجزر انسانی

کمندیں پھینکتی تھیں اہرمن پر تیری تدبیریں
علاجِ معصیت ثابت ہوئیں اکسیر تحریریں

نہ لالچ دے سکیں ہرگز تجھے سکوں کی جھنکاریں
ترے دستِ توکل میں تھیں استغنا کی تلواریں

کتابِ زندگی کا ہر ورق تصویر سنت ہے
تری ہر نقل و حرکت نقشہ تدبیر سنت ہے

شرف تجھ کو ملا بزمِ ولا کی باریابی کا
صحابی گو نہیں لیکن نمونہ تھا صحابی کا

ترے پہلو میں نفس مطمئنہ کھلکھلاتا تھا
یقیں تارِ نفس پر نغمہ توحید گاتا تھا

دماغ و دل ترے مومن یہی کیا ہر ادا مومن
خدا کے ساتھ ترا رشتہ عشق و وفا مومن

تری حاضر جوابی سے ہر ایک مسرور ہوتا تھا
ترا سادہ سا فقرہ مصرعہ منور ہوتا تھا

تری تحقیق کے جھنڈے سرِ افلاک لہرائے
جہاں سائنس کا ذہنِ رسا جانے سے لنگڑائے

بفیضِ پرتو ''امداد'' حق ہر فن میں کامل تھا
نہ کیوں ہوتا کہ آخر دیدۂ یعقوب کامل تھا

تو شاگردِ ''رشید'' ایسا کہ استاذِ زماں نکلا
زمینِ ہند کا ذرّہ چراغِ آسماں نکلا

کسے گنجائش شک ہے مبارک کامرانی میں
کہ ایک دنیائے ہو چھوڑی ہے اس دنیائے فانی میں

ترے انجام برتر کا پتہ آغاز دیتا تھا
ترا مستقبل روشن تجھے آواز دیتا تھا

تو میدانِ صحافت میں بھی سبقت لے گیا سب پر
کہ نو سو تک پہنچ جاتا ہے تصنیفات کا نمبر

مقدس، اسپرٹ کے جوہر و جذبات دیکھے ہیں
صحیفے ترے خطبے اور ملفوظات دیکھے ہیں

کسی میں فلسفہ منطق کسی میں نورِ حکمت ہے
ذخیرہ علم دیں کا گنج اسرارِ نبوت ہے

ترے حکمت بھرے نسخوں سے لوی علم آتی ہے
فضائے روح میں جو نور بنکر پھیل جاتی ہے

جنہیں پڑھنے سے عقبیٰ کے چمن کی یاد آتی ہے
اُسی دارالبقاء سچے وطن کی یاد آتی ہے

مطالب جن کے قاری کو غذائے فکر دیتے ہیں
تغافل کیش روحوں کو پیام فکر دیتے ہیں

حریم دل کے میلے آئینے خود دھلتے جاتے ہیں
حجابات اٹھتے جاتے ہیں، دریچے کھلتے جاتے ہیں

مرقع ہے حدیثوں کا الٰہیات کا دفتر
ہمارے واسطے چھوڑا ہی کیا پاکیزہ لٹریچر

لکھے گا وقت آبِ زر سے تیرے کارناموں کو
مسلماں حفظ کر لے کاش ان زریں پیاموں کو

جو سچ پوچھو جہاں میں قطب ارشاد و ہدایت تھا
ترے تبلیغ کے ہاتھوں میں فانوسِ ہدایت تھا

تریسٹھ سال تک تو نے ہمیں تبلیغ فرمائی
یہی وہ عمر تھی جو سرورِ کونین نے پائی

یہ رمزی بے بصیرت ہے، ترے رتبہ کو کیا جانے
جو ہم رتبہ ہو تیرا وہ ترے اوصاف پہچانے

یہ خدام شریعت ہیں جو مانند پیمبر ہیں
وہ دریا کیسا ہوگا جسکے یہ قطرے سمندر ہیں

جہاں سے نقش مٹ سکتا نہیں اللہ والوں کا
یہ تیرا مرثیہ کیا ہے قصیدہ ہے کمالوں کا

تری تعریف سے تعریف ربانی عبارت ہے
کہ جسکے پاس جو کچھ ہے وہ سب اسکی امانت ہے

عقیدت نے جسے لکھا ہے قرطاسِ محبت پر
جسے بیتابیاں پڑھتی ہیں خلوت ہیں بچشم تر

کہیں مدت میں ساقی بھیجتا ہے ایسا مستانہ
بدل دیتا ہے جو بگڑا ہوا دستور میخانہ

نظم ملقب بہ زندہ خواب
از جناب ابوالاسرار رمزے اٹاوی

دیباچہ ہستی پہ شکن دیکھ رہا ہوں
ہر نقش پہ ایک موج حزن دیکھ رہا ہوں
اُف! خاک بہ سر تھا نہ بھون دیکھ رہا ہوں
اُجڑا ہوا عرفاں کا چمن دیکھ رہا ہوں
ڈوبا ہوا ماتم میں وطن دیکھ رہا ہوں
اک شور بپا تا بہ عدن دیکھ رہا ہوں
دیکھا نہیں جاتا ہے مگر دیکھ رہا ہوں
عالم سے اک عالمِ کا سفر دیکھ رہا ہوں
مغموم ہر اک پیرو جواں دیکھ رہا ہوں
ماحول پہ حسرت کا سماں دیکھ رہا ہوں
اٹھتا ہوا سانسوں سے دھواں دیکھ رہا ہوں
میں دور سے انجامِ فغاں دیکھ رہا ہوں
حیرت ہے یہ کیا خواب گراں دیکھ رہا ہوں
غم دیکھ رہا ہوں میں جہاں دیکھ رہا ہوں

اب تو ہی بتا دے مری مغموم عقیدت
کب ہوگی میسر مجھے حضرت کی زیارت؟

نظم از جناب دماغ جونپورے

خدا بخشے ہمارا پیرِ کامل ایسا ذی شاں تھا
کہ اس ہندوستان میں آج فخرِ ہر مسلماں تھا
سراپا تابع سنت تھا تو عامل بہ قرآں تھا
مسلمان ایسے ہی ہوتے ہیں تو جیسا مسلماں تھا
غلاموں کو ابھی کچھ دن ترے جینے کا ارماں تھا
مگر اب ہو گیا ظاہر یہی منظور یزداں تھا
عمل میں جب سے تیرا نسخہ امراض عصیاں تھا
نہ تھی گو صحت کامل مگر صحت کا عنواں تھا
شفا کا دینے والا تو وہی ہے شافیٔ مطلق
مگر ہاں ہاتھ میں تیرے علاجِ دردِ عصیاں تھا
خدا رحمت کرے وہ آج زیرِ خاک ہے پنہاں
جو کل تک آفتابِ علم عالم میں درخشاں تھا
ترے نقشِ قدم پر جو چلا اللہ تک پہنچا
تو بیشک رہبرِ راہ ہدیٰ، واصل بہ سبحاں تھا
خدا نے مرتبے اعلیٰ سے اعلیٰ تجھ کو بخشے تھے
مجدد تھا تو اپنے وقت کا ہادیٔ دوراں تھا
درِ مضمون نافع آتے تھے بہہ بہہ کے ساحل پر
کہ تیرے دل میں ہر دم موجزن اک بحرِ عرفاں تھا

زمانے بھر کے عاقل تیرے آگے ہوتے تھے ساکت
تسلی وہ تری تقریر، تسکیں بخش عنواں تھا

ہزاروں تیرے خادم آج مخدومِ خلائق ہیں
تو مخدوموں کا بھی مخدوم اے مخدومِ دوراں تھا

بجا ہے تیری فرقت میں اگر مضطر دل وجاں ہے
خدا سے ملنے کا ارماں ترے ملنے کا ارماں تھا

حکیم الامۃ خیر البشر فرما گئے رحلت
وہ جن کے ہاتھ میں ہر ایک علاج دردِ عصیاں تھا

بھرے ہیں آج اُن سارے دلوں میں رنج وغم کیا کیا
ابھی کل تک ترے ملنے کا جنمیں شوق وارماں تھا

مری نظروں میں اب تاریک ہے دنیائے اسلامی
زمیں میں چھپ گیا جو دیں کا مہر درخشاں تھا

خدا نے آدمی کو اشرف المخلوق فرمایا
تو اُن افراد میں اشرف علی اشرف اک انساں تھا

خدا تجھ کو سراپا غرقِ دریائے کرم کردے
برائے اُمت عاصی تو اک رحمت کا ساماں تھا

خدا حافظ دماغ اب ہم گناہوں کے مریضوں کا
جہاں سے اُٹھ گیا دردِ گناہ کا جو کہ درماں تھا

وله ایضاً

تو زیرِ خاک گو اے آفتابِ علم پنہا ہے
مثال میری مہر تیری خدمت دینی درخشاں ہے

ہوئے ہیں تجھ سے اے شمع ہدایت لاکھوں دل روشن
شب ظلمت ہے پھر بھی ان چراغوں سے چراغاں ہے

زمانہ معترف ہے، تیرے علم وفضل وعرفاں کا
موافق تو موافق ہیں مخالف بھی ثنا خواں ہے

تصوف کے سبھی مشکل مسائل حل کئے ایسے
کہ جس سے ساری دنیائے طریقت آج حیراں ہے

بنا رکھا تھا لوگوں نے جسے مشکل سے بھی مشکل
وہی راہِ طریقت آج آساں سے بھی آسان ہے

جو منزل تھی ہزاروں کوس وہ زیرِ قدم کردی
ارے او رہبرِ کامل ترا یہ خاص احساں ہے

مٹا ڈالا تھا تو نے خدمت اسلام میں خود کو
جبھی تو خلق میں مخدومیت تیری نمایاں ہے

بتائے تو ذرا کوئی مسلمانانِ عالم میں
ہے ایسا کون جو تیرا نہیں ممنونِ احسان ہے

تصانیف کثیرہ نافعہ ہوں یا مواعظ ہوں
ہر اک حد سے فزوں تر ہے ہر ایک حد سے فراواں ہے

حکیم الامت مرحوم تیرا ایک ایک نسخہ
ابد تک کیلئے کافی برائے دردِ عصیاں ہے

غریقِ بحرِ رحمت کر مرے مرحوم مرشد کو
دماغِ خستہ جاں کی یہ دعائے رب ہجاں ہے

مجرد مادہا تاریخ

از: جناب مولوی خلیل الرحمٰن صاحب کلیانوی

مولانا عاش امیناً مات شہیداً

۶۲.........ہجری.........۱۳

ازعزیز ممتاز احمد صاحب تھانوی

مولائی عاش حمیداً، فمات شہیدًا

۶۲.........ہجری.........۱۳

از جناب مولوی عبدالکریم صاحب گمتھلوی

مقرب عظیم.........لقد اوتی خیراً

۶۲...ھ...۱۳......۶۲...ھ...۱۳

ہادی عالم رضی اللہ عنہ

۶۲.........ہجری.........۱۳

اشرف علی نور اللہ مرقدہ

۶۲.........ہجری.........۱۳

از جناب مولوی فیضان احمد صاحب رامپورے

قطب زماں، حکیم الامت مولوی اشرف علی

۶۲............ہجری............۱۳

تمام شد خاتمۃ السوانح